تتلی

(ایم اے راحت)

پہلی قسط

ہاشم احمد تین بیٹیوں کے باپ تھے، رحمانی، نادیہ اور پاکیزہ۔ ایم کام تھے اور ایک فرم میں اکاؤنٹنٹ لگے ہوئے تھے۔ گھر درمیانہ روی کا نمونہ تھا۔ بیوی سعدیہ بیگم بہتر طریقے سے گھر چلا رہی تھیں، حالات بہتر ہی تھے۔ رحمانی اور نادیہ ماں باپ کی طرح نارمل شکل وصورت کی مالک تھیں لیکن پاکیزہ نے اس گھر میں جنم لے کر تہلکہ مچا دیا تھا۔ گہری تاریکی میں روشنی کر دینے والا رنگ اس قدر دلکش نقوش کہ دیکھنے والا دیکھتے رہنے پر مجبور ہو جائے، جو دیکھتا ایک ہی بات کہتا۔ "سعدیہ بی بی، یہ بچی کہاں سے اغوا کی تم نے۔" "ہاشم احمد یہ تمہاری ہی بیٹی ہے، کیا حوروں جیسی شکل پائی ہے، کتنی مختلف ہے یہ تمہاری دوسری بیٹیوں سے، تمہارے گھر کا فرد تو لگتی ہی نہیں ہے۔" "کمال ہے بھائی، دیکھو ذرا قدرت کے کھیل، ایسے ایسے حسین چہرے پیدا کر دیتی ہے، خدا اس بچی کو نظر بد سے دور رکھے۔ بہرحال قدرت کے معاملات ہیں، کون کیا کہہ سکتا ہے۔" پتہ نہیں پاکیزہ نے کونسی عمر سے ان جملوں اور لوگوں کے احساسات کو محسوس کیا تھا۔ ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ انہی حالات میں پروان چڑھی تھی اور یہ بھی ایک بہت بڑی سچائی ہے کہ گزرتے ہوئے ماہ وسال اسے حسین سے حسین تر بنائے جا رہے تھے۔ شاید قدرت نے کوئی انوکھا تجربہ کیا تھا۔ پاکیزہ کو ہر طرف سے تحسین بھری آوازیں سننے کو ملتی تھیں جو اسے دیکھتا مسحور ہو جاتا اور اس کے لئے سب کچھ کرنے پر تیار ہو جاتا تھا۔ دودھ والا اس کی وجہ سے بھینس کا اصلی دودھ لانے لگا تھا۔ اس کی وجہ سے ہر دل میں گداز پیدا ہو جاتا تھا اور اس کے اثرات ہاشم احمد کے گھر پر مرتب ہو رہے تھے۔ پاکیزہ کے اندر ایک رعونت ایک غرور پیدا ہو گیا تھا۔ اپنی دونوں بہنوں کو وہ ذرا بھی منہ نہیں لگاتی تھی۔ رحمانی اور نادیہ خود اس سے مرعوب رہتی تھیں، یہاں تک کہ سعدیہ بیگم بھی اسے دوسری بیٹیوں پر ترجیح دیتی تھیں اور پہلے اس کے سارے کام کیا کرتی تھیں۔ بات آگے بڑھی گھر سے نکل کر اسکول پہنچی یہاں بھی اس کی تخصیص برقرار رہی۔ اسی اسکول میں اس کی دونوں بہنیں بھی پڑھتی تھیں۔ کوئی اجنبی اگر کسی کو بتاتا کہ پاکیزہ نادیہ اور رحمانی کی بہن ہے تو لوگ تسلیم نہیں کرتے تھے۔ "کیا واقعی یہ تمہاری بہنیں ہیں پاکیزہ؟" "ہاں.... ہیں....." وہ بیزاری سے کہتی۔ تھوڑا سا فاصلہ پیدا ہو جانا فطری بات تھی، البتہ ہاشم احمد نے جب یہ رویہ محسوس کیا تو سخت ہو گئے اور تینوں بیٹیوں میں مساوات کا دھیان رکھنے لگے۔ "تم گھر کی صفائی میں حصہ نہیں لیتیں پاکیزہ، یہ ذمے داری صرف رحمانی اور نادیہ کی تو نہیں ہے۔" "مگر صفائی سے تو گرد اڑتی ہے ابو۔" "تو پھر؟" "مجھے گرد بالکل پسند نہیں ہے۔" "بات تمہاری پسند اور ناپسند کی نہیں ہے، گھر کے کاموں میں سب کو برابر کا حصہ لینا چاہئے۔" "ہونہہ۔" پاکیزہ نخوت سے کہتی۔ ہاشم احمد بے شک اپنا رویہ سخت رکھتے تھے لیکن اتنا بھی نہیں کہ کسی قسم کا تشدد کرتے، بہرحال پاکیزہ کا وقت گزر رہا تھا پتہ نہیں اس کی فطرت میں یہ تبدیلی کہاں سے پیدا ہو رہی تھی۔ شکل و صورت بے شک الگ تھی لیکن اس کی فطرت کہیں اور سے بن رہی تھی۔ اسکول میں بے شمار واقعات ہوئے اور اس کے بعد کالج کا دور آیا۔ پاکیزہ کے اندر نئی نئی تبدیلیاں پیدا ہونے لگی تھیں۔ اسے تاریخ سے دلچسپی تھی اور تاریخ میں اس کے پسندیدہ کردار ذرا مختلف تھے۔ ہیلن آف ٹرائے، قلوپطرہ، سینا، جھانسی کی رانی جو مختلف کرداروں کی حامل تھیں، لیکن پاکیزہ ان سب کو اپنا آئیڈیل مانتی تھی۔ رضیہ سلطانہ بھی اس کی پسندیدہ شخصیت تھی لیکن اس کے ساتھ اس کے کالے غلام کا تصور بڑا عجیب تھا۔ اس نے عالم تصور میں اس کالے غلام کو کتنی ہی بار اپنے گرد چکر لگاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ سکندر کی ماں اولمپیاس کے انداز میں خونی مقابلے کرائے۔ اپنے حسن وجمال کو سامنے رکھے اور ان مقابلوں میں شکست در شکست کے مناظر دیکھے۔ اپنے آپ کو وہ دنیا کے ہر فرد سے منفرد دیکھنا اور سمجھنا چاہتی تھی۔ دوست نہ ہونے کے برابر تھے۔ ہاں اگر کوئی اس کے حسن وجمال کا شیدائی ہوا اور اس کی تعریف میں زمین وآسمان کے قلابے ملا دے تو اس سے اس کی یگانگت ضرور ہو جاتی تھی۔ کالج میں اس کا داخلہ تہلکہ خیز ثابت ہوا۔ کالج کی زندگی میں بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ طرح طرح کے سرکش نوجوان، طرح طرح کے مزاج کی مالک لڑکیاں مختلف انداز فکر کی مالک۔ چنانچہ نوجوانوں میں چہ مگوئیاں شروع ہو گئیں۔ شرارتیں ہونے لگیں اور دلچسپ بات یہ تھی کہ جب نوجوان مصنوعی طریقے سے آہیں بھرتے اور وہ جدھر سے گزرتی دل پکڑ کر کھڑے ہو جاتے تو وہ ان کی باتوں کا برا نہیں مانتی تھی، البتہ اس نے کسی طرف توجہ بھی نہیں دی تھی۔ ہاں ان کے درمیان وہ اپنے حسن کی چاہت کے مظاہرے ضرور دیکھنا چاہتی تھی۔ شہباز جو ایک دولت مند باپ کا سرکش بیٹا تھا، اپنے حسن اور اپنی دولت پر نازاں اور اس بات کا دعوے دار کہ کالج کی کوئی بھی لڑکی اس کی توجہ کی طلب سے دور نہیں ہے، وہ خود ہی ان پر توجہ نہیں دیتا۔ جب نوجوان لڑکوں نے شہباز سے کہا کہ شہباز بہت تیس مار خاں بنتے ہو، ذرا اس ملکہ حسن کو اپنے دام میں لا کر دکھاؤ تو شہباز نے حقارت سے کہا۔ "یار تم لوگ بے شمار تجربے کر چکے ہو میرے بارے میں، جس طرف انگلی اٹھائی ہے تم نے دیکھا ہے کہ میں کبھی ناکام نہیں ہوا۔" "ذرا دیکھیں تو سہی۔" اور شہباز نے اپنے طور پر کوششیں شروع کر دیں، لیکن ایک مدھم سی مسکراہٹ کے سوا اسے اور کچھ حاصل نہ ہوا۔ یہاں تک کہ جب ایک دن اس نے پاکیزہ کے سامنے کھڑے ہو کر کہا۔ "پاکیزہ! یہ تو بری بات ہے، تم دوسروں سے اس قدر الگ تھلگ کیوں رہتی ہو، میں تمہیں پسند کرتا ہوں۔" پاکیزہ نے سرد نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "تو اپنی اس پسند کو اپنے سینے میں دبا کر کسی قبر میں جا کر لیٹ جاؤ۔ کبھی غور کیا ہے اپنے آپ پر، دیکھا ہے کبھی اپنی شکل وصورت کو، بندر لگتے ہو تم...." دور کھڑے لڑکوں نے یہ منظر بخوبی دیکھا۔ شہباز غصے سے آگ بگولا ہو گیا تھا اور اس کے بعد اس نے وہ تمام گھٹیا حرکتیں شروع کر دیں جنہیں وہ اپنی دانست میں اپنی زبردست کارروائی تصور کرتا تھا لیکن اسے ایک بار بھی پاکیزہ کی طرف سے پذیرائی نہ ملی۔ درحقیقت پاکیزہ کا معیار بہت بلند تھا۔ شہباز کی چھچھوری حرکتوں کو دیکھ کر پاکیزہ کو ایک بار خیال آیا کہ چلو اپنی شکارگاہ میں ایک شکار کو حلال کرنے کا پہلا موقع ہے اور اس کی نگاہ کالج کے ایک اور سیکشن کے لڑکے درانی پر پڑی۔ درانی شکل ہی سے غنڈہ نظر آتا تھا۔ پاکیزہ اپنے طور پر منصوبہ بندی کرنے لگی۔ پھر ایک دن درانی سے اس کا سامنا ہو گیا اور وہ درانی کو دیکھ کر مسکرا دی۔ درانی کھڑا ہو گیا تھا۔ "ہیلو کیسی ہیں آپ؟" "جیسی آپ کو نظر آ رہی ہوں درانی صاحب۔" "ارے آپ مجھے جانتی ہیں؟" "ہاں۔ یہ میری فطرت سمجھ لیجئے، ہاں سمجھ لیجئے، کچھ بھی سمجھ لیجئے کہ میں ہر بڑی شخصیت کو اپنی نگاہ میں رکھتی ہوں۔" "بب..... بڑی شخصیت۔" درانی نے خوشی سے پھولتے ہوئے کہا۔ "ہاں، آپ یہاں لڑکوں میں نمایاں نظر آتے ہیں۔" "بے حد شکریہ مس پاکیزہ، ہم لوگ بھی سچی بات یہ ہے کہ آپ کے بارے میں بہت سی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے مثال حسن کا مالک بنایا ہے اور آپ کی شخصیت بھی بہت منفرد ہے۔ آپ دوسروں کی طرح ہلکے پن کے مظاہرے نہیں کرتیں۔" "ہاں درانی صاحب، لیکن آپ کی اس مملکت میں خوش نہیں ہوں میں۔" "کیوں؟" "بس کچھ لوگ جو چھچھوری اور گندی فطرت کے مالک ہوتے ہیں، اپنی گندی فطرت کا مظاہرہ کرنے سے باز نہیں آتے، میں شہباز کی بات کر رہی ہوں۔ پتہ نہیں کون ہے، کیا ہے، اپنے آپ کو بڑا تیس مار خاں سمجھتا ہے، ہر وقت مجھ سے بدتمیزی کرتا رہتا ہے۔" "میرے ہوتے ہوئے یہ ناممکن ہے پاکیزہ صاحبہ اور اب جبکہ آپ نے مجھ سے اس قدر التفات کا اظہار کیا ہے تو پھر میری ذمے داری بن گئی ہے کہ میں آپ کے راستے صاف کروں۔" "ارے نہیں آپ کہاں مشکل میں پڑیں گے بلاوجہ....." "آپ بالکل بے فکر رہیں میں ہوں نا۔" درانی نے کہا اور پھر دوسرے دن کھیل شروع ہو گیا۔ پاکیزہ کا پسندیدہ پہلا کھیل، درانی نے شہباز کو روک لیا۔ "سنو..... میری بات سنو۔" بہت سی لڑکیاں آس پاس موجود تھیں۔ پاکیزہ خود بھی وہاں تھی۔ شہباز نے چونک کر درانی کو دیکھا اور بولا۔ "جی درانی صاحب فرمائیے، کیا ضرورت پیش آ گئی؟" "پاکیزہ کے ساتھ بدتمیزی کرنا چھوڑ دو، اس کے بعد تم کبھی اس کا راستہ نہیں روکو گے۔ کبھی اس سے چھیڑ چھاڑ کرنے کی کوشش نہیں کرو گے، یہ میرا حکم ہے۔" "وزیراعلیٰ کا عہدہ مل گیا ہے آپ کو؟" شہباز نے سوال کیا اور درانی کا بھرپور تھپڑ اس کے گال پر پڑا۔ شہباز کی آنکھیں خون کی طرح سرخ ہو گئیں۔ اس نے درانی پر حملہ کیا لیکن درانی صحیح معنوں میں غنڈہ تھا، داؤ پیچ بھی آتے تھے، ہمت بھی تھی، دل گردہ بھی۔ اس نے شہباز کو گھونسوں پر رکھ لیا اور اتنا مارا کہ اس کے ناک اور منہ سے خون جاری ہو گیا۔ شہباز نے اپنی بساط کے مطابق خود بھی کوششیں کی تھیں لیکن درانی کے سامنے اس کی ایک نہ چلی اور وہ پست ہو گیا۔ لوگ آپس میں بات چیت کر رہے تھے۔ پاکیزہ کا نام بھی بار بار سامنے آ رہا تھا۔ بہرحال پرنسپل کے سامنے پیشی ہوئی۔ پاکیزہ کو بھی بلایا گیا تھا۔ پاکیزہ نے اپنی پالیسی جاری رکھی، اس نے کہا۔ "جی سر، میں سخت پریشان تھی، شہباز صاحب اکثر مجھ سے بدتمیزی کرتے تھے لیکن میری ہمت نہیں پڑی کہ میں آپ تک ان کی شکایت پہنچاتی۔ درانی صاحب نے خود ہی اس بدتمیزی کو محسوس کیا اور آج یہ واقعہ پیش آ گیا۔" شہباز کو اچھی خاصی چوٹ لگی تھی۔ پرنسپل صاحب نے درانی کو بہت سخت سست کہا۔ بہرحال بات رفع دفع ہو گئی لیکن پاکیزہ کو مزہ نہیں آیا تھا، اس کی قریب کی لڑکیوں نے البتہ اس کی خواہش کافی حد تک پوری کر دی تھی، ان میں سے ایک دو نے کہا تھا۔ "پاکیزہ حقیقتاً تم وہ تاریخی کردار ہو کہ اگر بادشاہ بھی ہوتے اور تمہیں دیکھ لیتے تو ان کے درمیان آپس میں جنگیں ہو جاتیں۔" پاکیزہ ہنس کر خاموش ہو گئی تھی لیکن درانی اور شہباز کے معاملے میں اسے بہت زیادہ لطف نہیں آیا تھا۔ اس کی خواہش کچھ اور ہی تھی اور ادھر اس کی خواہش پوری ہونے کی کارروائیاں جاری تھیں۔ شہباز نے بظاہر خاموشی اختیار کر لی تھی، لیکن در پردہ درانی سے زبردست انتقام لینے کے بارے میں سوچ رہا تھا اور اس کے لئے اس نے اپنے آلہ کاروں کی تلاش شروع کر دی تھی۔ جیبیں بھری ہوں تو کونسا کام رکتا ہے، کسی دوست نے دلاور کے بارے میں بتایا۔ "بندرگاہ کے علاقے میں ہوٹل راجپوت ہے۔ دلاور وہیں ملتا ہے۔ پہلے خود بھی اسٹوڈنٹ لیڈر تھا۔ کالج سے نکال دیا گیا بعد میں کسی کالج نے اسے قبول نہیں کیا۔ بہرحال وہ مناسب معاوضہ لے کر تمہارا کام کر دے گا۔" "میں درانی کو سبق دینا چاہتا ہوں، ان تمام لڑکوں کے سامنے جن کے سامنے اس نے مجھے مارا تھا۔" "اس سے بات کر لینا۔" "کیسے؟" "میرے ساتھ چلنا، میں تمہیں دور سے بتا دوں گا کہ دلاور کونسا ہے بات تم خود کر لینا۔" "میرا ساتھ نہیں دو گے۔" "مشکل ہے۔ میں غریب ماں باپ کا بیٹا ہوں اور پڑھنا چاہتا ہوں، درانی ایک خطرناک آدمی ہے۔ اسے پتہ چل گیا تو میرا بھی دشمن بن جائے گا۔ تمہاری بات دوسری ہے۔"

☆.....☆.....☆

راجپوت ہوٹل میں شہباز نے دلاور سے بات کی۔ غنڈہ تو لگتا ہی نہیں تھا، اب بھی وہ ایک اسمارٹ اسٹوڈنٹ نظر آتا تھا۔ "میرا نام شہباز ہے۔" "یہ نیچی پرواز کیوں کر ڈالی۔ میرا مطلب ہے کہ آپ کو تو آسمانوں کی بلندیوں پر ہونا چاہئے تھا۔" "آپ کے پاس ایک کام سے حاضری دی ہے۔" "پولیس کے مخبر تو نہیں ہیں۔ اصل میں سب سے زیادہ نفرت مجھے پولیس کے مخبروں سے ہے اور عام طور سے میں انہیں لمبی چھٹی پر بھیج دیا کرتا ہوں۔"

"میں ایک کالج میں پڑھتا ہوں، وہاں میری ایک شخص سے رقابت چل گئی ہے۔" "ہاں....." دلاور نے ٹھنڈی سانس بھری پھر زور سے چیخا۔ "ڈبے چائے لاؤ....!" ڈبہ ایک ویٹر تھا جس نے نہایت پھرتی سے صاف ستھرے برتنوں میں چائے لا کر رکھ دی۔ "کالج، حسین داستانوں کا مرکز۔ حسن وعشق کی داستانیں، فراق ووصل کی کہانیاں، رفاقتیں، رقابتیں۔ کیا دن ہوتے ہیں۔ سوری چائے پئیں۔" دلاور نے کہا۔ "جس لڑکے سے میری رقابت ہے اس کا نام درانی ہے۔" "ہماری کیا ڈیوٹی ہے۔" "دھلائی کرنی ہے اس کی۔" "ہو جائے گی۔" "میں خود اسے مارنا چاہتا ہوں۔" "ماریں۔" دلاور نے کہا۔ "آپ کو میری پشت پناہی کرنی پڑے گی۔" "کریں گے۔" "مجھے کیا خدمت کرنی ہو گی؟" "بیس ہزار..... دس پہلے دس بعد میں۔" "اتفاق سے میں دس ہزار ہی لے کر آیا تھا۔" شہباز نے سو کے نوٹوں کی گڈی نکال کر دلاور کی طرف بڑھا دی۔ "کھرے اور ہاتھ کے سچے لوگوں سے مل کر مجھے خوشی ہوتی ہے۔" دلاور نے گڈی لے کر جیب میں ٹھونس لی پھر بولا۔ "کب کرنا ہے یہ کام؟" "یہ آپ بتائیے۔" "سترہ تاریخ ہے آج، بائیس تاریخ تک کا وقت نکال سکتے ہیں۔ ایک اور کام ہے میرے ہاتھ میں، اکیس تاریخ تک مکمل ہو جائے گا۔ بائیس کو ہم اپنا کام شروع کر دیں گے۔ آپ اس کے لئے تیاریاں کریں۔ ویسے آپ چاہیں تو میرے دو آدمی اکیس تاریخ تک آپ کی نگرانی پر رہیں گے اور بے فکر رہیے گا، اب آپ دلاور کی پناہ میں ہیں۔ ہر خطرے سے بے نیاز ہو جائیے۔ ہمارے درمیان معاہدہ ہو چکا ہے۔" "کوئی حرج نہیں ہے، پانچ دن کی تو بات ہے۔"

"بس تو پھر اطمینان رکھئے، میں بندہ بلاتا ہوں اسے اپنے مکمل کوائف بتا دیجئے۔ دو بندوں کی ڈیوٹی آپ پر لگ جائے گی۔ جس طرح بھی آپ چاہیں انہیں استعمال کر سکتے ہیں اگر کہیں بیچ میں کوئی لڑائی جھگڑا ہو گیا درانی سے، تو یہ دونوں بندے بغیر کسی حیل حجت کے آپ کی مدد کریں گے۔" "بس ٹھیک ہے، بہت بہت شکریہ۔" شہباز نے خوش ہو کر دلاور سے ہاتھ ملایا۔ دلاور نے ایک ہاتھ اٹھا کر ایک آدمی کو اشارہ کیا جو اسی ریسٹوران میں کونے کی ایک سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ قریب آیا تو دلاور نے اسے بٹھا کر شہباز کا تعارف کرایا اور پھر شہباز ہی کے سامنے اسے مکمل ہدایات دے دیں۔ شہباز کے سینے میں جو آگ سلگ رہی تھی وہ اسے چین نہیں لینے دے رہی تھی لیکن بہرحال ایک آسرا ایک امید پیدا ہو گئی تھی۔ دوستوں کے سامنے اس کی پٹائی ہوئی تھی اور اس کی ساری عزت خاک میں مل گئی تھی۔ اس دوران اس نے کبھی سر اٹھا کر بات نہیں کی تھی، حالانکہ دوست اسے دلاسہ دیا کرتے تھے ایک دوست نے تو ہنستے ہوئے کہا تھا۔ "یار جب تک محبوب کی وجہ سے پٹائی نہ ہو، محبت کا مزہ ہی نہیں آتا، ہم سے پوچھو ہم پر تو وہ مثل صادق ہے کہ سو جوتوں سے کم رتبہ عالی نہیں ہوتا۔" "میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ درانی نے اس سلسلے میں قدم آگے کیوں بڑھایا۔ کیا اس کا پاکیزہ سے کوئی رابطہ ہے؟" "یار وہ اتنی خوبصورت ہے کہ درانی ہی کیا، ہمارا بھی دل چاہتا ہے کہ ہم اس کے لئے کسی سے لڑیں۔" شہباز کو اب کافی ڈھارس ہو گئی تھی۔ اس دوران وہ پاکیزہ کے بارے میں مکمل معلومات بھی حاصل کرتا رہا تھا۔ غالباً انیس تاریخ کی بات ہے کہ اسے لائبریری میں پاکیزہ تنہا مل گئی۔ شہباز اس کے پاس پہنچا تو وہ شہباز کو دیکھ کر مسکرا دی۔ "ہیلو شہباز صاحب، کیسے مزاج ہیں آپ کے، بیٹھئے پلیز۔" شہباز بیٹھ گیا، اس نے کہا۔ "تم اپنے آپ کو کیا سمجھتی ہو؟" "انتہائی پاکیزہ۔" پاکیزہ نے جواب دیا اور ہنس پڑی۔ "میرا نام شہباز ہے۔" "جانتی ہوں میں آپ کو، اس دن سے پہلے بھی جانتی تھی جب آپ کی پٹائی ہوئی، اب کیا بات ہے؟" "ایک پیشکش کرنا چاہتا ہوں تمہیں۔"

"کیجئے۔" "مجھ سے شادی کرو گی؟" پاکیزہ نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور بے اختیار ہنس پڑی۔ "اچھی فلم تھی، لیکن انتہائی بے تکی، ہو سکتا ہے پڑوسی ملک میں ایسا ہوتا ہو، میں وہاں کے بارے میں زیادہ نہیں جانتی کہ کرکٹ کے ایرینا میں ہمارے تماشائی کرکٹ دیکھنے کے بجائے ان دو حضرات کی شادی کے سلسلے میں ملوث ہو گئے تھے۔ خیر چھوڑیئے۔ آپ اس فلم سے کیسے متاثر ہوئے؟"

"بہت زیادہ چرب زبان نہ بنو پاکیزہ، مجھے تمہارے مکمل حالات معلوم ہو چکے ہیں۔ ایک معمولی سے گھرانے کی لڑکی ہو۔ والد ملازمت کرتے ہیں، دو اور بہنیں ہیں تمہاری والدہ ہیں، بس پیٹ بھر کر روٹی کھا لیتی ہو۔ میں تمہیں اپنے بارے میں بتا دوں، کروڑ پتی باپ کا بیٹا ہوں، کئی بزنس ہیں میرے والد کے، دولت کی ریل پیل ہے ہمارے ہاں، میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہائے! ابھی تو میرے پڑھنے کے دن ہیں اور پھر شادی کے لئے میرا ایک معیار ہے شہباز صاحب، آپ سے تو کم از کم شادی نہیں کروں گی، اگر واقعی کبھی کرنی پڑی تو۔"

"پاکیزہ، میں بھی جنونی آدمی ہوں۔ اگر تم نے مجھے اس قدر مشتعل کر دیا تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں......"

"بس بس..... اب آپ بور گفتگو کر رہے ہیں جسے سننا میرے بس سے باہر ہے، آپ جا رہے ہیں یا میں چلی جاؤں۔"

شہباز اسے گھورتا رہا، پاکیزہ نے اپنے سامنے بکھری ہوئی کتابیں اٹھائیں اور وہاں سے اٹھ گئی۔ شہباز نے کہا۔ "سنئے، آپ نے جس شخص کو اپنا حمایتی دکھایا ہے بہت جلد اسے اپنے پیروں سے محروم دیکھیں گی، یہ شہباز آپ سے کہہ رہا ہے۔"

پاکیزہ دروازے سے باہر نکل گئی تھی اور شہباز وہیں بیٹھا پیچ وتاب کھاتا رہا تھا۔ پاکیزہ کو اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ درانی کی ٹانگیں سلامت رہتی ہیں یا نہیں یا شہباز نے درانی کے خلاف کوئی کارروائی کی ہے، وہ تو شہباز سے ہونے والی گفتگو سے لطف اندوز ہو رہی تھی جس نے اسے کالج کی لائبریری میں شادی کا پیغام دیا تھا۔ کچھ دوستوں سے ملاقات ہوئی، دوست کیا بس کچھ ایسی لڑکیاں جو اس کی بے التفاتی کا برا نہیں مانتی تھیں اور جب بھی موقع ملتا تھا اور وہ چاہتی تھیں تو اس کے پاس آ بیٹھتی تھیں، وہ کہنے لگی۔

"بہترین مشغلہ ہے کہ اپنے کشتگان کو دیکھو اور ان کی حالت سے لطف اٹھاؤ۔"

"یہ حقیقت ہے کہ تم نے شہباز جیسے شخص کو بری طرح شکست دی ہے، اس کا تو انداز ہی بدل گیا ہے، پہلے وہ بڑا اکڑا اکڑا پھرتا تھا لیکن آج کل وہ ایک ایسی رنجش کا شکار نظر آتا ہے جسے صرف محسوس ہی کیا جا سکتا ہے، سب کا کہنا ہے کہ شہباز آسانی سے شکست نہیں مانے گا۔"

"بھئی اب میں کیا کر سکتی ہوں، لوگ میرے لئے لڑتے ہیں تو مجھے بڑا افسوس ہوتا ہے، مگر کیا کروں مجھے تو تعلیم حاصل کرنی ہے، جہاں بھی جاؤں گی یہ سب کچھ تو ہو گا ہی۔"

بائیس تاریخ کو وہ وقت آ گیا جب شہباز اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے تیار تھا۔ چھٹی ہوئی لڑکے لڑکیاں غول کی شکل میں باہر نکلے۔ درانی بھی ان میں شامل تھا۔ شہباز درانی کے سامنے آ گیا اور اس نے درانی کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے روکتے ہوئے کہا۔ "درانی صاحب، اس دن آپ نے جو بدتمیزی کی تھی اس کے لئے معافی مانگیں ورنہ آج میں آپ کا کریا کرم کر دوں گا۔"

درانی نے معمول کے مطابق طیش میں آ کر شہباز کو تھپڑ رسید کرنا چاہا لیکن شہباز نے ایک لات اس کے پیٹ پر ماری اور پیچھے ہٹ گیا۔ اسی وقت پیچھے سے دلاور کے آدمی آگے آ گئے۔ دلاور بھی مجمع میں موجود تھا۔ دلاور کے آدمیوں نے درانی کو پکڑ لیا۔ انہی میں سے ایک نے شہباز کے ہاتھ میں ہاکی اسٹک دے دی۔ درانی نے ان اجنبی لوگوں سے اپنے آپ کو چھڑانا چاہا، لیکن شہباز نے ہاکی اس کی پنڈلی پر ماری۔ ہڈی پر ضرب لگی اور درانی لڑکھڑا گیا۔ شہباز نے شاید پہلے کبھی کسی کو نہیں مارا تھا۔ اس نے اندھا دھند درانی پر ہاکی برسانا شروع کر دی۔ یہ دیکھے بغیر کہ ہاکی کونسی جگہ پڑ رہی ہے۔ ہاکی کا ایک سرا پوری قوت سے درانی کے دل کے مقام پر لگا اور درانی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ لوگ جنہوں نے درانی کو پکڑا ہوا تھا اسے چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے، وہ تجربہ کار لوگ تھے اور یہ جانتے تھے کہ یہ جو کچھ ہوا ہے غلط ہوا ہے۔ شہباز نے ہاکی غلط جگہ ماری ہے اور اس کے نتائج غلط بھی نکل سکتے ہیں۔ بہت دور سے پولیس موبائل کا سائرن سنائی دیا اور دلاور کے آدمیوں نے شہباز سے کہا۔ "بھاگ لو۔" شہباز ہاکی پھینک کر وہاں سے نکل بھاگا۔ کالج کے لڑکے لڑکیاں سہم گئے تھے۔ تھوڑے فاصلے پر دوڑنے کے بعد شہباز رکا تو دلاور اس کے پاس پہنچ گیا۔ "سنو! ہم لوگ جو کام کرتے ہیں وہ سوچ سمجھ کر اور احتیاط کے ساتھ کرتے ہیں۔ تم نے ہاکی غلط جگہ ماری ہے، کوئی خطرناک کام بھی ہو سکتا ہے۔ اگر پولیس تمہیں پکڑ لے تو خبردار دلاور کا نام مت لینا۔ پولیس تین بار مجھے شہر بدر کر چکی ہے، مگر میں یہیں ہوتا ہوں تم نے اگر میرا نام لے دیا تو میں تمہارے پورے خاندان کو قتل کر دوں گا۔ پیسے لئے ہیں کام کیا ہے، نام مت لینا میرا، چلو بھاگو۔" شہباز کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو گیا۔ غصہ اور انتقام تو اب ختم ہو چکا تھا اب اپنی جان کے لالے پڑ گئے تھے۔ گھر آیا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس سے کیا کہے۔ پھر گھر ہی میں تھا کہ پولیس نے گھر کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ سارے گھر والے ہکا بکا رہ گئے تھے۔ پولیس آفیسر نے شہباز کے والد کو شہباز کے بارے میں بتایا کہ شہباز اپنے کالج کے ایک ساتھی کو قتل کر آیا ہے اور اسے قتل کے الزام میں گرفتار کیا جاتا ہے۔

شہباز کو قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا، گھر میں جو صورت حال ہوئی ظاہر ہے اس کے بارے میں کچھ کہنا ہی فضول ہے۔ البتہ دوسرے دن کالج میں ایک سناٹا، ایک خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ پولیس کو بہت سے اسٹوڈنٹس نے بیان دے دیا تھا۔ درانی وہیں موقع پر ختم ہو گیا تھا۔ دل پر پڑنے والی ضرب نے دل اندر سے پھاڑ دیا تھا اور فوری موت واقع ہو گئی تھی۔ شہباز پر قتل کا کیس بن گیا تھا۔ بہرحال خود پاکیزہ بھی اپنے آپ کو خوفزدہ اور سہما ہوا ہونے کا مظاہرہ کر رہی تھی، لیکن دل ہی دل میں ایک عجیب سا سرور، ایک عجیب سی لذت اسے محسوس ہو رہی تھی۔ یہ احساس اس کے لئے بڑا دلگداز تھا کہ اس کی وجہ سے ایک شخص قتل ہو گیا ہے۔ کسی نے یہ بیان نہیں دیا کہ درانی اور شہباز کے درمیان وجہ مخاصمت کیا تھی، پاکیزہ کا نام پس منظر میں رہا لیکن حیرت کی بات تھی کہ پاکیزہ کو اس بات سے تھوڑی سی مایوسی کا احساس ہوا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ اس کا نام اخبارات میں آئے اور لوگ کہیں کہ ایک حسین لڑکی کے لئے ایک لڑکا قتل ہو گیا۔

شہباز پر مقدمہ چلا اور اسے سزائے موت سنا دی گئی۔ یہ اطلاع کالج میں پہنچی تو بے شمار لوگ افسردہ ہو گئے لیکن پاکیزہ کسی اور ہی بات کی منتظر تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ لوگ کہیں کہ پاکیزہ تمہاری وجہ سے دو زندگیاں موت کی آغوش میں جا سوئی ہیں۔ خاصے دن تک خاموشی طاری رہی۔ کسی لڑکے لڑکی نے کسی قسم کے ہلکے پن کا اظہار نہیں کیا تھا۔ پاکیزہ بھی تعلیم حاصل کر رہی تھی۔ کیمسٹری کے پروفیسر حاذق ربانی نے ایک دن کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ میرے اسٹوڈنٹس کم از کم میرے شعبے میں نمایاں کامیابی حاصل کریں۔ اس لئے میں پیشکش کرتا ہوں کہ آپ میں سے جس کا دل چاہے شام پانچ بجے سے آٹھ بجے تک میرے گھر آ کر مجھ سے پڑھ سکتا ہے۔ اس کا کوئی معاوضہ نہیں ہو گا آپ لوگ یہ نہ سوچیں کہ یہ پیشکش میں کسی مالی مفاد کے تحت کر رہا ہوں۔" جو پڑھنے کے شوقین تھے انہوں نے اس پیشکش کو بڑی خاموشی سے قبول کیا لیکن ان کی تعداد بہت معمولی تھی۔ پروفیسر حاذق ربانی کالج کی ایک پرسحر شخصیت کے حامل تھے۔ بہت ہی خوبصورت پرسنالٹی، بلند وبالا قامت، عمر تقریباً پچاس سال، بہترین صحت، انتہائی پرمتانت اور بردبار، کالج میں ان کا بلند مقام تھا۔ ان سے متعلق چند روایات بھی تھیں، جن میں وقت کی پابندی، غیر شادی شدہ ہونا اور خوبصورت کوٹھی میں رہنا بھی تھا۔ نہ جانے کیوں پاکیزہ کو بھی یہ پیشکش پرکشش محسوس ہوئی۔ اس نے گھر آ کر سعدیہ بیگم سے کہا۔ "میں پروفیسر ربانی کے گھر جا کر پڑھنا چاہتی ہوں۔" "یہ کون ہیں؟" "کیمسٹری کے پروفیسر ہیں، میں اس مضمون میں کمزور ہوں، بہت سے لڑکے لڑکیوں نے ان کی اس پیشکش سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا ہے اور بات بھی معمولی نہیں ہے۔" "ابو سے بات کرنا، میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" "امی..... آپ خود ابو سے بات کر لیں۔ آپ کو اندازہ ہے کہ وہ مجھ سے خوش نہیں رہتے۔" "تم نے اس کی وجہ پر غور نہیں کیا پاکیزہ۔" "کیا وجہ ہے آخر؟" "گھر میں تمہارا رویہ....." "میری سمجھ میں نہیں آتا گھر میں میرا ایسا کیا رویہ ہے۔ جب بھی میرا کوئی مسئلہ ہوتا ہے یا یوں سمجھ لیں کہ میری کوئی گوٹ پھنستی ہے، آپ لوگ میرے رویے کی کہانی لے کر بیٹھ جاتے ہیں۔" اس نے تلخی سے کہا۔ "تم گھر کا کوئی کام نہیں کرتی ہو، نہ گھر کے معاملات سے دلچسپی لیتی ہو، آخر تمہاری دوسری بہنیں بھی تو ہیں۔" "کیا کام لینا چاہتی ہیں آپ مجھ سے گھر کا، ٹھیک ہے کالج چھوڑ دیتی ہوں جھاڑو سنبھال لیتی ہوں۔ جھاڑو برتن، صفائی، کھانا پکانا، یہ کر لیتی ہوں آپ کی خواہش پر۔ اس کے بعد تو آپ کے طعنے تشنوں سے نجات مل جائے گی وعدہ کرتی ہیں آپ۔" وہ بپھر گئی۔ "نہیں بیٹے، ہم تم سے یہ سب کچھ نہیں کرانا چاہتے۔" دروازے سے ہاشم احمد کی آواز سنائی دی۔ نہ جانے کیوں آج ان کا موڈ اچھا تھا۔ انہوں نے شاید ساری باتیں سن لی تھیں۔ وہ اندر داخل ہو گئے۔ "ابو میرے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے۔ اگر میں آپ کے وسائل کے اندر رہ کر اچھی تعلیم حاصل کرنا چاہتی ہوں تو اسے میرے گناہ کا درجہ دیا جا رہا ہے۔" "ایسی بات نہیں ہے بیٹے۔ البتہ تمہارے رویے کی بات تمہاری امی نے بالکل ٹھیک کہی ہے اسے میں بھی محسوس کرتا ہوں۔ تم گھر میں اپنے آپ کو دوسروں سے الگ سمجھتی ہو، ایسی بات برداشت تو نہیں کی جا سکتی یہاں تک کہ کالج میں بھی تمہارا رویہ رحمانی اور نادیہ کے ساتھ اچھا نہیں ہے۔" "میں جانتی ہوں ابو۔ انہی دونوں نے شروع سے آپ کو میرے خلاف بھڑکا رکھا ہے۔ اس کی وجہ جانتے ہیں آپ۔ وہ میرے سامنے کمپلکس کا شکار ہیں، جلتی ہیں مجھ سے۔" "تم پھر بدتمیزی پر اتر آئیں۔" "ابو..... پلیز..... مجھے خود اعتمادی سے اس دنیا میں جینے دیں۔ ایسا نہ ہو سکا تو شاید میں خودکشی پر غور کروں۔" ایک عجیب سا لہجہ تھا۔ ہاشم احمد کو یوں لگا جیسے وہ سچ کہہ رہی ہو، جیسے وہ جو کچھ کہہ رہی ہے کرنے کا حوصلہ رکھتی ہو۔ کچھ لمحوں کے لئے تو وہ سناٹے میں رہ گئے، پھر انہوں نے پینترہ بدل لیا اور بیوی سے بولے۔ "سن رہی ہو سعدیہ بیگم..... بدلے ہوئے وقت کا مزاج دیکھ رہی ہیں، بی بی آپ خودکشی نہ کریں پڑھنے جانا چاہتی ہیں آپ..... جائیے کس وقت جایا کریں گی۔" "پانچ بجے۔" "واپسی.....؟" "آٹھ بجے۔" "ذریعہ سفر.....!" "آٹو رکشہ۔" "ٹھیک ہے۔ میں نیازی سے بات کر لوں گا۔ وہ ڈیوٹی بدل لے گا اور آپ کو چھوڑ اور لے آیا کرے گا۔" نیازی آٹو رکشہ چلاتا تھا اور شروع ہی سے ان تینوں بیٹیوں کو اسکول اور اس کے بعد کالج لانے لے جانے کی ذمے داری نبھا رہا تھا۔ یوں یہ مرحلہ طے ہو گیا۔ رحمانی اور نادیہ کے مضامین اور سیکشن دوسرے تھے اس لئے ان کا کیمسٹری سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ کلاس میں اس نے پروفیسر حاذق ربانی سے ان کے گھر کا پتہ پوچھا تو انہوں نے چونک کر پاکیزہ کو دیکھا۔ "آپ میرے گھر آ کر پڑھنا چاہتی ہیں۔" "اگر آپ کی اجازت ہو سر تو....." پاکیزہ نے بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ انہیں دیکھتے ہوئے کہا اور پروفیسر ربانی ایک لمحے کے لئے کھو سے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ ایسے معاملات میں عورت کی آنکھ اور اس کی حس دنیا کے ہر جاندار سے زیادہ تیز ہوتی ہے۔ ایک لمحے کے اندر پاکیزہ نے اس کھوئے پن کو محسوس کر لیا اور اس کے اندر وہی فرحت آمیز خوشی جاگ اٹھی جو سانپ کو دیکھ کر نیولے کی آنکھوں میں پیدا ہو جاتی ہے۔ پروفیسر نے سنبھل کر کہا۔ "کئی لڑکے لڑکیاں آئیں گے آپ گروپ بنا کر آئیے وہی آپ کو میرا پتہ بتا دیں گے۔" "سر آپ کیوں نہیں بتا رہے!" پاکیزہ نے اپنے ترکش کو سنبھال کر کہا پھر جلدی سے بولی۔ "میں اپنے گھر سے آیا کروں گی رکشہ میں، اس لئے پوچھ رہی ہوں۔" "ہاں، ٹھیک ہے۔" پروفیسر ربانی نے اسے اپنا پتہ بتایا اور اس نے شکریہ ادا کر کے رخ بدل لیا، لیکن عقب سے وہ دیکھ رہی تھی کہ پروفیسر کی آنکھیں اس پر جمی ہوئی ہیں۔ ایک نیا تصور، نیا خیال اس کے دل میں سر ابھارنے لگا تھا۔ پھر اس نے پروفیسر ربانی کی کوٹھی دیکھی اور دیکھتی رہ گئی۔ بے حد خوبصورت لان، پورچ جس میں پروفیسر کی چمچماتی کار کھڑی ہوئی تھی، اس کے بعد دروازے کے دوسری طرف کی شفاف راہداری، پھر ڈرائنگ روم جس کی سجاوٹ قابل دید تھی۔ پاکیزہ کے علاوہ صرف چھ اسٹوڈنٹ اور تھے جن میں دو لڑکیاں اور باقی لڑکے تھے۔ پروفیسر نے چائے وغیرہ سے ان کی تواضع کی اور پھر پوری سنجیدگی سے ان لوگوں کو پڑھانا شروع کر دیا۔ چھ دن گزر گئے۔ پاکیزہ گہری نگاہوں سے پروفیسر ربانی کا جائزہ لے رہی تھی۔ ابھی تک اس نے پروفیسر کے اندر کوئی خاص بات نہیں پائی تھی لیکن وہ کوئی خاص بات چاہتی تھی اور اس کے لئے مناسب موقع چاہتی تھی۔ ساتواں دن اتوار کا تھا۔ اسے کسی حد تک امید تھی کہ آج اسٹوڈنٹ چھٹی کریں گے لیکن اس نے وقت پر تیاری شروع کر دی تھی۔ ماں نے کہا۔ "آج تو اتوار ہے۔" "جی..... کوئی نئی بات ہے۔"

"میرا مطلب ہے آج بھی جاؤ گی۔" "جی..... جاؤں گی۔" اس نے کہا۔ جب وہ چلی گئی تو سعدیہ بیگم نے کسی حد تک تشویش سے کہا۔ "آپ نے تو اسے بالکل نظرانداز کر دیا ہے۔ جہاں یہ جاتی ہے وہاں کے بارے میں آپ نے معلومات کی ہیں۔" "جی نہیں..... آپ کے بل پر گھر چلا رہا ہوں۔" "نہیں میرا مطلب ہے....." "پروفیسر حاذق ربانی ایک انتہائی نیک نام انسان ہے۔ عمر پینتالیس پچاس کے درمیان ہے یعنی میرا ہم عمر، کردار کی قسمیں کھائی جاتی ہیں۔ انتہائی اصول پرست، وقت کی پابندی کا یہ عالم ہے کہ گھر سے کالج جانے کے لئے نکلتا ہے تو لوگ اپنی گھڑیوں کا وقت درست کر لیتے ہیں، انتہائی پاکیزہ شکل وصورت کا مالک ہے۔" پاکیزہ کا خیال ٹھیک تھا۔ پروفیسر نے ایک خوشگوار حیرت سے اس کا استقبال کیا تھا اور کہا تھا۔ "آج تو اتوار ہے۔"

"جی..... میں خود کشمکش کا شکار تھی، صورت حال واضح نہیں تھی۔ آئی ایم سوری..... میں چلی جاتی ہوں۔ رکشہ لے لوں گی کیونکہ میرا رکشہ والا....." "مجھے معلوم ہے لیکن آپ اس قدر پریشان کیوں ہیں۔ آئیے اندر آئیے۔"

"مجھ سے غلطی ہو گئی، مجھے فون کر لینا چاہئے تھا لیکن اتفاق ہے میرے پاس آپ کا فون نمبر بھی نہیں ہے۔" وہ ڈرائنگ روم کی طرف بڑھی۔ پروفیسر نے کہا۔ "آج آپ میری اسٹوڈنٹ نہیں، مہمان ہیں۔ آئیے میں آپ کو اپنا گھر دکھاؤں۔" "اوہ..... میری خوش قسمتی۔ آپ کی مسز غالباً پردہ دار خاتون ہیں، میں نے نہ صرف انہیں بلکہ آپ کے بچوں کو بھی نہیں دیکھا۔" "ہاں۔ مجھے اس کا افسوس ہے۔ کاش میں شادی کر لیتا۔ اسی صورت میں آپ کی ان سے ملاقات کی خواہش پوری ہو جاتی۔" "جی....." پاکیزہ نے حیرت کا مظاہرہ کیا۔ "آئیے۔" پروفیسر بولا اور اسے لے کر ایک کمرے میں داخل ہو گیا۔ یہ ایک انتہائی خوبصورت بیڈ روم تھا۔ "سر آپ نے کیا کہا....." وہ بولی اور ایک قیمتی بیڈ پر بیٹھ گئی جس نے اس کے حسین بوجھ کو کئی بار اوپر اچھالا تھا۔ "آپ نے سن لیا ہے نا.....!" پروفیسر بولا۔ "سن تو لیا ہے سمجھی نہیں ہوں۔"

"تعلیم مکمل کی تو والدہ کا انتقال ہو گیا۔ انہوں نے بارہا اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ میں شادی کر لوں لیکن میں تعلیم پوری کرنا چاہتا تھا بعد میں اس لئے شادی نہیں کی کہ ماں کی ایک معمولی سی خواہش بھی ان کی زندگی میں پوری نہیں کر سکا۔"

"اوہ، تو آپ نے شادی کی ہی نہیں۔"

"ماں کی موت کے بعد کسی نے اس خواہش کا اظہار ہی نہیں کیا۔"

"اسی لئے بچے بھی نہیں ہیں آپ کے۔" وہ پرخیال لہجے میں بولی اور پروفیسر بے اختیار مسکرا پڑا۔

"شاید۔" اس نے کہا۔

"آپ بہت اچھے ہیں پروفیسر۔ انتہائی مہربان، انتہائی نفیس طبیعت کے مالک اور بہت خوبصورت۔"

"جی....." پروفیسر سرسراتی آواز میں بولا۔

"جی بالکل..... سو فیصد سچ۔ اعشاری نظام نے محاورہ ہی بدل دیا۔ محاورہ شاید سولہ آنے سچ کا تھا لیکن اب آپ بتائیے کیا بے تکی بات ہے۔ سولہ آنے بھی کوئی راؤنڈ فیگر ہوا۔ سو میں تو پھر بھی بات بنتی ہے۔" پروفیسر اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ساری زندگی تجرد میں گزاری تھی۔ فطرتاً انتہائی نیک اور شریف طبیعت کا مالک تھا۔ ماں سے خدا کے بعد عقیدت رکھتا تھا اور ماں سے بڑی چیز کائنات میں کوئی نہیں تھی اس کے لئے، ماں دنیا سے چلی گئی تنہا رہ گیا۔ کچھ اثاثے والدین کے چھوڑے ہوئے تھے۔ یہ مکان بھی انہی میں سے ایک تھا۔ اپنی فطرت کے مطابق اس کی تشکیل کی لیکن ساری زندگی کبھی کسی ایسے عمل میں آگے نہ بڑھ پایا جس سے زندگی کے ساتھی کا انتخاب ہو سکتا۔ طبیعت میں عامیانہ پن نہیں تھا۔ جوں جوں عمر بڑھتی گئی وجود میں ٹھہراؤ آتا چلا گیا اور پھر وہ بالکل کسی جھیل کی طرح ساکن ہو گیا۔ اس کی بھرپور نگاہ کسی جانب اٹھتی ہی نہیں تھی لیکن قدرت نے انسان کو فطرتاً حسن پسند بنایا ہے۔ یہ حسن فضاؤں میں، رم جھم برستی برساتوں میں، حسین پرندوں میں، خوشبو آوازوں میں، خوبصورت پھولوں میں، آسمان پر چھائی ہوئی کہکشاں میں، کسی میں بھی نظر آ جاتا ہے تو انسان اپنی فطرت کے مطابق اسے نظرانداز نہیں کر سکتا۔ پاکیزہ کو بھی پروفیسر ربانی نے دیکھا تھا، لیکن بس نگاہوں میں ایک پسندیدگی کی چمک پیدا ہوئی تھی اور بس۔ پھر اس کے بعد دو تین بار پاکیزہ سے باتیں کرنے کا موقع ملا۔ اس کی انتہائی دلکش آواز اور بات کرتے ہوئے اس کے ہونٹوں کی جنبش، یہاں تک کہ وقت آیا کہ پاکیزہ اس کے گھر تک پہنچ گئی۔ سادہ سادہ سا معصوم سا انداز، اور اس وقت تو قیامت ہی ہو گئی تھی جو جملے اس نے کہے تھے ان میں کس قدر بھولپن تھا۔ نگاہوں میں کسی قدر پسندیدگی کی چمک پیدا ہوئی تھی۔ وہی چمک دل میں ادھر سے ادھر دوڑنے لگی۔ پاکیزہ ان سے بہت سی باتیں کر رہی تھی اور اس کے گھر کے بارے میں بہت کچھ کہہ رہی تھی۔ پھر جب وہ چلی گئی تو پروفیسر حاذق ربانی سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ دل کے دروازے بھی کھلے تو کس عمر میں آ کر، وہ سادہ سی معصوم لڑکی درحقیقت عمر میں اس سے انتہائی چھوٹی۔ بھلا ایسی کسی لڑکی کے لئے دل میں کوئی تصور کہاں رکھا جا سکتا ہے لیکن دوسرے دن کالج اور پھر شام کو گھر پر پاکیزہ جس اپنائیت کے ساتھ آئی اس نے پروفیسر حاذق کو مزید پریشان کر دیا۔ رات کو جاگتے ہوئے نہ جانے کیا کیا سوچتا رہا اور پھر دن اور رات اور پاکیزہ کا خیال۔ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ یہ لڑکی جس معصومیت سے دل کی ہر بات کر جاتی ہے وہ اس کی عمر کا جذبہ ہے۔ اس کے دل میں پروفیسر ربانی کے لئے صرف استاد کا جذبہ ہے، لیکن ایک دن جب پاکیزہ نے کہا۔ "سر! میرا دل چاہتا ہے کہ میں اتوار کو بھی آپ کے پاس آیا کروں۔ رات کو جب بستر پر لیٹتی ہوں تو نہ جانے کیوں آپ میرے ذہن میں آتے رہتے ہیں۔ میں سوچتی ہوں آپ سے یہ کہوں گی، آپ سے وہ کہوں گی لیکن ہمت نہیں پڑتی۔" "نہیں پاکیزہ، میں سب کچھ سن سکتا ہوں، سننا چاہتا ہوں، میں خود تمہارے بارے میں اسی انداز میں سوچتا رہتا ہوں۔" "کیا واقعی سر؟" "ہاں پاکیزہ تم میری زندگی میں بہت دور تک آ گئی ہو۔" "ارے واہ، کیسا اچھا جملہ ہے، سر مجھے بتائیے میں کتنی دور تک آ گئی ہوں۔" پروفیسر حاذق اسے کیا بتاتا۔ بتانے کو دل بھی نہیں چاہتا تھا۔ "سر آپ سے ایک فرمائش کروں؟" پاکیزہ بولی۔ "ہاں ہاں پاکیزہ، کیوں نہیں۔" "آپ کے پاس ہلکے نیلے رنگ کا کوئی سوٹ ہے؟" "میرے پاس....." "جی سر، یہ کلر مجھے بہت پسند ہے اور پھر سوٹ تو بس یوں سمجھ لیجئے کہ شاید بنائے ہی آپ کے لئے گئے ہیں۔ میں اپنے گھر میں کہتی ہوں کہ سوٹ اگر کسی پر زیب دیتا ہے تو وہ میرے پروفیسر حاذق ربانی ہیں، ان کے سامنے درحقیقت کسی کو سوٹ نہیں پہننا چاہئے۔" "پاکیزہ، یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟" "سر پلیز ہلکے نیلے رنگ کا ایک سوٹ بنا لیجئے نا، اگر نہیں ہے آپ کے پاس۔" "آپ آئیے میرے ساتھ۔" پروفیسر حاذق نے کہا اور اپنے لباس کی الماری کھول دی۔ "ہائے یہ سارے سوٹ آپ نے یہاں لٹکا رکھے ہیں، کالج تو آپ یہ سب پہن کر نہیں آتے۔" "آتا ہوں، پاکیزہ آپ نے غور نہیں کیا ہو گا۔" "یہ دیکھئے یہ رہا میرا پسندیدہ رنگ، سر پلیز یہ پہن کر دکھا دیں گے مجھے۔" "ابھی پہن کر آتا ہوں۔" "اور یہ ٹائی اس کے ساتھ۔" پاکیزہ نے ایک نہایت ہی نفیس ٹائی پروفیسر حاذق کو پہننے کے لئے دی۔ اور پھر پروفیسر حاذق یہ سوٹ پہن کر اس کے سامنے آیا تو پاکیزہ اسے دیر تک دیکھتی رہی، پھر بولی۔ "سر آپ سے اچھا کوئی نہیں ہے۔" پروفیسر حاذق کی دنیا بدلنے لگی۔ وہ خود پر توجہ دینے لگا۔ نہ جانے کیا کیا خیالات اس کے دل میں آتے رہے تھے اور وہ بہت کچھ سوچتا رہا، پھر ایک دن اس نے کہا۔ "پاکیزہ! گھر سے آپ کو کس حد تک باہر نکلنے کی اجازت ہے؟" "سر میرے والد ہاشم احمد صاحب بڑے سخت مزاج کے مالک ہیں وہ بڑی گہری نگاہ رکھتے ہیں مجھ پر، اگر انہیں یہ پتہ چل جائے کہ اتوار کو یہاں کوئی نہیں ہوتا، صرف میں اور آپ ہوتے ہیں تو شاید وہ میرا یہاں آنا بند کر دیں لیکن سر ایک بات ہے میں بھی ضدی ہوں جو میرا دل چاہتا ہے وہی کرتی ہوں اور گھر والوں سے منوا لیتی ہوں۔ میں تو بس یہ سوچ رہی ہوں کہ امتحانات ہو جائیں گے تو اس کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا۔"

"پاکیزہ! میرے اور آپ کے درمیان اس قدر انسیت ہو گئی ہے کہ اب میرا دل چاہتا ہے کہ آپ اکثر میرے ساتھ ہوا کریں۔"

"کوئی ترکیب سوچنی پڑے گی سر۔ بہت ہی افسوس کی بات ہے کہ ہم سچ بول کر اپنی خواہشوں کو پورا نہیں کر سکتے، جھوٹ کا سہارا لینا پڑتا ہے جبکہ دل جھوٹ کو نہیں مانتا۔" "آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ کچھ مجبوریاں بھی ہوتی ہیں لیکن کوئی نہ کوئی حل نکالنا پڑے گا۔" پروفیسر حاذق بھلا اس قدر ذہین کہاں تھے کہ کوئی حل نکال سکتے۔ پاکیزہ کے لئے بھی یہ ایک مشکل کام تھا کیونکہ دونوں بہنیں اسی کالج میں پڑھتی تھیں ساتھ آنا پڑتا تھا اور ساتھ واپس جانا پڑتا تھا کوئی ترکیب نہیں ہو سکتی تھی۔ غرضیکہ معاملات اسی انداز میں چلتے رہے۔ پروفیسر حاذق ربانی کا مزاج ہی بدل گیا تھا جسے سب نے محسوس کیا تھا۔ پہلے وہ ایک خشک اور سادہ سادہ سی طبیعت کے مالک تھے لیکن اب ان کی باتوں میں مزاح پیدا ہو گیا تھا۔ وہ خوشبوؤں میں بسے ہوئے کالج آتے تھے۔ لباس بے شکن ہوا کرتے تھے جبکہ پہلے وہ لباس کے معاملے میں بالکل لاپروا تھے۔ لباس اچھے اور قیمتی بے شک ہوا کرتے تھے لیکن انہیں اس نفاست سے استعمال نہیں کیا جاتا تھا، جوتوں کی پالش اس قدر چمکدار ہوتی تھی کہ اس میں چہرہ دیکھا جا سکے۔ لوگ صاف دیکھ رہے تھے کہ پروفیسر حاذق اور پاکیزہ کس طرح ایک دوسرے سے گھلے ملے رہتے ہیں۔ پھر امتحانات شروع ہو گئے اور کچھ عرصے کے لئے تمام مصروفیات ختم ہو گئیں، لیکن پروفیسر حاذق کسی نہ کسی طرح وقت نکال کر پاکیزہ کے ساتھ دو چار منٹ بات کر لیا کرتے تھے۔ "صورت حال اب خاصی مشکل ہو گئی ہے پاکیزہ، ہمیں کچھ کرنا ہو گا۔" اور پھر امتحانات کے خاتمے کے بعد ایک دن ہمت کر کے پروفیسر حاذق اسے ساحل سمندر پر لے گئے۔ کالج سے خاموشی کے ساتھ دونوں باہر نکل آئے تھے۔ سمندر کی لہروں کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے پروفیسر حاذق نے کہا۔ "پاکیزہ! کیا ہو گا اب، ظاہر ہے حالات بدل لیں گے۔" "سر میں تو ڈر رہی ہوں، میں یہاں آ گئی ہوں، واپسی میں کہیں یہ بات منظر عام پر نہ آ جائے کہ میں آپ کے ساتھ یہاں آئی ہوں۔" "کوشش تو یہی کروں گا کہ یہ بات منظر عام پر نہ آ سکے لیکن پاکیزہ میں..... میں کچھ کہنا چاہتا ہوں تم سے..... کیوں نہ ایسا کروں کہ ایک دن تمہارے گھر آ جاؤں۔" "سر آپ ضرور آئیے، اس میں بھلا پوچھنے کی کیا بات ہے؟" "پاکیزہ! میں آؤں گا، میں تمہارے ابو سے ملنا چاہتا ہوں۔" پروفیسر حاذق نے نہ جانے کیا فیصلہ کیا تھا۔ یہ فیصلہ احمقانہ تھا۔ حماقت پر مشتمل تھا یا پھر وہ اسی قدر مجبور ہو گئے تھے۔ ایک دن انہوں نے ہاشم احمد سے ملاقات کی۔ ہاشم احمد نے خوشدلی سے اپنے آفس میں پروفیسر حاذق کو خوش آمدید کہا تھا۔ "سر میں آپ کو جانتا ہوں، آپ پاکیزہ کے کالج میں پروفیسر ہیں۔" "مگر آپ کو میری صورت آشنائی کیسے ہوئی؟" پروفیسر حاذق نے کہا۔

"جناب! آپ کوئی معمولی شخصیت نہیں ہیں، میری بیٹی کے استاد ہیں۔" "ہاشم صاحب! میں آپ کے گھر پر حاضری دینا چاہتا ہوں۔" "ارے واہ! یہ تو میری عزت افزائی ہو گی، معمولی سا گھر ہے پروفیسر صاحب، تین بیٹیوں کا باپ ہوں۔ میری گردن اور شانے جھکے ہوئے ہیں اس تصور کے ساتھ کہ بیٹیوں کو پرائے گھر جانا ہے۔ خیر آپ تشریف لائیے آج ہی شام چائے پر۔ غریب خانے میں آپ کی آمد سے روشنی ہو جائے گی۔"

پروفیسر حاذق ربانی ہلکے نیلے رنگ کا وہ سوٹ جو پاکیزہ کی پسند تھا پہن کر پاکیزہ کے گھر پہنچ گئے۔ ہاشم احمد صاحب نے ان کا پرتپاک استقبال کیا۔ پاکیزہ کو بھی اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ حاذق ربانی اسے سرپرائز دینا چاہتے تھے وہ بھی اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔ "سر آپ.....!" بڑے اہتمام کے ساتھ پروفیسر حاذق کو بٹھایا گیا۔ پروفیسر حاذق کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں، انہوں نے کہا۔ "میں آپ سے تنہائی میں کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔" "ہاں ہاں ضرور خیریت تو ہے؟" "جی جی..... خیریت ہی ہے۔" ہاشم احمد نے خوشگوار حیرت کے ساتھ سب سے باہر چلے جانے کے لئے کہا اور جب سب چلے گئے تو پروفیسر حاذق ربانی نے کہا۔ "میری عمر اڑتالیس سال ہے، بے شک اپنی عمر سے کچھ زیادہ دکھتا ہوں گا لیکن اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ زندگی تنہا گزاری ہے۔ والدہ تھیں ان کے انتقال کے بعد بس یوں سمجھ لیجئے کہ نہ کوئی سرپرست رہا، نہ رشتے ناتے دار، اکیلی زندگی انسان پر جس قدر بھاری گزرتی ہے۔ شاید آپ کو اس کا کچھ اندازہ ہو، میرے ساتھ بھی یہی سب کچھ ہوا ہے۔" "جی یقیناً بڑی دلگداز بات ہے۔" "دیکھئے! جو کچھ میں آپ سے کہنے جا رہا ہوں وہ یقیناً آپ کو ناخوشگوار محسوس ہو گا، لیکن کہے بغیر چارہ کار بھی نہیں ہے۔ پاکیزہ مجھ سے عمر میں بے حد چھوٹی ہیں لیکن میرے دل میں ان کے لئے محبت کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے۔ میں ان سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ خدا کے لئے ناراض نہ ہوں۔ پاکیزہ خود بھی شاید اس بات سے انکار نہ کریں آپ چاہیں تو انہیں بلا کر پوچھ سکتے ہیں۔ میرے پاس خدا کا دیا بہت کچھ ہے۔ بے شک میری عمر پاکیزہ سے بہت زیادہ ہے لیکن آپ کی یہ ذمے داری اور یہ بوجھ میں اس طرح سنبھال لوں گا کہ آپ کی باقی دونوں بیٹیوں کی شادی میں بھی میری بھرپور کوششیں آپ کے ساتھ ہوں گی۔" ہاشم احمد صاحب نے نہایت صبر وسکون سے یہ بات سنی۔ نہ جانے کیوں دل میں کئی بار خلش پیدا ہوئی تھی، پاکیزہ کی پروفیسر ربانی سے اس قدر وابستگی کئی بار انہیں کھلی تھی لیکن پھر یہ سوچ کر مطمئن ہو گئے تھے کہ پروفیسر ربانی ایک شریف استاد ہیں اور ان کے بارے میں کبھی کوئی اسکینڈل سامنے نہیں آیا۔ یہ معلومات انہوں نے بڑی محنت سے حاصل کی تھیں۔ نہ جانے کیوں دل میں دوہری کیفیت پیدا ہو گئی انہوں نے کہا۔ "حیرت ہو گی آپ کو پروفیسر ربانی کہ میں ایک قدامت پرست انسان ہونے کے باوجود اپنی بیٹیوں کے بوجھ اور ان کی ذمہ داریوں کو محسوس کرتا ہوں۔ آپ صرف ایک بات بتا دیجئے مجھے، کیا پاکیزہ اس رشتے کے لئے خوشی سے تیار ہو جائے گی؟" پروفیسر ربانی نے جو ہاشم احمد کا یہ نرم لہجہ دیکھا تو ان کے دل میں پھول ہی پھول کھل گئے، انہوں نے گردن جھکا کر کہا۔ "اب آپ پاکیزہ کو بلا کر پوچھ سکتے ہیں۔" "کیا آپ نے کبھی پاکیزہ سے اپنے اس جذبے کا اظہار کیا ہے۔ اس سے کہا ہے کہ آپ اس سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔" ہاشم احمد نے کہا۔ "نہیں..... خدارا ایسی کوئی بات نہ سوچیں۔ ہماری تنہائیاں پاکبازی کی رہی ہیں۔" "پروفیسر، میں ابھی تک اچنبھے میں ہوں۔ پاکیزہ کے مزاج سے اچھی طرح واقف ہوں، مجھے حیرت ہے۔" ہاشم احمد اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکے۔ "میں نے اپنے دل کی بات آپ تک پہنچا دی۔ آپ کے فیصلے کا انتظار کروں گا، اجازت دیجئے گا۔"

"تھوڑا توقف کیجئے گا پروفیسر۔ بات اتنی ہیجان خیز ہے کہ میں انتظار نہیں کر سکتا۔ پاکیزہ اگر اس رشتے کے لئے تیار ہو جائے تو میں انکار نہیں کروں گا۔ میرے خیال میں اسے آپ کے سامنے بلا کر بات کر لی جائے۔"
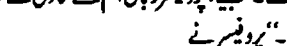
پروفیسر نے ہاشم احمد کو دیکھا پھر مسکرا کر بولا۔ "آپ میری توقع کے برعکس ایک انتہائی روشن خیال انسان نکلے ہاشم احمد صاحب۔ جیسا آپ پسند کریں!" پاکیزہ کو طلب کر لیا گیا۔ اس نے بڑے ادب سے پروفیسر کو سلام کیا تھا۔

"بیٹھو بیٹے۔" ہاشم احمد نے کہا اور پاکیزہ بیٹھ گئی۔ ہاشم پھر بولے۔ "میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ بے شک یہ وہ ہو رہا ہے جو نہیں ہوتا لیکن کبھی کبھی ہو بھی جاتا ہے۔ ربانی صاحب تمہارے استاد ہیں تم خود بھی ان کی بہت تعریفیں کرتی رہی ہو۔ ربانی صاحب تم سے شادی کے خواہشمند ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ تم خوشی سے ان کی یہ رفاقت قبول کر لو گی، کیا ایسا ہے.....؟"

(جاری ہے)

تتلی

(ایم اے راحت)

قسط:2

پاکیزہ نے بہترین اداکاری کا مظاہرہ کیا تھا، کچھ لمحوں کیلئے تو یوں لگا جیسے اسے سکتہ ہو گیا ہو۔ وہ خالی خالی آنکھوں سے باپ کو دیکھتی رہی۔ ہاشم احمد اور پروفیسر ربانی کی نگاہیں بھی اس پر جمی ہوئی تھیں۔ ہاشم نے کہا۔ "پاکیزہ بیٹے! میری بات تمہاری سمجھ میں آ گئی؟" پاکیزہ نے آنکھیں بند کر کے جھرجھری لی اور پھر بولی۔ "نہیں سمجھ میں آئی ابو! کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" اس کے لہجے میں ایک ہول سا تھا۔ ہاشم احمد نے پروفیسر ربانی کی طرف دیکھا جن کا چہرہ پھیکا پڑنے لگا تھا اور بولے۔ "بیٹے، پروفیسر ربانی! تم سے شادی کے خواہشمند ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ تم خوشی سے ان کی یہ پیشکش قبول کرلو گی۔" "ابو! کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں؟ پروفیسر! کیا آپ نے واقعی ابو سے اس خواہش کا اظہار کیا ہے؟" "ہاں۔" پروفیسر نے کہا اور گردن جھکالی۔ پاکیزہ کے چہرے پر رفتہ رفتہ درشتگی کے آثار نمودار ہونے لگے۔ پھر اس کا خوبصورت چہرہ سخت اور سرخ ہو گیا۔ "معاف کیجئے گا پروفیسر! کیا چہرے اس قدر دھوکا دے سکتے ہیں۔ آپ کے چہرے کی پاکیزگی تو اس بات کی مظہر تھی کہ آپ کا دل بھی اتنا ہی شفاف اور پاکیزہ ہوگا لیکن اندر سے آپ وہی نکلے جو عام طور سے لوگ ہوا کرتے ہیں۔ آئی ایم سوری پروفیسر، آئی ایم ویری سوری، آپ اچانک میری نگاہوں سے بہت نیچے گر گئے ہیں۔ آپ نے کیا فضول بات کی میرے باپ سے۔ کیا سمجھا آپ نے مجھے۔ آپ نے ابو سے کہا ہے کہ میں آپ کی رفاقت قبول کرلوں گی۔ پروفیسر! اپنی عمر کا اندازہ ہے آپ کو، میرے ابو سے کسی طور چھوٹے نہیں ہوں گے آپ۔ آپ کو شرم نہیں آئی ایسی باتیں کرتے ہوئے۔ آپ کے پاؤں قبر میں لٹکے ہوئے ہیں۔ کسی بھی وقت موت آپ کی گردن دبوچ لے گی۔ شرم آنی چاہئے پروفیسر آپ کو۔ اپنی بیٹی کے برابر لڑکی کے کردار پر انگلی اٹھا رہے ہیں آپ۔ ابو! یہ وہ صاحب ہیں جو بظاہر اپنے اوپر شرافت کا خول چڑھائے رکھتے ہیں، لیکن اندر سے انتہائی گھناؤنی فطرت کے مالک ہیں۔ آپ انہیں دھکے مار کر نکال دیجئے، ایسی کوئی بات نہیں ہے، بھلا ان سے بھی شادی کی جاسکتی ہے۔ کیا ہے ان کی شخصیت میں، ہونہہ۔" پاکیزہ نے حقارت سے کہا اور مزید بولی۔ "ابو پلیز! ان کی اس جاہلانہ فرمائش میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں انہیں ایک بہت اچھا استاد سمجھتی تھی اور استاد ہی کی حیثیت سے بڑی بے تکلفی، لیکن احترام کے ساتھ ان سے پیش آتی تھی۔ میں نے کبھی انہیں کوئی ایسا موقع نہیں دیا جس سے یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتے کہ میں کسی طور ان سے متاثر ہوں اور آپ خود سوچئے بھلا یہ بھی کوئی متاثر ہونے والی شخصیت ہیں، میں چلتی ہوں ابو مجھے سخت غصہ آ رہا ہے۔" پاکیزہ نے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ ایک لمحے کیلئے کمرے کا ماحول انتہائی بھیانک ہو گیا۔ پروفیسر کی تو جیسے سانس رک گئی تھی۔ ہاشم احمد کے چہرے پر بھی سختی کے آثار تھے، آخر انہوں نے اس جمود کو توڑا۔ "پروفیسر! میری بیٹی آپ کی جو بے عزتی کر گئی ہے میرا خیال ہے وہ کافی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس کے بعد مزید مجھے آپ کی بے عزتی کرنے کی ضرورت ہے۔ خیر چھوڑیئے ان باتوں کو آپ کو جواب مل گیا ہے۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ اگر آپ کی بات درست ہے اور پاکیزہ اس بات کیلئے تیار ہو جاتی ہے تو میں اعتراض نہیں کروں گا، لیکن اب آپ نے سن لیا ہے، میرا خیال ہے اب آپ کے یہاں بیٹھے رہنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔" پروفیسر نے ایک جھرجھری لی اور اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ پھر ایک لفظ کہے بغیر وہ وہاں سے باہر نکل آیا تھا، لیکن جس کیفیت میں تھا وہ اچھی طرح جانتا تھا اس کا دل جانتا تھا۔ پاکیزہ چھپی چھپی اسے دیکھ رہی تھی۔ پروفیسر کے قدموں کی لڑکھڑاہٹ اور اس کی شرمندگی اور بوکھلاہٹ پاکیزہ کی روح میں مسرت کا امرت گھول رہی تھی۔ دوسرے دن پروفیسر کالج نہیں آیا۔ چند لڑکیوں نے اس کے بارے میں بات کی تو پاکیزہ نے بڑی دلچسپی سے انہیں بتایا۔ "پروفیسر وہ نہیں ہیں جو خود کو ظاہر کرتے رہے ہیں، میں تم لوگوں کو ایک حیرت ناک بات بتانا چاہتی ہوں۔" پاکیزہ کی حیرت ناک بات سننے کیلئے بہت سی لڑکیاں اس کے گرد جمع ہو گئیں۔ "کل پروفیسر صاحب ہمارے گھر آئے تھے میرے لئے رشتہ لے کر۔" "کیا؟" "جی۔ یار کمال کی بات نہیں ہے یقینی طور پر میرے باپ سے زیادہ کی عمر کے ہوں گے یا کم از کم ان کے برابر تو ہوں گے ہی، اصل میں بات بڑی عجیب سی ہے، ہم لوگ پورے خلوص کے ساتھ کسی کا احترام کسی کی عزت کرتے ہیں لیکن لڑکی ہونا سب سے خراب بات ہے، بھلا بتایئے پروفیسر صاحب کو شرم نہیں آئی، میرے لئے ابو سے بات کرتے ہوئے۔" "تمہیں خدا کی قسم پاکیزہ، کیا تم سچ کہہ رہی ہو؟" "محترم خواتین، ایک بڑی افسوس ناک بات میں آپ کو بتاؤں، بدقسمتی سے میرے اندر یہ بہت بڑی خرابی ہے، میں فضول باتوں سے گریز کرتی ہوں، سچ بولتی ہوں۔ اب آپ لوگ مجھے یہ بتایئے کہ اگر قدرت نے مجھے تھوڑی سی بہتر شکل دے دی ہے تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔ آپ لوگوں میں سے کوئی بھی مجھ سے کسی بھی طرح کم نہیں ہے لیکن یہاں خواہ مخواہ میرے خلاف نجانے کیسے کیسے اسکینڈل بنا دیئے جاتے ہیں۔ ان پروفیسر صاحب کو دیکھئے، کیا کہوں ان کے بارے میں لعنت بھیجنے کو بھی دل نہیں چاہتا ان پر، آ گئے تھے میرے گھر ہونہہ۔۔۔۔" لڑکیوں کے کانوں تک یہ بات پہنچ جائے اور پورے کالج کو خبر نہ ہو جائے ممکن نہ تھا، لڑکوں کو معلوم ہوا، سب کے سب ایک دوسرے سے اظہار تعزیت کرنے لگے، چند لڑکوں نے تو ایک کونے میں بیٹھ کر مصنوعی طریقے سے رونا شروع کر دیا تھا، ایک عجیب سی فضا پیدا ہو گئی تھی، پھر ایک لڑکی نے تجویز پیش کی۔ "میرا خیال ہے ہمیں ان کے گھر جانا چاہئے۔" لڑکے لڑکیاں پروفیسر کے گھر پہنچے اور جب پروفیسر سے ان کی ملاقات ہوئی تو وہ انہیں دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ پروفیسر ہلدی کی طرح زرد ہو گیا ہے، اس کی آنکھوں میں حلقے پڑ گئے ہیں۔ پروفیسر نظر ہی نہیں آتا تھا جو دو دن پہلے تھا، دو دن میں انسان کی اس قدر کایا پلٹ ہو سکتی ہے، یہ بھی لڑکے اور لڑکیوں کیلئے ایک تجربہ تھا۔ پروفیسر نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ "تم لوگ اچانک آ گئے۔" "جی پروفیسر آپ دو دن سے نہیں آئے تھے نا، ہمیں تشویش ہو گئی، خیریت یہ کیا ہو گیا آپ کو؟" "بس اچانک طبیعت خراب ہو گئی ہے۔" "پروفیسر، آپ نے ڈاکٹر سے رجوع کیا، کیا حالت ہو رہی ہے آپ کی۔" "نہیں، ہو سکتا ہے میری ظاہری حالت خراب ہو، لیکن اب میں ٹھیک ہوں۔ دو تین دن ریسٹ کروں گا، اس کے بعد کالج آنا جانا شروع کروں گا۔ تم لوگوں کے آنے کا بے حد شکریہ۔" لڑکے لڑکیاں کافی دیر تک وہاں بیٹھے اور پھر جب وہاں سے واپس چلے تو آپس میں چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ "پروفیسر کے الفاظ تو یہی بتاتے ہیں کہ بات سنجیدہ ہے۔" "مگر ہم اس کا اظہار کریں بھی تو کیسے کریں؟" "نہیں یار! بالکل بیکار ہے مگر پروفیسر کی حالت تو کافی خراب ہو رہی ہے۔" "کیا کہا جا سکتا ہے۔" حقیقت یہ تھی کہ پروفیسر حساس طبیعت کا مالک تھا، زندگی میں اتنی عمر تجرد میں گزار دی۔ اور اس کے بعد جب سارے جذبات سو گئے تو ایک حسین لڑکی کی کشش نے انہیں پھر سے جگا دیا۔ حقیقت یہ تھی کہ پروفیسر اپنے تمام تر تجربے کے باوجود پاکیزہ کو سمجھنے میں ناکام رہا تھا۔ اسے کبھی خواب میں بھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ پاکیزہ صرف اس سے کھیل رہی ہے۔ وہ اپنے آپ کو ساری زندگی لئے دیئے رہا تھا۔ ایک تھوڑی سی غلط فہمی نے اس سے سب کچھ چھین لیا تھا۔ وہ درحقیقت یہ نہیں سمجھ پایا تھا کہ پاکیزہ صرف ایک استاد کی حیثیت سے اس کا احترام کرتی ہے۔ جب بھی وہ گزرے ہوئے دنوں پر غور کرتا تو اس کا تمام تر تجربہ یہی کہتا کہ پاکیزہ بے تکلفی سے اس کے سامنے آتی تھی، بالکل ایسے جیسے اپنا دل و جان اس پر وارتی ہو، نجانے کتنی راتوں کو پروفیسر نے پاکیزہ کے خواب دیکھے تھے اور پھر یہ سمجھ لیا تھا کہ پاکیزہ اب اس کی زندگی کا ایک حصہ ہے۔ آہ کاش میں اس بات کو اس قدر آگے لے جانے سے پہلے پاکیزہ سے کھل کر اس موضوع پر بات کر لیتا۔ حماقت ہے میری، اب کیا رہ گیا ہے۔ نہیں، میں پاکیزہ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اور یہ بات جانتا ہوں کہ پاکیزہ مجھے حاصل نہیں ہو سکتی۔ پروفیسر ایک کمزور شخصیت ثابت ہوا۔ اپنے کردار کی جس طرح اس نے آج تک حفاظت کی تھی۔ اپنی زندگی کی اس طرح حفاظت نہ کر سکا اور پھر ایک دن جب ملازم گھر کی صفائی وغیرہ کیلئے آیا تو اس نے پروفیسر کی لاش اس کے بیڈ پر دیکھی۔ پروفیسر نے خودکشی کر لی تھی۔ یہ خبر کالج میں جب پہنچی تو تمام کلاسیں ختم کر دی گئیں اور ایک جم غفیر پروفیسر کی رہائش گاہ پر پہنچ گیا۔ اس دوران غالباً پولیس کو بھی اطلاع مل گئی تھی۔ چنانچہ پولیس بھی وہاں پہنچ گئی پروفیسر کی لاش کو تحویل میں لے لیا گیا۔ تحقیقات ہونے لگی۔ لیکن کسی نے بھی احتیاطاً پاکیزہ کا نام نہیں لیا تھا۔ نام لیتا بھی تو کس حوالے کے ساتھ، پاکیزہ کی طرف سے ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی اور یہ بات سبھی جانتے تھے، لیکن یہ بات بھی زبان زد عام ہو گئی کہ پاکیزہ کی وجہ سے یہ تیسرے انسان کی موت ہے، پہلا درانی، دوسرا شہباز جسے درانی کے قتل کے الزام میں سزائے موت ہو گئی تھی۔ تیسرا پروفیسر ربانی۔ پاکیزہ کو لوگوں کی خاموشی پر بڑا افسوس تھا، یہ لوگ کیوں نہیں کہتے کہ پروفیسر نے میرے عشق میں ناکام ہو کر خودکشی کی ہے۔ بیوقوف احمق کہیں کے اور اس بات کیلئے اس نے مرینہ سے راہ و رسم بڑھائی۔ مرینہ کالج ہی کی لڑکی تھی، پاکیزہ اول تو کسی سے بہت زیادہ ملتی نہیں تھی اور جس سے وہ ملتی تھی وہ اپنے آپ کو بہت خوش قسمت سمجھتا تھا اس نے کالج کے لان میں مرینہ سے بات کرتے ہوئے کہا۔ "میں بہت افسردہ ہوں مرینہ، اگر پروفیسر نے میری وجہ سے خودکشی کی ہے تو میں اپنے آپ کو کبھی معاف نہیں کرسکوں گی۔ پروفیسر انتہائی قابل اور لائق شخصیت کے مالک تھے۔ نجانے ان کے دل میں یہ احمقانہ احساس کیسے پیدا ہو گیا۔" "بس پاکیزہ، انسان بہت کمزور ہوتا ہے۔ دل تو ہر انسان کے سینے میں ہوتا ہے۔ پروفیسر بھی انسان تھا۔ دل کے ہاتھوں مارا گیا، مگر ہم سب کو اس کی موت کا بے حد دکھ ہے۔ بہت قابل اور بے حد نفیس شخصیت کا مالک تھا۔" "سوچا غلط اس نے۔ میرا اور اس کا بھلا کیا جوڑ۔" کافی دن کے بعد کچھ بیباک لڑکوں نے پاکیزہ کا انٹرویو کرنے کا فیصلہ کیا اس کیلئے ان میں سے ایک لڑکے نے پاکیزہ سے کہا۔ "مس پاکیزہ۔ آپ کو ہم نے اپنے کالج کی سب سے حسین لڑکی منتخب کرلیا ہے۔ ہم آپ سے انٹرویو کرنا چاہتے ہیں۔" "میں کیا انٹرویو دوں گی؟" "آپ کے خیالات۔ آپ کے مستقبل کے خواب، وغیرہ۔" "پھر فرمایئے مجھے کیا کرنا ہوگا۔" "ایک پکنک ترتیب دی جا رہی ہے، آپ کو بھی اس میں شرکت کی دعوت دی جاتی ہے، وہیں دوسری دلچسپیوں کے ساتھ آپ کے انٹرویو کا بندوبست بھی کیا جائے گا۔" "میں جانتی ہوں آپ لوگ مجھے گھمنے کا پروگرام بنا رہے ہیں، لیکن ٹھیک ہے، میں بھی آپ لوگوں سے کہنا چاہتی ہوں کہ میں کسی طور آپ سے الگ نہیں ہوں۔" اس کے اس جواب کو بڑی اہمیت دی گئی تھی۔ "یار۔ کچھ غلط فہمیاں بھی چل رہی ہیں پاکیزہ کے بارے میں۔" "کیسی غلط فہمیاں؟" "مختلف مزاج کے لوگ ہوتے ہیں۔ بعض لوگ مغرور یا بدمزاج نہیں ہوتے۔ بس ان کا انداز ایسا ہوتا ہے کہ لوگ ان کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ پاکیزہ بھی انہی میں سے ایک ہے۔" "یہ کیسے کہہ سکتے ہو۔" "میرا خیال تھا کہ میری انٹرویو کی پیشکش پر وہ بدمزاجی کا مظاہرہ کرے گی اور انکار کر دے گی مگر اس نے خوشی سے قبول کر لیا اور کہا کہ میں آپ لوگوں سے الگ نہیں ہوں۔" "چلو اچھی بات ہے۔ لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس کی وجہ سے تین زندگیاں ختم ہوئی ہیں۔"

☆......☆......☆

پاکیزہ نے ماں سے کہا۔ "امی! ہم لوگ پکنک پر جا رہے ہیں۔ مجھے کچھ چیزیں درکار ہوں گی۔" "کیسی پکنک" "میرے کالج کے ساتھی لڑکے لڑکیاں آؤٹنگ کیلئے جا رہے ہیں۔ مجھے بھی ان کے ساتھ جانا ہے۔" "ابو سے پوچھ لیا ہے۔" "آپ پوچھ لیجئے۔" "تم خود کیوں نہیں پوچھ لیتیں؟" جواب میں پاکیزہ نے کڑی نظروں سے ماں کو دیکھا، پھر بولی۔ "اس لئے امی کہ باپ بیٹی کا بھرم قائم رہ سکے۔" سعدیہ بیگم چونک پڑی تھیں۔ پاکیزہ کے لہجے میں بڑی سختی تھی۔ بیٹی ضرورت سے زیادہ سرکش ہوتی جا رہی تھی۔ اسے سنبھالنا ضروری تھا۔ انہوں نے بھی ترش لہجے میں کہا۔ "کیا مطلب ہے تمہارا ان الفاظ سے۔" "ابو دقیانوسی خیالات کے حامل ہیں، وہی روایتی باپ جو صرف یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی بیٹی موم کا ڈھیر ہے۔ ذرا سی آنچ لگی پگھل کر بہہ جائے گی۔ امی دور بدل گیا ہے۔ اس دور میں نہ لڑکی موم کا ڈھیر ہے نہ لڑکے آگ کے گولے۔ ہم لوگ آپ کے دور سے بہت مختلف ہیں، ہم مخلوط زندگی گزار رہے ہیں، ایک دوسرے پر مکمل اعتماد کے ساتھ جبکہ آپ کے دور میں عورت ہر مرد کیلئے صرف عورت ہوتی تھی اور پھر مثنوی زہر عشق لکھی جاتی تھی۔ ہم سب ایک دوسرے کے جذبات کے محافظ ہیں۔ ابو اپنے انداز میں سوچیں گے۔ انکار کر دیں گے جو بے مقصد ہوگا۔ کیونکہ مجھے جانا ہے۔" "ان کے انکار کے باوجود......؟" سعدیہ بیگم نے حیرت سے کہا۔ "جی امی!" پاکیزہ نے جواب دیا۔ اور کھٹ کھٹ کرتی ہوئی سعدیہ بیگم کے پاس سے چلی گئی۔ سعدیہ بیگم تشویش سے اسے جاتے دیکھتی رہی تھیں۔ کیا ہوتی جا رہی ہے پاکیزہ۔ کیا لڑکیوں کو اس حد تک سرکش ہونا چاہئے۔ کیا اس معاشرے میں اس کی گنجائش ہے۔ سیکڑوں خبریں اخبارات میں آتی رہتی ہیں۔ پھر دوسری فکر لاحق ہوئی۔ ہاشم احمد سخت گیر انسان تھے۔ وہ کبھی اس طرح کی اجازت نہیں دے سکتے تھے۔ تو بھی باپ بیٹی کے درمیان تصادم ہوگا۔ ایسا ہوا تو اس کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ انہوں نے ڈرتے ڈرتے ہاشم احمد سے کہا۔ "وہ پاکیزہ کالج کے گروپ کے ساتھ پکنک پر جانا چاہتی ہے۔ خود تو آپ سے اجازت مانگنے سے ڈرتی ہے، مجھ سے کہا ہے کہ امی آپ ابو سے میرے لئے اجازت لے دیں۔" "تو کیا حرج ہے، جانے دو۔" سعدیہ بیگم نے چونک کر انہیں دیکھا، اندازہ لگانے لگیں کہ ہاشم احمد نے یہ الفاظ طنزیہ کہے ہیں۔ "رحمانی اور نادیہ بھی جا رہی ہیں۔" "نہیں، میرا خیال ہے کہ......" ابھی سعدیہ بیگم نے اتنا ہی کہا تھا کہ رحمانی اور نادیہ اتفاق سے کمرے میں داخل ہوئیں۔ ہاشم احمد نے فوراً پوچھا۔ "تم لوگ بھی کالج کی پکنک پر جا رہی ہو؟" "نہیں ابو، آپ سے کس نے کہا۔" "پاکیزہ تو جا رہی ہے۔" "ابو اس کا سیکشن الگ ہے، ان لوگوں کی کسی ایکٹیوٹی سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہمیں تو کئی کئی دن کالج میں پاکیزہ سے ملے گزر جاتے ہیں۔" بعد میں سعدیہ بیگم نے شوہر سے کہا۔ "آپ نے بڑی آسانی سے اسے پکنک پر جانے کی اجازت دیدی۔" "ہاں سعدیہ بیگم۔ قدرت نے ہمیں تین بیٹیوں سے نوازا ہے۔ ہماری کوئی اولاد نرینہ نہیں ہے، ہمارا انحصار انہی پر ہے۔ میں بھی ایک خوفزدہ باپ ہوں، وقت اور اپنے ارد گرد پھیلے ہوئے حالات سے ڈرتا ہوں۔ لیکن میں سوچتا ہوں کہ میری عمر کب تک میرا ساتھ دے گی، میں کب تک اپنی جوان بیٹیوں کا محافظ رہ سکتا ہوں۔ ان کے رشتوں کے بارے میں کیا کیا جاسکتا ہے۔ بڑے بڑے معزز، خاندانی اور دولت مند گھرانوں میں لڑکیوں کے انبار لگے ہوئے ہیں، رشتے آسانی سے نہیں ملتے۔ اسی حالت میں ہمیں ان پر اعتماد کرنا پڑے گا، انہیں ایک مناسب حد تک خودمختاری دے کر ان کے اندر اعتماد پیدا کرنا ہوگا۔ یقین کرو پاکیزہ نے میرے دل میں اپنا بڑا اعتماد قائم کیا ہے۔ پروفیسر ربانی والے معاملے میں اس نے جس قدر بولڈ ہو کر میرے سامنے پروفیسر ربانی کو جوابات دیئے تھے کیا بتاؤں تمہیں۔ میں کیا بتاؤں۔"

☆......☆......☆

پاکیزہ پکنک پر چل پڑی۔ خاصا بڑا گروپ تھا۔ ایک بے حد خوبصورت جگہ منتخب کی گئی تھی۔ جہاں ایک قدرتی جھیل بھی تھی اور اس کے آس پاس حسین مناظر بکھرے ہوئے تھے۔ سب یہاں آ کر خوش تھے پاکیزہ بھی ان کے درمیان خوب ہنس بول رہی تھی۔ پہلا پروگرام پاکیزہ کے انٹرویو کا تھا۔ "آپ تیار ہیں۔" ایک لڑکے نے پوچھا۔ "آپ کھلے دل سے میرا مذاق اڑایئے۔ میں برا نہیں مانوں گی۔ وعدہ کرتی ہوں۔" "بخدا ہم آپ کا مذاق نہیں اڑانا چاہتے۔" "سوری......سوال کیجئے۔" "شہباز اور درانی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔" "خدا دونوں کی مغفرت کرے۔" پاکیزہ نے جواب دیا۔ "کیا آپ یہ اعتراف کریں گی کہ دونوں کی جان آپ کی وجہ سے گئی۔" "نہیں۔ دونوں اپنی غلط تربیت، اپنے شیطانی مزاج کا شکار ہوئے۔ شہباز نے مجھ سے بدتمیزی کی، میں نے خود برداشت کیا۔ درانی اپنے طور پر اس سے جا بھڑا تھا۔ اس کے بعد شہباز نے درانی کے ساتھ جو وحشیانہ سلوک کیا وہ کسی طور جائز نہیں تھا۔ یہ آتش مزاجی ہی انسان کو لے ڈوبتی ہے، ہو سکتا ہے آپ میں سے کچھ لوگ مجھے ان واقعات کا ذمے دار ٹھہرائیں لیکن میں اس بات کو تسلیم نہیں کرتی۔" "حقیقت یہ ہے کہ دونوں آپ ہی کی وجہ سے ایک دوسرے کے دشمن بنے اور اس کے بعد بیچارے ختم ہو گئے اور پھر پروفیسر حاذق ربانی، وہ حادثہ تو اس کالج کی زندگی کا سب سے اندوہناک حادثہ ہے، ایک انتہائی لائق انسان، آپ اس کے بارے میں کیا کہتی ہیں؟" "میں صرف یہ کہوں گی کہ ایک ہزار افراد اس طرح کی احمقانہ کیفیات کا شکار ہو کر مر جائیں تو میرے جوتے کو بھی پروا نہیں ہوگی۔ میرا تو کوئی قصور نہیں ہے۔ میں کونسا کسی سے کہتی ہوں اور پھر پروفیسر کے بارے میں جو کہانی منظر عام پر آئی ہے یا جو واقعہ ان کی ذات سے منسوب ہے وہ تو انتہائی افسوسناک ہے۔ ہمارے اساتذہ ہمارے بزرگ ہوتے ہیں۔ ہم انہیں ماں باپ کی طرح مانتے ہیں۔ ان کے دلوں میں اگر فاسد خیالات پیدا ہو جائیں تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔" "کہنا یہ چاہیئے کہ آپ نئے دور کی قلوپطرہ ہیں؟" "ہاں، آپ میں سے جس کا دل چاہے جولیس سیزر بن جائے۔ بھلا میں کیا کرسکتی ہوں اس سلسلے میں۔" پاکیزہ نے ہنس کر کہا۔ "مس پاکیزہ، مستقبل میں آپ کیا کریں گی؟" "شادی۔" پاکیزہ نے فوراً جواب دیا اور ہنس پڑی۔ "اپنی پسند سے؟" "شاید......یا شاید ایسا نہ ہو، یہ تو وقت کی بات ہے۔" "ہم آپ کو قلوپطرہ کہہ سکتے ہیں؟" "ہرگز نہیں، آپ مجھے اولمپیاس کہیں۔" "اولمپیاس؟" "سکندر کی ماں کی بات کر رہی ہوں، یونان کا سکندر، جس کی ماں کا نام اولمپیاس تھا اور جو مردوں کو مردوں کی شان سے دیکھنا پسند کرتی تھی، بہادر، طاقتور، نڈر، جانباز، جنگجو، ارے ہاں، ذرا دیکھئے، اب تو مردوں نے شکل ہی بدل لی ہے۔ لمبی لمبی زلفیں، کانوں میں بالیاں، لچکتی کمریں، آپ نے کبھی مرغیوں کے درمیان سیر و گشت کرتے ہوئے مرغ کو دیکھا ہے۔ کیا شان ہوتی ہے اس کی۔ تنا ہوا سینہ، ایک کمانڈر کی طرح اپنی فوجوں کو لئے پھرتا ہے، کسی کی ہلکی سی آواز نکلی اور وہ اس کی محافظت کیلئے سینہ سپر، آپ نے کبھی ناچتے ہوئے مور کو دیکھا ہے جس پر مورنیاں نثار ہوتی ہیں۔ اصل حقیقت تو اس کی شان ہی ہے۔" "ارے واہ! تو ہم آپ کو اولمپیاس کہیں؟" "مذاق میں جو دل چاہے کہہ لیں، میں نے ایک سچائی بیان کی ہے آپ کے سامنے۔ دو صنفیں ہوتی ہیں، صنف نازک اور صنف قوی، دونوں کو الگ الگ ہی نظر آنا چاہئے۔ صنف قوی اگر صنف نازک بننے کی کوشش کرے تو آپ بتایئے کہ ہم اسے اخلاقاً کیا کہیں۔" ایک زبردست قہقہہ پڑا تھا۔ پاکیزہ نے پھر کہا۔ "آپ لوگ پکنک پر آئے ہیں میں نے دو افراد کے ہاتھوں میں گٹار بھی دیکھے ہیں۔ ٹیپ ریکارڈر اور کیسٹوں وغیرہ کا بھی معقول انتظام ہے۔ آپ لوگ یہاں گانے گائیں گے، رقص کریں گے، بھئی آپ کی مرضی ہے۔ ہم تو اس میں بھی گزارا کر لیں گے، لیکن اگر کوئی ہم سے پوچھے کہ پکنک کیا چیز ہوتی ہے تو ہم یہی جواب دیں گے کہ مرد کو مرد نظر آنا چاہئے اور لڑکیوں کو لڑکیاں، سمجھے......" "آپ اس سلسلے میں کیا پسند کریں گی؟" "ہم لوگ ہر جگہ اپنے آپ کو مردوں کے شانہ بشانہ کہتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ فرق بہت نمایاں ہے، مثلاً دو ٹیمیں بنائی جائیں، ایک لڑکیوں کی اور ایک لڑکوں کی، آپ لوگ رسہ کشی کریں، میرا تو خیال یہ ہے کہ لڑکے جیتیں گے، پھر پنجہ کشی ہو جائے۔" "کیا لڑکے اور لڑکیوں کے درمیان؟" ایک لڑکے نے سوال کیا۔ "نہیں، یہ غلط ہوگا، بہرحال صنف نازک تو صنف نازک ہی ہے، ہاں اگر کوئی تیس مار خانی یا خانم کسی لڑکے سے پنجہ کشی کرنا چاہے تو یہ ایک دلچسپ مقابلہ ہوگا۔" لڑکے اور لڑکیاں ہر بات پر بڑے مزے لے رہے تھے، تالیاں اور قہقہے لگا رہے تھے۔

"اس کے علاوہ سو سے لے کر ڈیڑھ سو میٹر تک کی ریس، اس قسم کے مشاغل میرے پسندیدہ ہوتے ہیں، باقی آپ لوگوں کا جو دل چاہے کریں۔" "ارے نہیں، ہم لوگ گٹار نہیں بجائیں گے اور اب یہی سب کچھ کریں گے۔" اور اس کے بعد جو ہنگامہ آرائی ہوئی وہ دیکھنے کے قابل تھی۔ شہد کی انگلی شیطان نے لگائی تھی اور اس کے بعد شیطانیاں شروع ہوئی تھیں۔ لڑکے لڑکیاں خوب تفریح کر رہے تھے اور حقیقت یہ تھی کہ لڑکوں نے لڑکیوں کو ہر محاذ پر شکست دی تھی۔ یہاں تک کہ کچھ لڑکیوں نے نازک اندام لڑکوں سے پنجہ کشی بھی کی تھی لیکن کامیاب لڑکے ہی رہے تھے۔ پاکیزہ ان کے درمیان خوب ہنس رہی تھی۔ خوب بول رہی تھی۔ یہ سارے کام بڑے دلچسپ انداز میں ہو رہے تھے۔ ریس کا مقابلہ ہوا۔ لڑکیوں نے بھی حصہ لیا۔ لڑکوں نے بھی۔ خوب دوڑیں لگیں، پاکیزہ دلچسپ نگاہوں سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی، دوڑتے ہوئے ایک لڑکا قلابازی کھا گیا اور اس کے کافی چوٹ لگی، نجانے کیوں پاکیزہ کو ایک طمانیت کا احساس ہوا تھا، لیکن سب سے سنگین مرحلہ شام کو ساڑھے چار بجے کے قریب پیش آیا۔ جب اچانک پاکیزہ نے جھیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "آہ ذرا اس جھیل کو تو دیکھو۔ کون جوان ہے جو تیراکی کا مقابلہ کرے اور جھیل کے اس سرے سے اس سرے تک تیر کر واپس آئے۔" پانچ لڑکوں نے جو تیراکی جانتے تھے، تیرنے کی پیشکش کر دی اور اس کے بعد تمام گروپ جھیل کے کنارے جمع ہو گیا، جن لڑکوں کو تیرنا تھا وہ تیاریاں کرنے لگے۔ پاکیزہ نے اپنے بالکل قریب کھڑے ہوئے ظفر کو دیکھا۔ ایک دبلا پتلا نازک اندام سا لڑکا جو بہت کم بولنے کا عادی تھا اور کسی قدر شرمیلی فطرت کا مالک تھا۔ پاکیزہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور بولی۔ "ظفر صاحب، آپ کو تیرنا نہیں آتا؟" پاکیزہ کے لہجے میں ایک عجیب سی مٹھاس تھی۔ ظفر نے ادھر ادھر دیکھ کر گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "آتا ہے۔" "ارے واہ۔ تو پھر آپ کیوں نہیں تیر رہے، میں تو سمجھ رہی تھی کہ آپ ہی اول نمبر پر آئیں گے۔" "وہ بس اصل میں کپڑے اتار کر تیرنا مجھے اچھا نہیں لگتا، شرم آتی ہے۔" "تو کپڑوں سمیت بھی تیرا جاسکتا ہے، کیا حرج ہے۔ یہ کوئی باقاعدہ کسی کلب کا مقابلہ تو نہیں ہے، آپ اگر جیتیں گے تو آپ یقین کیجئے سب سے زیادہ خوشی مجھے ہوگی۔" "تو پھر سمجھ لیجئے کہ میں جیت گیا۔" ظفر نے کہا۔ کسی کو اس گفتگو کا اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔ انہوں نے پاکیزہ کو ظفر سے بات کرتے ہوئے ضرور دیکھا تھا، لیکن یہ نہیں پتہ تھا کہ موضوع کیا ہے۔ لڑکوں کو حیرت اس وقت ہوئی جب جیسے ہی پانچوں تیراک جھیل میں کودے۔ ظفر نے بھی جوتے اتار کر جھیل میں چھلانگ لگادی۔ لڑکے لڑکیاں چیخ پڑے۔ "ارے ارے یہ، یہ اسے کیا ہوا، ارے یہ کیا ہوا اسے کپڑوں سمیت ہی پانی میں کود گیا۔" "ظفر کو تو کبھی سوئمنگ پول میں بھی نہاتے ہوئے نہیں دیکھا، یہ تیرنا جانتا ہے۔" لیکن دیکھنے والوں نے دیکھا کہ ظفر پانی میں گرنے کے بعد الٹے سیدھے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے، جبکہ پانچوں تیراک کافی آگے نکل گئے تھے۔ لڑکے شور مچانے لگے۔ ظفر ڈوب رہا تھا۔ وہ بار بار غوطے لگاتا۔ اس کی حالت خراب ہو رہی تھی۔ لڑکوں نے بہت زور زور سے سیٹیاں بجائیں۔ تیرنے والوں کو واپس آنے کیلئے کہا لیکن تیرنے والوں نے یہی سمجھا کہ لڑکے لڑکیاں ان کی تیز سے تیز تر رفتار کیلئے شور مچا رہے ہیں اور یہ شرارت کا ایک عنصر ہے۔ ادھر ظفر بری طرح ڈبکیاں کھا رہا تھا اور سب حیرت اور افسوس سے اسے دیکھ رہے تھے، کوئی مدد نہیں کی جاسکتی تھی۔ پھر جب تیرنے والے جھیل کے دوسرے کنارے کو چھو کر آئے تو ظفر پانی میں گم ہو چکا تھا۔ لڑکے لڑکیوں نے چیخ چیخ کر ظفر کے بارے میں بتایا اور اس جگہ کی نشاندہی کی جہاں وہ ڈوبا تھا تو پانچوں تیراک لڑکے پانی میں ظفر کو تلاش کرنے لگے، اور انہوں نے اسے جھیل کی گہرائیوں سے نکال لیا لیکن اس کا جسم بے جان ہو چکا تھا، شدید افراتفری مچ گئی۔ لڑکوں نے حتی الامکان کوشش کی کہ ظفر میں زندگی کے آثار نمودار ہو جائیں، لیکن ظفر جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا، بڑی خوفناک کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ بقیہ پکنک ملتوی کر دی گئی اور وہ لوگ ظفر کو لے کر برق رفتاری سے چل پڑے۔ ایک کار میں تیز رفتاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے لڑکے ظفر کو لے کر اسپتال پہنچے اور وہاں ڈاکٹروں نے اس کی موت کی تصدیق کر دی۔ سب گم صم تھے اور ظفر کی موت پر پریشان، ظفر کے اہل خاندان کو اطلاع کی گئی اور جو المیہ مناظر سامنے آ سکتے تھے، وہ آئے۔ ظفر کی دیوانگی پر سب کو حیرت تھی۔ دوسرے دن کالج میں باقاعدہ ظفر کا سوگ منایا گیا۔ خود پاکیزہ بھی سوگ منانے والوں میں شامل تھی۔ ظفر کے اہل خاندان سے تعزیتیں کی گئیں۔ اس کی تدفین میں بھی کچھ لڑکوں نے شرکت کی۔ بہرحال ظفر کی موت کے اثرات کئی دن تک کالج پر مسلط رہے۔ پھر اس کے بعد ایک دن ایک لڑکی نے پاکیزہ سے کہا۔ "پاکیزہ ایک بات بتاؤ گی۔ یہ میرا ہی نہیں کئی لڑکوں کا سوال ہے؟" "ہاں بولو، کیا بات ہے؟" "جب پانچوں تیراک لڑکے جھیل میں کودنے کیلئے لباس تبدیل کر رہے تھے۔ تو تمہاری اور ظفر کی بات ہو رہی تھی اور اس کے بعد ظفر نے کپڑوں سمیت جھیل میں چھلانگ لگادی تھی۔" "ہاں۔" "کیا بات ہو رہی تھی۔" "وہ میرے قریب کھڑا ہوا تھا۔ مجھے مخاطب کر کے بولا کہ پاکیزہ میں جھیل میں کود جاؤں۔ میں نے کہا کہ تمہیں تیرنا آتا ہے تو بولا کہ نہیں یہی تو نہیں آتا، مجھے تو صرف ڈوبنا آتا ہے۔ میں نے ازراہ مذاق کہا کہ ڈوب جاؤ اور بس وہ دوڑا اور جھیل میں کود گیا۔" "میرے خدایا، ہم لوگوں کو بھی یہی شبہ تھا کہ کوئی ایسی ویسی بات ہوئی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ احمق شرمیلا لڑکا دل ہی دل میں تم سے محبت کرتا تھا۔ کیا سنگین الفاظ تھے اس کے۔ اس نے تم سے کہا ڈوب جاؤں، تم نے کہا کہ کیا تمہیں تیرنا آتا ہے اس نے کہا یہی تو نہیں آتا مطلب سمجھ رہی ہو، اس کا مطلب یہی تھا کہ وہ تمہاری آنکھوں کی جھیل سے اتر کر تمہارے دل تک نہیں پہنچ سکتا، ہائے بیچارہ مر گیا، جان دیدی تمہارے عشق میں۔" "اب یہ تو بڑی احمقانہ بات ہے، مذاق بھی نہیں کرسکتی میں کسی سے، عجیب عشق ہوتا ہے یہ، ارے بابا جب تیرنا نہیں آتا تو کودنے کی کیا ضرورت تھی۔ خیر اب وہ اس دنیا میں نہیں ہے۔ خدا اس کی مغفرت کرے۔" بھلا کسی لڑکی سے بات ہو اور ہر جگہ نہ پھیل جائے۔ اس لڑکی نے ظفر اور پاکیزہ کے درمیان ہونے والے مکالمے کو سب کے سامنے بیان کیا اور بات سب کے سامنے آ گئی۔ "یعنی اس کے عشق میں گرفتار ہو کر خودکشی کر بیٹھا، یار یہ چوتھا خون ہے اس خونی حسینہ کا۔" "مگر سچ جانو تو قصور نہیں ہے اس کا، اب لڑکے ایسی حماقتیں کرتے رہیں تو وہ بیچاری کہاں تک انہیں سنبھالے۔ وہ ایک خوش مزاج اور سب سے گھلنے ملنے والی لڑکی ہے۔ اسے کیا معلوم کہ ظفر صاحب اس سے اظہار عشق فرما رہے ہیں اور اپنے ڈوبنے کی بات کر رہے ہیں، ظاہر ہے شوخیوں اور شرارتوں کے درمیان تو یہی جواب دیا جاسکتا ہے۔" اس طرح پاکیزہ کے حساب میں یہ چوتھا نام بھی لکھا گیا، آگے آگے جانے کیا ہونے والا تھا اور واقعات ہی زندگی کا حصہ ہوتے ہیں، عجیب و غریب مزاج کی یہ لڑکی نجانے کتنے انسانوں کی جان لینے والی تھی۔ البتہ اب ایک تھوڑی سی تبدیلی آئی تھی، وہ یہ کہ لڑکے اب اس سے خوفزدہ رہنے لگے تھے۔ وہ اس کے بارے میں باتیں تو کرتے تھے لیکن کچھ اس انداز میں۔ "یار، پاکیزہ کو دیکھا؟" "سینکڑوں بار۔" "میں آج کی بات کر رہا ہوں۔" "آج نہیں دیکھا، کوئی خاص بات ہے۔" "درمیانے گھر کی فرد ہے اس کے والد ملازمت پیشہ ہیں لیکن اس کی ڈریسنگ دیکھتے ہو۔" "بہت قیمتی لباس تو نہیں ہوتے۔" "ہاں لیکن ان کا انتخاب۔ اپنے رنگ و روپ کے حساب سے رنگوں کی میچنگ۔ غضب کی ہوتی ہے۔" "اس میں کوئی شک نہیں ہے۔" "لیکن ہوشیار، جان عزیز ہے تو اس سے عشق فرمانے کی کوشش نہ کی جائے۔" "تم دیکھ لینا۔ ایک دن پتہ چلے گا کہ وہ 'وش کنیا' ہے۔" "وش کنیا کیا ہوتا ہے۔" "ناگن سروپ، اچھا دھاری، جس نے ہزاروں سال کی عمر پانے کے بعد انسان کا روپ دھارن کیا ہے۔" "او استار پلس کے بھانجے، زیادہ ہندی مت جھاڑ، میں تو اسے ایک بدقسمت لڑکی سمجھتا ہوں۔" "سبحان اللہ، وہ کیوں؟" "یار بیچاری کا کوئی قصور نہیں ہوتا لیکن الزام اسی پر آ جاتا ہے۔" اس طرح کی باتیں اکثر ہوتی تھیں، کبھی کبھی یہ باتیں پاکیزہ کے کانوں تک بھی پہنچ جاتی تھیں۔ لڑکے لڑکیاں محسوس کرتے کہ وہ ان باتوں کا برا نہیں مانتی تھی بلکہ یہ باتیں سن کر اس کے چہرے پر ایک تمکنت، ایک غرور سا چھا جاتا تھا۔

☆......☆......☆

ہاشم احمد کو فلو ہو گیا۔ تیز بخار میں تپنے لگے۔ اس وقت سعدیہ بیگم ان کا سر دبا رہی تھیں وہ بولے۔ "سعدیہ...... کبھی کبھی ہم بعض انتہائی ضروری باتوں کو کس طرح نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اصل میں قصور ہمارا بھی نہیں ہے۔ معروفیت وقت کہاں دیتی ہے۔ مجھے ایک بات بتاؤ۔ ہماری بچیوں کی عمریں کیا ہوئی ہیں۔" "ماشاء اللہ، جوان ہیں۔" "ہم ان کی شادی کے بارے میں کیوں نہیں سوچتے۔" "ایسی بات نہیں ہے۔ میں تو مسلسل سوچتی رہتی ہوں اور کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی۔" "کیا مطلب......؟" "اختیاری خالہ کو تو آپ جانتے ہیں۔" "ہاں، پھر......" "پتہ ہے نا وہ رشتے کراتی ہیں۔ محلے میں کئی کامیاب رشتے کرا چکی ہیں۔" "مجھے نہیں معلوم۔" "میں نے ان سے بات کی ہے اور اتفاق دیکھئے ابھی دو تین دن پہلے ہی انہوں نے مجھے ایک رشتہ بتایا ہے۔" "واہ۔ ساری بیماری دور کر دی۔ صرف ایک رشتہ بتایا ہے۔ بھائی یہاں تو اللہ کے فضل سے تین تین رشتوں کی ضرورت ہے۔" "اللہ مددگار ہے، آغاز تو ہو۔" "ہاں کیوں نہیں ویسے بھی کچی بات ہے بچیوں کو میں اس لئے پڑھا رہا ہوں کہ جب تک انہیں کوئی مناسب رشتہ نہ مل جائے معروف رہیں گھر میں بیٹھ کر ذہن کند کرنے سے کیا فائدہ۔ اب تم نے بی ایس سی کیا ہے۔ بتاؤ، کیا فائدہ اٹھایا تم نے تعلیم سے۔ میں بچیوں کی تعلیم کے بالکل خلاف نہیں ہوں۔ تعلیم بہرحال ذہن کو جلا دیتی ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ جس حیثیت کے ہم لوگ ہیں، وہاں کی بچیوں کو جو گھر ملتے ہیں وہ بھی ہماری حیثیت کے گھر ہوتے ہیں اور ہماری حیثیت کے گھروں میں بنیادی چیز یہ دیکھی جاتی ہے کہ بچیاں اچھا کھانا پکا لیتی ہیں، اپنے لباس خود ہی سی لیتی ہیں یا نہیں۔ کیا اتنی تعلیم یافتہ ہیں کہ اپنے بچوں کی پرورش کرسکیں، بزرگوں کا احترام کرسکیں، بس یہی بنیادی چیزیں ہوتی ہیں۔" "اللہ کا فضل ہے میں نے بچیوں کو جہاں تک میری بساط تھی یہ سارے کام سکھائے ہیں، بس سرکشی ہے تو پاکیزہ کے اندر۔ عجیب مزاج کی لڑکی ہے اپنے آپ کو بہت بلندی پر دیکھتی ہے۔" "خدا اسے وہ بلندیاں عطا فرمائے جو اس کی خواہش ہے، تو تم کہہ رہی تھیں کہ اختیاری خالہ نے کوئی رشتہ بتایا ہے۔" "جو انہوں نے سنایا ہے وہ تو بڑی اچھی باتیں ہیں، نئے محلے میں رہتے ہیں وہ لوگ، کوئی پانچ سال پہلے کسی اور جگہ سے تبدیل ہو کر یہاں آئے ہیں، بیٹا گریجویٹ ہے، انہوں نے یہاں اپنا کاروبار شروع کیا ہے، باپ اور دو بھائی مل کر کام کرتے ہیں، اپنا مکان ہے۔ چھوٹے بھائی کی عمر ابھی بہت زیادہ نہیں ہے، بڑے بھائی کیلئے وہ لوگ رشتہ تلاش کر رہے ہیں۔ کچھ ہم سے ہی میل کھاتا ہے ان کا گھرانہ بھی، اختیاری خالہ کہہ رہی تھیں کہ لڑکوں کے ماں باپ عمرہ کرنے گئے ہیں، واپس آتے ہی ہماری ان سے ملاقات کرائیں گی۔" "مگر اتنی بڑی بات آپ نے ہضم کئے رکھی، مجھے نہیں بتایا۔" "یہ بات نہیں، میں نے کہا نا اختیاری خالہ نے بھی دو تین دن پہلے ہی مجھے یہ بات بتائی ہے، میں کسی مناسب موقع پر آپ کو بتانا چاہتی تھی۔" "نہیں، بھئی، یہ بڑا ضروری ہے، خداوند عالم ہماری مدد کرے اس سے بڑی ذمے داری اور کیا ہو سکتی ہے، زندگی اور موت کا کیا بھروسہ، بچیوں کو گھر مل جائے، ایک محافظت مل جائے تو سمجھو کہ بیڑہ پار ہو گیا۔ اللہ نے کوئی بیٹا تو دیا نہیں ہے اور پھر کچی بات ہے، وقت بہت عجیب چل رہا ہے، دس بیٹے ہو جائیں، اگر ان کے اندر اپنائیت نہ ہو تو کوئی فائدہ ہی نہیں ہے۔" "خیر یہ بات تو ہے۔" میاں بیوی یہ باتیں کرتے رہے۔ ایک دو دن میں ہاشم احمد صاحب کی طبیعت ٹھیک ہو گئی اور پھر ٹھیک ایک ہفتے کے بعد اختیاری خالہ نے کہا کہ عظیم احمد ان لوگوں سے ملنا چاہتے ہیں۔ انہیں ملاقات کی اجازت دی جائے۔ ہاشم احمد صاحب نے سنا تو کہنے لگے۔ "پرسوں اتوار ہے، ان لوگوں کو کھانے پر بلا لیتے ہیں۔" "ارے نہیں اتنا جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے، بیٹیوں کے ہزار رشتے آتے ہیں۔ اگر ضرورت سے زیادہ لگاوٹ کا مظاہرہ کریں گے آپ تو وقت بہت برا ہے، لوگ یہ سمجھنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ انہیں کوئی رشتہ وغیرہ نہیں مل رہا، اسی لئے خوشامد میں لگے ہوئے ہیں۔ ذرا محتاط رہیں، دیکھیں کس طرح کے لوگ ہیں۔ چائے پانی کر دیں گے، کچھ اور چیزیں منگا لیں گے۔" "ٹھیک ہے بھائی یہ پورا مسئلہ آپ ہی لوگوں کا ہے، ہم کیا جانیں۔" "تو پھر میں کہہ دوں اتوار کیلئے۔" "ہاں ضرور کہہ دیجئے۔" سعدیہ بیگم نے اختیاری خالہ سے کہا اور انہوں نے گردن ہلا دی۔ اتوار کو ایک پروگرام تھا جس میں صبح دس بجے پاکیزہ کو کالج جانا تھا تین چار بجے تک واپسی تھی، بہرحال وہ تو گھر میں نہیں تھی، لیکن رحمانی اور نادیہ کو اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ کوئی رشتہ آ رہا ہے اور لڑکے والے دیکھنے آ رہے ہیں۔ سعدیہ بیگم نے بھی رحمانی اور نادیہ کیلئے لباس کا انتخاب کر لیا تھا، ایسے لباس تھے جن کے رنگ ان لڑکیوں سے ہم آہنگ تھے، ویسے بھی رحمانی اور نادیہ اچھی شکل و صورت کی مالک تھیں۔ پاکیزہ کے بارے میں تو ابتدا ہی میں بتا دیا گیا ہے کہ لوگ اسے اس گھر کا فرد نہیں سمجھتے تھے، لیکن رحمانی اور نادیہ سادگی کا پیکر تھیں اور جس طرح سعدیہ بیگم نے انہیں تیار کیا تھا اس میں بھی بڑی پرکاری تھی اور وہ بہت اچھی نظر آ رہی تھیں۔ بہرحال عظیم احمد ان کی اہلیہ صوفیہ بیگم اور دونوں بیٹے شمیل اور شرجیل ساتھ آئے تھے، شمیل شرجیل سے خاصا چھوٹا تھا لیکن اچھے قد و قامت کا مالک، دونوں بھائیوں میں بڑی اچھی ہم آہنگی محسوس ہوتی تھی، شمیل کی آنکھوں میں شرارت تھی، یہ لوگ ہاشم احمد کو کافی پسند آئے تھے۔ انہوں نے کہا۔ "بات یہ ہے عظیم احمد کہ میں بہت زیادہ بناوٹ کا قائل نہیں ہوں۔ اختیاری خالہ آپ کے بارے میں بتا چکی ہیں۔ بات اتنی ہے جناب کہ آپ ہمیں دیکھ لیں ہم آپ کو، آپ ہمارے بارے میں معلومات حاصل کرلیں جس طرح بھی چاہیں۔ ہم آپ کے بارے میں معلومات حاصل کئے لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس سے بھی پہلی بات یہ ہے کہ میری بچیوں میں سے آپ کو کوئی بچی پسند آ جائے۔ تب پھر ایک دوسرے کے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں۔" "مجھے بھی اتفاق سے آپ جیسے صاف ستھری باتیں کرنے والے پسند ہیں، بات گھما پھرا کر کرنے سے کیا فائدہ۔ ظاہر ہے ہماری ملاقات اسی سلسلے میں ہوئی ہے، جہاں تک ایک دوسرے کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا تعلق ہے تو ہماری طرف سے آپ کو کھلی دعوت ہے۔ ایک ایک بات آپ کو تحریری طور پر لکھ کر دی جائے گی، آپ اس کی تصدیق کرلیں۔ اگر ہم اس قابل ہوں تو ہم پر توجہ دیجئے ورنہ سلام دعا ہمیشہ رہے گی۔" "واہ اچھا لگا مزا آیا۔" "بچیوں کو دیکھ سکتے ہیں ہم لوگ؟" "وہ کیا، ان بچوں کی موجودگی میں؟" ہاشم احمد نے کسی قدر ہچکچاتے ہوئے کہا۔ عظیم احمد کہنے لگے۔ "سچ بتاؤں ہاشم صاحب، بہت نفیس اور صاف گو انسان ہیں آپ، آپ کی اس چیز کی میں دل سے قدر کرتا ہوں، ایک چھوٹی سی بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔ صرف ایک بار یہ رونمائی ہوگی اور اس کے بعد ہم تمام تر شرافت کے اقدامات کو مدنظر رکھیں گے۔ اصل میں زندگی تو ان لوگوں کو گزارنی ہے، صرف ایک نگاہ عزت و احترام کے ساتھ ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے میرے خیال میں۔" "ٹھیک ہے، بچیوں کو تو آپ کے سامنے آنا ہی تھا لیکن اس تھوڑی سی ترمیم میں کوئی حرج نہیں ہے۔" شمیل نے شرجیل کو کہنی ماری تھی اور شرجیل نے سرد نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔ شمیل فوراً سنبھل گیا تھا۔ بہرحال سعدیہ بیگم اندر چلی گئیں۔ دونوں بچیاں تیار تھیں۔ انہیں ساتھ لئے ہوئے واپس آ گئیں۔ مشروبات اور کھانے پینے کی کچھ اشیاء اس ملاقات سے پہلے ہی سامنے لا کر رکھ دی گئی تھیں۔ وہ روایتی انداز اختیار نہیں کیا گیا تھا جو سو فیصد مصنوعی محسوس ہوتا ہے۔ یعنی لڑکیاں ہاتھوں میں چیزیں سنبھالے ہوئے اندر آئیں، ایک احمقانہ سی بات لگتی ہے ساری کی ساری، رحمانی اور نادیہ نے سادگی سے سلام کیا اور ماں کے اشارے پر ایک طرف بیٹھ گئیں۔ دونوں کی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں۔ سعدیہ بیگم نے کہا۔ "یہ بڑی بیٹی رحمانی ہے اور یہ نادیہ تیسری کا نام پاکیزہ ہے، کالج میں ایک تقریب تھی اس میں گئی ہوئی ہے، میرا خیال ہے آتی ہی ہوگی، چار بجے کیلئے کہہ گئی تھی، اب ساڑھے چار بج رہے ہیں، تھوڑی سی دیر ہو گئی۔"

صوفیہ بیگم محبت بھری نگاہوں سے دونوں بیٹیوں کو دیکھ رہی تھیں، لڑکیاں انہیں اچھی لگی تھیں۔ شرجیل بھی شرارت بھری نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا لیکن رحمانی اور نادیہ سنجیدگی سے آنکھیں جھکائے بیٹھی ہوئی تھیں۔

"بڑی خوشی ہوئی آپ کی بچیوں سے مل کر، اپنے بیٹوں کا تعارف تو میں کرا ہی چکی ہوں۔" صوفیہ بیگم نے بلاوجہ کہا، مقصد یہ تھا کہ سامنے بیٹھی ہوئی لڑکیوں کو بھی یہ اندازہ ہو جائے کہ کونسا شمیل ہے اور کونسا شرجیل، لیکن رحمانی اور نادیہ نے نگاہیں اٹھا کر ان دونوں میں سے کسی کو نہیں دیکھا تھا۔ "بہرحال ایک شریف اور عزت دار گھرانے کے لوگوں سے ملاقات کر کے دلی خوشی ہوتی ہے۔" اسی وقت دروازے پر ہلکی سی آہٹ ہوئی اور اس کے بعد جیسے کمرے میں روشنی پھیل گئی۔ گہرے سبز رنگ کے بہت ہی خوبصورت لباس میں ملبوس، کسے ہوئے بدن کی مالک، پھولوں کی سی شکل والی پاکیزہ مسکراتی کھلکھلاتی ہوئی اندر داخل ہوئی اور مہمانوں کو دیکھ کر ایک دم چونک گئی، اس نے عجیب نگاہوں سے شمیل اور شرجیل، پھر عظیم احمد اور صوفیہ کو دیکھا۔ دوسری طرف ان سب کے چہرے ہونق ہو گئے تھے۔ یہ کون ہے، اگر حوروں کا تصور آسمان سے زمین کی طرف ہوتا ہے تو یہ ارضی حور دروازے سے اندر داخل ہوئی تھی، شمیل اور شرجیل تو دنگ رہ گئے تھے، کچھ لمحے حیرتوں کا دور رہا۔ پھر سعدیہ بیگم نے کہا۔ "آؤ پاکیزہ، تمہیں دیر نہیں ہو گئی۔" "امی آپ لوگوں نے فون ہی نہیں اٹھایا میں پبلک کال بوتھ سے فون کر رہی تھی آپ کو اور بتانا چاہ رہی تھی کہ تھوڑی سی دیر ہو جائے گی۔" "ارے ہاں میں بتانا ہی بھول گئی کہ فون خراب ہو گیا ہے۔" "جبھی تو۔" اس نے ایک بار پھر ان لوگوں کی طرف دیکھا۔ سعدیہ بیگم بولیں۔ "یہ میری تیسری بیٹی ہے پاکیزہ جس کا ذکر میں نے آپ سے کیا تھا۔" "آؤ بیٹے، بیٹھو ہمارے پاس۔ سعدیہ بیگم یہ بچی آپ کی دونوں بچیوں سے بالکل مختلف ہے۔" "ہاں بس صورتیں تو اللہ کی بنائی ہوتی ہیں، جو بھی اللہ تعالیٰ نے بنا دیا۔" "آپ لوگ، امی آپ نے میرا ان سے تعارف نہیں کرایا۔" "یہ عظیم احمد صاحب ہیں اور ان کی بیوی صوفیہ بیگم، یہ دونوں ان کے بیٹے شمیل اور شرجیل ہیں۔" "ہیلو۔" "بیٹے، آپ نے ہمیں اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔" صوفیہ بیگم کی نگاہیں اچانک تبدیل ہو گئی تھیں۔ "امی نے میرے سامنے آپ کو بتایا ہے کہ میں پاکیزہ، ان لوگوں کی تیسری بہن ہوں۔" "ہاں، یہ تو بتایا ہے، لیکن یہ نہیں پتہ کہ آپ کیا کرتی ہیں؟ کیا پڑھتی ہیں؟ کیا مشاغل ہیں آپ کے؟" صوفیہ بیگم نے کہا۔ "کیا پڑھتی ہوں یہ آپ امی ابو سے پوچھ لیں، ہاں اس وقت میرا مشغلہ یہ ہوگا کہ میں جا کر لباس تبدیل کروں، تھکی ہوئی ہوں اس لئے خدا حافظ۔" پاکیزہ ان لوگوں کے پاس بیٹھنے کے بجائے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ پھر دروازے میں رک کر کہنے لگی۔ "امی میں اس وقت چائے نہیں پیئوں گی کالج میں پی کر آئی ہوں۔ تھوڑی دیر سونا چاہتی ہوں، مجھے ڈسٹرب نہ کیا جائے۔" بڑا سخت اور سرکش رویہ تھا۔ ہر ایک نے محسوس کیا تھا۔ پھر بھی صوفیہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "چھوٹی ہے نا۔ سب کی لاڈلی ہوگی۔ یہ عمریں شوخیوں کی ہوتی ہے۔" "جی ہاں۔" سعدیہ بیگم نے بادل ناخواستہ کہا تھا۔

☆......☆......☆

شرجیل نے شمیل سے کہا۔ "یار شمیل، مجھے اس لڑکی سے عشق ہو گیا جس دن سے ان لوگوں سے مل کر آیا ہوں خواب ہی خواب دیکھ رہا ہوں، ہر خواب میں وہی ہوتی ہے۔" "کونسی، رحمانی یا نادیہ......" شمیل نے پوچھا۔ "نہیں، پاکیزہ۔" "بھائی جان، خدا کا واسطہ۔" "ایں۔ کیا ہوا۔" "وہ میرا حصہ ہے، آخر میری باری بھی آنی ہے آپ کے بعد۔ میں نے تو اپنے دل میں اس کا پورٹریٹ بھی بنا لیا ہے۔ اس کیلئے بہت سے لباسوں کے کلر بھی منتخب کر لئے ہیں۔" "شمیل خدا کی قسم، میں تجھ سے سچ کہہ رہا ہوں، مجھے وہی پسند آئی ہے۔" "میرا کیا ہوگا گوریا۔" شمیل نے روندھی ہوئی آواز میں کہا پھر بولا۔ "ایک بات پر سمجھوتہ ہو سکتا ہے۔" "کونسی بات۔" "آپ وہ بگ بین مجھے دیدیں، جو ماموں جان نے لندن سے آپ کیلئے بھجوائی تھی۔" "دی۔" شرجیل نے کہا۔ "تب پھر میں نے اپنے خوابوں کی انجمن آپ کو دی۔ اپنا حسین مستقبل آپ کو سونپا۔" شمیل نے مصنوعی غم آلود لہجے میں کہا۔ "اب بتاؤ کیا کریں۔" "میرے خیال میں شادی کر لیں۔" "یار پلیز، سنجیدہ ہو جاؤ۔" "مرحلے وار ہر کام ہوگا۔" شمیل نے کہا۔ "میں پہلے امی اور ابو سے کہوں گا کہ بھائی جان ایک معمولی سی گھڑی کے عوض میرے ارمانوں کے محل کو تاج محل یعنی محبت کی سیج کو محبت کا مقبرہ بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ چلیں، محبوبہ نہ سہی گھڑی سہی، آپ ان لوگوں سے کہہ دیں کہ آپ کو پاکیزہ پسند ہے۔" "میں کہہ دوں۔" شرجیل نے چونک کر کہا۔ "اونہہ...... میں امی ابو کی بات کر رہا ہوں۔ پھر ان لوگوں کی رائے معلوم کر لی جائے۔" "تو پھر امی ابو سے بات کرو۔" "بے وقوف سمجھا ہے کیا۔" "کیوں......؟" "پہلے گھڑی عنایت فرما دیں۔" "وہ میں تمہیں ابھی دیئے دیتا ہوں۔"

☆......☆......☆

شمیل نے امی سے کہا۔ "امی۔ وہ بھائی جان کو پاکیزہ پسند ہے۔" جواب میں امی مسکرا دیں۔ "وہ کسے پسند نہیں ہے۔ ہم لوگ بھی یہی سوچ رہے تھے۔ اختیاری بی بی سے بات کرتی ہوں خدا کرے وہ لوگ مان جائیں۔ لڑکی واقعی چاند کا ٹکڑا ہے۔" "امی۔ چاند جب ٹکڑے ٹکڑے ہوا ہے تو اس کے اور بھی بہت سے ٹکڑے ہوں گے ایک آدھ میرے لئے بھی۔" "او...... یو...... آ...... آ۔"

(جاری ہے)

تتلی

(ایم اے راحت)

قسط:3

[illegible]

نے تو آتے ہی بدتمیزی شروع کردی۔ میرے علم میں کچھ بھی نہیں ہے۔" "جی ہاں آپ کے علم میں کیوں ہوگا؟" "دیکھئے، میں آپ سے درخواست کررہا ہوں، اگر آپ کوئی شریف آدمی ہیں تو شرافت سے بات کیجئے۔" "اور آپ جو بدتمیزی کئے جارہے ہیں۔" دونوں لڑکوں میں سے ایک نے کہا۔ "نو جوانو! ہوسکتا ہے ہمارے درمیان بات شرافت سے ہی طے ہوجائے، ورنہ تم یہ سمجھ لو کہ میرے بھی وسائل محدود نہیں ہیں، میں تمہیں ہتھکڑیاں لگا کر یہاں سے بھیج سکتا ہوں۔" "ارے چھوڑیے، مرگئے ہتھکڑیاں لگانے والے۔" دوسرے نوجوان نے کہا۔ "رک جاؤ احمار رک جاؤ بات کرنے دو۔" مظفر صاحب نے کہا۔ پھر بولے۔ "دیکھئے جناب! کیا آپ کو اس بات کا علم ہے کہ کالج کے لڑکے لڑکیاں پکنک پر گئے تھے، ان میں آپ کی بیٹی بھی تھی۔" "جی ہاں علم ہے اور یہ بھی علم ہوا ہے مجھے کہ اس پکنک میں ایک بچے کی ہلاکت ہوگئی تھی۔ میں آپ سے اظہار تعزیت کرتا ہوں لیکن آپ میری بیٹی پر یہ الزام کیوں لگانا چاہتے ہیں۔" جواب میں ہاشم احمد کو پوری تفصیل بتائی گئی تو ہاشم احمد نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "آپ ایسا کیجئے مقدمہ کردیجئے ہم پر اور گواہ لے آیئے دو چار، کسی کی بچی پر الزام لگانا اتنا آسان نہیں ہوتا مظفر صاحب۔ میری بچی نے آپ کے بیٹے کو دھکا تو نہیں دیا تھا، فرض کیجئے اگر اس نے کسی دوست کی حیثیت سے یہ پوچھ بھی لیا ہو بلکہ ایک منٹ رک جائیے، میں پاکیزہ کو بلاتا ہوں۔" ہاشم احمد نے کہا اور کچھ لمحوں کے بعد پاکیزہ کو لے کر ڈرائنگ روم میں آگئے۔ مظفر احمد نے پاکیزہ کو دیکھا اور ان کے ساتھ آنے والے دو نوجوان لڑکوں نے بھی، لڑکے تو جیسے پگھل کر بہہ گئے تھے۔ مظفر احمد نے کہا۔ "بیٹا آپ بتائیے ظفر کی ہلاکت کیسے ہوئی؟" پاکیزہ چند لمحوں تک حیرت سے مظفر کو دیکھتی رہی، پھر اس نے کہا۔ "جھیل میں ڈوب کر، انہیں شاید تیرنا نہیں آتا تھا، وہ دوڑ کر جھیل میں کود گئے، مگر اس بات سے میرا کیا تعلق ہے انکل؟" "آپ نے ان سے یہ نہیں کہا تھا کہ جاؤ جھیل میں کود جاؤ؟" "میری تو ظفر سے کوئی شناسائی بھی نہیں تھی، اچانک ہی وہ دوڑے تھے اور جھیل میں کود گئے تھے۔ ہاں اتنا ضرور ہوا تھا کہ اس وقت وہ میرے قریب کھڑے ہوئے تھے، مگر میری ان سے کوئی بات نہیں ہوئی۔ آپ یہ بات کیوں کہہ رہے ہیں انکل، ہم لوگ تو ان کے لئے بہت ہی غمزدہ تھے۔" پاکیزہ کا معصوم انداز اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس کا برق پاش حسن بڑے بڑوں کے مزاج ٹھنڈے کر دیتا تھا۔ مظفر احمد نے گردن جھکا کر کہا۔ "مجھے یہ پتہ چلا ہے کہ اسے جھیل میں کودنے کے لئے تم نے اکسایا تھا۔" "انکل! کس نے بتائی ہے یہ بات آپ کو؟" "اس بات کو چھوڑ دو۔" "ٹھیک ہے، آپ کی جیسی مرضی۔ میں آپ سے بھی کہہ رہی ہوں کہ جائیے کسی بس کے نیچے جا کر لیٹ جائیے، مان لیجئے میری بات پلیز آپ کا احسان مانوں گی۔" "تم اس قدر معصوم ہو نہیں لڑکی، جتنی نظر آتی ہو۔ خیر میں شواہد اکٹھے کروں گا اور ہاشم احمد، اگر مجھے اس بات کے ثبوت مل گئے کہ آپ کی ان صاحبزادی نے میرے بیٹے کو جھیل میں کودنے پر اکسایا تھا تو میں آپ پر مقدمہ قائم کروں گا۔" "ٹھیک ہے، ہم آپ کی اس دیوانگی کا خیر مقدم کریں گے۔" ہاشم احمد نے کہا۔ "اٹھو۔" مظفر احمد نے غصیلے لہجے میں اپنے ساتھی نوجوانوں سے کہا جو ٹکٹکی باندھے پاکیزہ کو دیکھ رہے تھے۔ وہ چونک کر اٹھ کھڑے ہوئے اور مظفر احمد بغیر کسی سلام دعا کے باہر نکل گئے۔ ہاشم احمد دیکھتے رہ گئے تھے۔ اس رات وہ بہت بے چین رہے تھے۔ نہ جانے کیا کیا سوچیں دامن گیر تھیں۔ بستر پر کروٹیں بدل رہے تھے۔ سعدیہ بیگم نے محسوس کیا اور اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ "نیند نہیں آرہی؟" "ہاں۔" "کیوں؟" "بس بے چینی ہے۔ بہت سی باتیں ذہن میں آرہی ہیں۔" "کیا؟" "پاکیزہ کے بارے میں۔" "مجھے نہیں بتائیں گے۔" "نہیں، بس ماضی سے لے کر اب تک اس پر غور کررہا ہوں بڑا عجیب سا لگتا ہے۔ اسے بچپن سے لے کر اب تک دیکھو واقعی اس کے مزاج میں کوئی خاص بات ہے۔ بے شک وہ خوبصورتی میں بے مثال ہے لیکن اس کے مزاج میں ایک جارحیت ہے۔ میرے لئے رحمانی نادیہ اور وہ ایک جیسے ہیں، بچپن سے لے کر آج تک میں نے تینوں کو ایک نگاہ سے دیکھا ہے آج جب غور کررہا ہوں تو بڑا عجیب احساس ہوتا ہے۔" "کیا؟" "لگتا ہے وہ ہم لوگوں سے کبھی گھلی ملی ہی نہیں، دور دور رہی ہے اپنی ضرورتیں ضرور ہم سے کہی ہیں لیکن اس طرح جیسے انہیں پوری کرنا ہمارا فرض ہو۔ ان فرمائشوں میں کبھی لاڈ یا ضد نہیں دیکھی...... بس حکم دینے کا سا انداز ہوتا ہے۔ ایک مثال اس کی دونوں بہنوں سے دوری ہے۔ رحمانی اور نادیہ کس طرح ایک دوسرے سے گھلی ملی رہتی ہیں، اسے کبھی ان دونوں کے ساتھ نہیں دیکھا گیا۔" "تھوڑا سا قصور ہمارا بھی ہے۔" سعدیہ بیگم نے کہا۔ "کیا......؟" "اصل میں شروع ہی سے کچھ ہم نے، کچھ دوسروں نے اس کی خوبصورتی کی تعریفیں کر کے اس کا مزاج بگاڑ دیا۔" "یہ بھی ہے سعدیہ بیگم، لیکن اس کے اندر...... کیا بتاؤں آپ کو، اس نے پروفیسر ربانی سے کس خوفناک انداز میں بات کی تھی۔ وہ اس کے استاد تھے، ایک نیک نام انسان تھے۔ کچھ جھجک ہوتی ہے، کچھ شرم ہوتی، کہنے کے انداز میں کوئی لچک یا احترام ہوتا لیکن پہلے میں نے نہیں غور کیا۔ اب غور کرتا ہوں تو لگتا ہے جیسے اسے احساس ہو کہ پروفیسر اس کے لہجے کی تلخی برداشت نہیں کر پائے گا۔" "نہ جانے آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" سعدیہ بیگم نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ "ہاں شاید...... جو میں محسوس کررہا ہوں سمجھا نہیں پارہا۔"

☆......☆......☆

اتوار کو عظیم احمد، صوفیہ بیگم چھوٹے بیٹے کے ساتھ آگئے۔ ان کا خیر مقدم کیا گیا تھا۔ "بچیاں کہاں ہیں؟" "اندر ہیں، بلاتی ہوں۔" سعدیہ بیگم نے کہا۔ "بعد میں بلالیں...... ہم لوگ کچھ دیر باتیں کرتے ہیں۔" "ٹھیک ہے۔" "اختیاری خالہ نے آپ کو ہماری تھوڑی سی الجھن کے بارے میں بتادیا ہوگا۔" "الجھن......؟" "میں صاف صاف کہوں، شرجیل کو پاکیزہ زیادہ پسند آئی ہے۔ آپ لوگ مہربانی کریں، پاکیزہ ہمیں دے دیں۔" "وہ تو ٹھیک ہے صوفیہ بہن، خوش قسمتی سے آپ کو اللہ نے صرف بیٹے دیئے ہیں۔ بیٹی والوں کی مشکلات سے آپ آگاہ ہیں۔ دنیا کی بڑی کڑی نگاہ ہوتی ہے بیٹی والے گھروں پر۔ یہ ہوا، وہ کیوں نہیں ہوا، ایسا کیوں ہے، ویسا کیوں نہیں ہے۔ رحمانی اور نادیہ پاکیزہ سے بڑی ہیں۔ لوگ یہی سوچتے ہیں کہ ترتیب سے ان کی شادیاں ہوں گی، چھوٹی کی ہوجائے بڑی بیٹھی رہے تو لوگ کہانیاں شروع کردیتے ہیں اور پھر سچ بات ہے کہ ہم تو ابھی صرف رحمانی کا رشتہ کرنا چاہتے تھے۔ اس کے بعد دوسری لڑکیوں کی باری آتی ہے۔" ہاشم احمد نے کہا۔ "آپ نے بالکل ٹھیک کہا بھائی صاحب۔ ہماری روایات یہی تھیں لیکن اس نئی نسل کا کیا کریں۔" "میں سمجھا نہیں۔" "شرجیل نے کھلی زبان سے کہہ دیا کہ امی اگر اس گھر میں رشتہ کرنا ہے تو پاکیزہ سے بات کریں ورنہ......" "جی...... ورنہ......" ہاشم احمد نے کہا۔ "ورنہ نہیں۔" "اوہو...... اس حد تک بات ہے۔" ہاشم احمد بولے۔

"یہ بات کہتے ہوئے میں سخت شرمندہ ہوں بھائی صاحب، خدا کی قسم، مجھے وہ دونوں بچیاں بھی پسند ہیں اور آپ لوگ بھی بے پناہ اچھے لوگ ہیں۔ کاش ہمارے درمیان یہ مسئلہ طے ہوجائے مجھے دلی خوشی ہوگی۔ میرے دونوں بچے اس دور میں ہیرے ہیں۔ لوگ نجانے کیسا کیسا ملمع چڑھا کر آتے ہیں۔ باہر سے کچھ اندر سے کچھ۔ میں آپ سے خود ہی یہ درخواست کرتی ہوں کہ شمیل اور شرجیل کے بارے میں جس جگہ آپ کا دل چاہے بھرپور معلومات کراسکتے ہیں۔ ان بچوں میں کوئی کھوٹ نکلے تو آپ کہہ دیں کہ صوفیہ بیگم تم بھی ملمع چڑھا کر ہمارے سامنے آئی ہیں۔ ہاتھ پکڑ کر نکال دیجئے گا، ہمیں گھر اور پھر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمارے گھر کے حالات بہت اچھے ہیں۔ وہ جس قدر پیاری بچی ہے اس کے شایان شان اس کا خیر مقدم کیا جائے گا۔" بڑے متاثر کن الفاظ تھے، ہاشم احمد صاحب سوچ میں ڈوب گئے، ان الفاظ نے انہیں موم کردیا تھا بڑا ستھرا انداز تھا صوفیہ بیگم کا۔ تھوڑی دیر تک سوچتے رہے پھر بولے۔ "صوفیہ بہن بہت عزت دی ہے آپ نے ہمیں۔ تھوڑا سا وقت اور دے دیجئے۔ اصل میں کچھ ایسی ذمہ داریاں ہیں جنہیں پورا کرنا ضروری ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ان ذمہ داریوں کے بعد پورے اعتماد کے ساتھ آپ سے بات کروں۔" "آپ بے شک وقت لے لیجئے، لیکن میں چاہتی ہوں کہ ہمارے اور آپ کے گھرانے میں یہ رشتہ ہوجائے ایک بار پھر درخواست کرتی ہوں کہ برا بالکل نہ مانئے۔" "نہیں نہیں بیٹی والوں کو تو برا ماننا ہی نہیں چاہئے۔" "میں بھی آپ یہ سمجھ لیں کہ آپ کی بہن کی طرح سے ہوں۔" بہت سی باتیں ہوئیں، صوفیہ بیگم نے رحمانی اور نادیہ کو بہت پیار کیا، نجانے کیوں ان کے دل میں ان بچیوں کے لئے بھی بڑی محبت جاگ اٹھی تھی۔ پاکیزہ کو بلایا تو اس نے آنے سے انکار کردیا۔ "بھئی اپنے مہمانوں سے آپ لوگ خود نمٹیں، بلاوجہ زبردستی کوئی آجائے، آپ ملئے ان سے، میں تو نہیں ملنا چاہتی تھی ان سے کوئی بھی ہو، آپ کوئی بہانہ بنا دیجئے۔" اور بہانہ یہی بنایا گیا کہ وہ سو رہی ہے یا شاید سامنے آنے سے کترا رہی ہے، آخر لڑکیوں میں کوئی شرم و حیا بھی ہوتی ہے، بات ہموار ہوگئی تھی وہ لوگ چلے گئے۔ ہاشم احمد اور سعدیہ بیگم سوچ میں ڈوب گئے تھے، ہاشم احمد نے کہا۔ "بات دہی ہوجاتی ہے جو میں نے تم سے کہی۔ کوئی ہرج نہیں ہے اس دور میں چھوٹے بڑے جیسی فضول باتوں کی گنجائش نہیں ہے۔ سب کچھ ہوتا ہے، کوئی بھی لڑکی ٹھکانے لگ جائے کسی کو کیا معلوم کہ باپ کی کمر بیٹیوں کے بوجھ سے کس قدر جھکی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کی قسمت کھول دے، لوگ واقعی اچھے ہیں۔ میں بتا بھی چکا ہوں کہ میں نے اپنے کچھ ہمدردوں اور کچھ شناساؤں سے بات کر کے ان کا پتہ کرایا تھا۔" "وہ تو ٹھیک ہے مگر اب ہوگا کیا؟" "صرف ایک ہی بات ہوسکتی ہے بڑے پیار، بڑی محبت سے پاکیزہ کو اس رشتے کے لئے راضی کیا جائے۔"

☆......☆......☆

مظفر احمد اپنی آگ میں جھلس رہے تھے۔ پاکیزہ کے خلاف کوئی ثبوت تو نہیں رکھتے تھے، لیکن بیٹے کی موت برداشت نہیں کر پا رہے تھے۔ کتنی ہی بار کالج کے پرنسپل سے ملاقات کرچکے تھے۔ طرح طرح کی دھمکیاں دیتے تھے۔ پرنسپل بری طرح عاجز آگئے تھے۔ انہوں نے اپنے طور پر بھی تحقیقات شروع کردی تھیں اور لڑکے لڑکیوں نے انہیں بتایا پاکیزہ ایک وحشیانہ فطرت رکھتی ہے۔ اس دن پکنک پر سب لڑکے اور لڑکیاں شرارتیں کررہے تھے، پاکیزہ کا انٹرویو لیا گیا تو اس نے عجیب و غریب باتیں کیں۔ "مثلاً؟" "اس نے کہا کہ مردوں کو مرد کی شکل میں نظر آنا چاہئے۔ لمبے لمبے بال، کمر کی لچک تو مرد کا شیوہ ہی نہیں ہے۔ گلے میں گٹار ڈال کر پھدکنا کیا مردوں کو زیب دیتا ہے۔ یہ بات سن کر تمام مرد پرجوش ہوگئے تھے اور اس کے بعد پنجہ کشی، رسہ کشی اور اسی طرح کے دوسرے کھیل کھیلے گئے تھے جن میں جھیل میں تیرنا بھی شامل تھا اور یہ پاکیزہ ہی کے ایما پر ہوا تھا۔" پرنسپل صاحب دانتوں میں انگلی دبا کر رہ گئے۔ پھر انہوں نے پوچھا۔ "اور ظفر کو بھی پاکیزہ ہی نے جھیل میں کودنے پر آمادہ کیا تھا؟" "سر میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، ظفر تو ویسے بھی مرنجاں مرنج قسم کا لڑکا تھا وہ بھلا ایسے کاموں میں کیا دلچسپی لیتا، لیکن اچانک ہی پرجوش ہوکر وہ جھیل میں کود گیا تھا۔" "پاکیزہ نے اس سے کیا کہا تھا یہ کسی نے نہیں سنا؟" پرنسپل نے پوچھا۔ "نہیں سر، سنا بالکل نہیں۔" "اور سر وہ اپنے آپ کو واقعی قلوپطرہ، سیفا نجانے کیا کیا کہتی ہے، ہاں جھانسی کی رانی، اولمپیاس، اولمپیاس...... لڑکے لڑکیاں یاد کر کے بتانے لگے۔" "مجھے یوں لگتا ہے، جیسے مظفر احمد کوئی جرم کر ڈالیں گے، میں یہ نہیں چاہتا کہ یہ جرم میرے کالج میں ہو، میرا خیال ہے مجھے پاکیزہ کو کالج سے نکالنا پڑے گا۔" پاکیزہ کو طلب کرلیا گیا۔ پرنسپل صاحب نے بورڈ بٹھا کر میٹنگ کی تھی۔ تمام حقائق سامنے رکھنے کے بعد کالج کے اساتذہ اور ذمے دار لوگوں نے یہی کہا تھا کہ کم از کم کالج کو کسی بدنامی کا نشانہ نہیں بننا چاہئے، چنانچہ پاکیزہ کو طلب کرلیا گیا۔ "مس پاکیزہ! آپ پر الزام ہے کہ آپ نے ظفر کو اکسا کر جھیل میں کودنے پر مجبور کردیا تھا۔ اس کے شواہد اور تحریری بیانات بھی مل گئے ہیں۔ آپ اگر یہ بیانات دیکھنا چاہیں تو ہم آپ کو اس کی اجازت نہیں دیں گے، آپ کو کالج سے نکالا جارہا ہے۔" پاکیزہ نے میٹھی نگاہوں سے پرنسپل کو دیکھا اور بولی۔ "سر صرف ایک عرض کروں گی، کسی نے جو کچھ بھی کہا خدا جانے کیوں کہا۔ میں بھلا کسی کی جان لینے کی جرأت کیسے کرسکتی ہوں اور فرض کیجئے اگر میں نے ظفر سے پانی میں کودنے کے لئے کہہ بھی دیا سر تو تھوڑی سی زبان ہلا دینا کیا کوئی جرم ہوسکتا ہے۔ سر آپ لوگ زیادتی کررہے ہیں، میں جیسا آپ حکم دیں گے ویسا ہی کروں گی۔ ٹھیک ہے جیسا آپ کا حکم۔" "اس کاغذ پر دستخط کردیجئے۔" پرنسپل نے ایک کاغذ اس کی طرف بڑھایا۔ "نہیں سر! یہ میں نہیں کروں گی، جب جا ہی رہی ہوں اس کالج سے تو فضول باتوں میں کیوں پڑوں۔ کیا آپ مجھ سے میرے جرم کی تصدیق چاہتے ہیں۔" "مس پاکیزہ! آپ کو یہ دستخط کرنا ہوں گے۔" "بھول جائیے سر بالکل بھول جائیے۔ آپ کیا میرا خیال ہے کوئی مجھ سے اس کاغذ پر دستخط نہیں کراسکتا، البتہ میں آپ سے تنہائی میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

"کیا کہنا چاہتی ہیں؟" "سر اگر کوئی بات تنہائی میں کہنے کی خواہش ہو تو کیا وہ اتنے لوگوں کے سامنے بتائی جاسکتی ہے۔" پرنسپل نے وہاں موجود تمام افراد کو باہر بھیج دیا۔ پاکیزہ نے کہا۔ "لائیے سر، آپ کا حکم ہے تو میں دستخط کئے دیتی ہوں، آپ نے مجبور کردیا ہے اور ہوتا یہی ہے کہ وہ جنہیں چاہا جائے بڑے بے درد ہوتے ہیں۔" "آپ کیا کہنا چاہتی ہیں مس پاکیزہ؟" "سر آج تک آپ کے سامنے نہ نگاہ اٹھانے کی ہمت ہوئی ہے نہ زبان کھولنے کی۔ لڑکے لڑکیاں صحیح کہتے ہیں۔ میں اپنے آپ کو نہ تو اولمپیاس محسوس کرتی ہوں، نہ سیفا، نہ قلوپطرہ، البتہ سائیکی کا نام سنا ہے آپ نے۔" "یونان کی دیوی، کیوپڈ کی محبوبہ۔" "جی سر۔ سائیکی کی تاریخ آپ کو معلوم ہے؟" "مجھ سے یہ سوال کررہی ہو پاکیزہ۔" "نہیں سر، معذرت چاہتی ہوں، دل کی بات آپ سے کہہ کر جارہی ہوں، سر مجھے کالج چھوڑنے کا افسوس نہیں ہے لیکن آپ سے دور ہوجانے کا دلی دکھ ہوگا۔ میرا مزاج سائیکی جیسا ہے، بس آپ نے کبھی آئینے میں اپنے آپ پر غور نہیں کیا۔ ایک وقار ایک شخصیت ہے آپ کی اور میں جانتی ہوں کہ آپ کیا ہیں اور میں کیا ہوں، سر آپ بھروسہ کرلیجئے میری زندگی کا، مگر سوری سر، سوری......" پاکیزہ نے دونوں ہاتھ چہرے پر رکھے کچھ لمحوں کے بعد سامنے رکھے ہوئے فارم پر دستخط کئے اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ پرنسپل صاحب حیرت سے منہ پھاڑے اسے دیکھتے رہے۔ دستخط کئے ہوئے فارم کو دیکھا۔ پاکیزہ کے الفاظ یاد کئے اچھی خاصی عمر کے مالک تھے لیکن پاکیزہ کے الفاظ، اس کے تاثرات نے ان کے دل میں دھڑکنیں بڑھا دیں، انہوں نے حیرت سے احمقانہ انداز میں چاروں طرف دیکھا اور پھر بولے۔ "یہ یہ یہ...... یہ کیا ہوا؟" پاکیزہ اپنی فطرت کے مطابق ایک دھماکا کر کے آگئی تھی اور پرنسپل صاحب سوچ رہے تھے کہ کیا عجیب بات ہے، پھر انہوں نے خود پر نفرین کی۔ کالج کے بچے بچیاں تو ان کے اپنے بچے ہیں، یہ لڑکی اگر مجھ سے متاثر ہے تو کم از کم میں کوئی احمقانہ بات نہیں سوچ سکتا، ہونہہ...... انہوں نے سر کو جھٹکا لیکن پھر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ وہ کاغذ قلم ہاتھ میں لئے بیٹھے کاغذ پر نجانے کیا گھورتے رہتے ہیں اور بار بار سر کو جھٹکتے ہیں۔ ادھر پاکیزہ اپنے ذہن کو آنے والے مراحل کے لئے طے کرتی ہوئی گھر پہنچی تھی، یہاں اسے ایک خوشی کا لمحہ ملا، ماموں احتشام الدین اور ممانی آئے ہوئے تھے، ماموں سعدیہ بیگم کے بڑے بھائی تھے، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ باپ کی جگہ تھے، بے اولاد تھے اس لئے بہن کے بچوں سے اور خاص طور سے پاکیزہ سے دلی محبت رکھتے تھے اور یہ بھی حقیقت تھی کہ پاکیزہ اگر اس کائنات میں کسی سے مخلص تھی تو وہ صرف ماموں احتشام الدین تھے، ماموں کو دیکھ کر خوشی سے دوڑی اور ان سے لپٹ گئی۔ ممانی اور ماموں نے خوب پیار کیا اور سعدیہ بیگم سے کہنے لگے۔ "یار سعدیہ کبھی ہمت نہیں پڑی کہ تم سے تمہاری بیٹی کو مانگ لوں۔ ہاشم احمد بڑے سخت مزاج آدمی ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس بچی کا پیار ہی مجھے بار بار یہاں کھینچ لاتا ہے۔" "آپ ہی کی ہے بھائی جان، مانگنے کی کیا ضرورت ہے، جب دل چاہے لے جائیں۔" "کیسا کالج چل رہا ہے پاکیزہ بیٹا، چلو یار کچھ دن کے لئے ہمارے ساتھ چلو، چھوڑو کالج والج۔" "ماموں جان مرد کی زبان ایک ہوتی ہے، سوچ لیجئے۔" "کیا مطلب؟" احتشام الدین نے پاکیزہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں کالج چھوڑ دوں تو آپ مجھے لے جائیں گے۔" "نہیں بیٹا۔ پڑھائی تو سب سے اہم چیز ہوتی ہے۔" "بھاگ گئے میدان چھوڑ کر، یہ ہے اس دور کی دنیا لیکن جناب میں کالج چھوڑ آئی ہوں۔" "تعلیم بنیادی حیثیت رکھتی ہے بیٹے، اپنی تعلیم مکمل کرلو۔ باقی ساری باتیں اس کے بعد سوچیں گے۔" "آپ میرے الفاظ کو مذاق سمجھ رہے ہیں شاید۔" "کونسے الفاظ کو۔" "چلئے اس میں تھوڑی سی ترمیم کرلیجئے۔ میں نے کالج نہیں چھوڑا بلکہ کالج نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔" "کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔" "خدا کی قسم سچ کہہ رہی ہوں، مجھے کالج سے نکال دیا گیا ہے۔" اس کے ان الفاظ پر ہاشم احمد چونک پڑے تھے۔ "کیا مطلب......؟" ہاشم احمد نے کہا۔ "ابو وہی صاحب جن کا بیٹا جھیل میں ڈوب کر مر گیا تھا، بڑی ہنگامہ آرائی کررہے ہیں۔ پرنسپل صاحب کو مسلسل دھمکیاں دے رہے تھے۔ آخرکار انہوں نے کچھ لڑکوں سے مل کر پرنسپل صاحب کو یقین دلایا کہ ظفر کو میں نے ہی اکسایا تھا کہ وہ جھیل میں ڈوب مرے۔ چنانچہ پرنسپل صاحب نے مجھے کالج سے نکال دیا۔" ہاشم احمد سکتے میں رہ گئے تھے، ماموں نے کہا۔ "کیا قصہ ہے بھئی، کچھ مجھے بھی تو بتاؤ۔" "یہ وہ قصہ ہے ماموں، جس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے، لیکن سارے الزامات مجھ پر ہی لگائے جاتے ہیں، کوئی مجھے قلوپطرہ کہتا ہے کوئی سیفا اور کوئی اولمپیاس۔" "کیا بکواس ہے۔" احتشام الدین نے کہا۔ "یہ سارے نام تو اچھے کرداروں کے نہیں ہیں۔" "کالج کے پروفیسر سمیت کئی افراد میرے لئے موت کا شکار ہوگئے ہیں، میرا خیال ہے میرا نام تو اب اخبارات میں آجانا چاہئے۔" "بکواس مت کرو، جو کچھ تم کہہ رہی ہو سچ ہے۔" ہاشم احمد نے غضبناک لہجے میں کہا۔ پاکیزہ ہنس پڑی۔ "دیکھئے ماموں جان، ابو کی باتیں، بکواس کئے بغیر میں ان کی بات کا جواب کیسے دوں۔" "جو کچھ تم کہہ رہی وہ سچ ہے پاکیزہ۔" ماموں نے پوچھا۔ "جی ماموں۔" "دونوں کو دیکھ لوں گا۔ کیا سمجھا ہے انہوں نے مجھے۔ وہ پرنسپل کا بچہ بھی......" ہاشم احمد نے طیش سے کہا۔ بعد میں ماموں کے استفسار پر ہاشم احمد نے احتشام الدین کو کل حالات بتائے تو ماموں نے کہا۔ "کچھ اور سوچو ہاشم احمد، لوگ دیوانے ہوتے ہیں، بیٹیوں کا معاملہ بڑا نازک ہوتا ہے۔ اچھا ہو یا برا، رسوائی تو ہوتی ہے۔ کسی اور کالج میں کوشش کرو اس وقت تک پڑھاؤ جب تک کوئی اچھا رشتہ نہ مل جائے۔ اس کے بعد انہیں ان کا گھر دے دو۔" "اس وقت آپ کی آمد میرے لئے بڑی تقویت بخش ہے، احتشام بھائی ایک رشتے کا مسئلہ چل رہا ہے۔" "اچھا، کون لوگ ہیں...... کیا ذات پات ہے۔" "بہت اچھے لوگ ہیں، میں انہیں ہاتھ سے نہیں نکالنا چاہتا۔" ہاشم احمد نے کہا اور پھر انہوں نے احتشام احمد کو پوری تفصیل بتادی۔ احتشام احمد سوچ میں ڈوب گئے تھے۔ ہاشم احمد نے کہا۔ "آپ کو معلوم ہے کہ میں ملازمت پیشہ انسان ہوں۔ یہ حقیقت ہے کہ دو تین واقعات ایسے ہوچکے ہیں جن میں پاکیزہ کی وجہ سے کچھ حادثے ہوئے ہیں۔ ایک سر پھرے پروفیسر جو میری عمر کے تھے پاکیزہ کے امیدوار بن کر گھر تک آگئے تھے اور بعد میں انہوں نے خودکشی کرلی۔ میں خود پریشان تھا اور سوچ رہا تھا کہ اس سے تو بہتر ہے کہ پاکیزہ کو کالج سے اٹھالوں۔ یہ بات میرے حق میں جاتی کہ پاکیزہ کو کالج سے نکال دیا گیا...... اور اب سوچ رہا ہوں کہ عظیم احمد کے گھرانے کا پاکیزہ کے بارے میں اصرار کرنا بھی میرے حق میں بہتر ہے۔"

"ہاں۔ ان حالات میں تو سوچا جاسکتا ہے بلکہ یہ بہتر رہے گا۔ پھر......؟ ان لوگوں سے ہاں کہہ دیں۔" "ایسے ہی کہہ دوں......!" "کیا مطلب......؟" "آپ پاکیزہ کو نہیں جانتے۔" "جانتا ہوں۔" "اس سے پوچھے بغیر ہاں کیسے کہہ دوں۔" "نہیں...... پوچھیں ضرور پوچھیں۔ یہ حق شرعی ہے۔ پوچھ لینا ضروری ہے۔" "آپ بھی موجود ہیں۔ میری مدد ہوجائے گی۔ وہ آپ سے بہت محبت کرتی ہے۔ کچھ حیل و حجت بھی کرے گی تو آپ اسے سنبھال لیں گے۔" "ہاں ہاں کیوں نہیں۔" ماموں نے بڑے اعتماد سے کہا۔ پھر اسی رات دوسری بہت سی باتوں کے بعد ماموں بولے۔ "پاکیزہ، اب تمہارا کیا ارادہ ہے۔ کسی دوسرے کالج میں داخلہ لوگی۔" "میرا خیال ہے ماموں، اس کالج پر کیس کیا جائے۔ مجھے بتایا جائے کہ آخر میں نے کیا کیا ہے۔" "بیٹے یہ کام تم خود تو نہیں کرسکتیں۔" "کرسکتی ہوں ماموں، ابو میری مدد کریں گے۔" "بیٹے ایک ملازمت پیشہ شخص کے پاس کتنا وقت ہوتا ہے، تمہیں خود اس کا اندازہ ہے۔" "مجھے ایک شکایت ہے ماموں۔" "کس سے......؟" "دنیا سے۔ ابو سے۔" "کیا شکایت ہے۔" "ہم لوگوں نے صنف پر ایک چھاپ لگادی ہے۔ صنف نازک صنف قوی۔ خدا کا شکر ہے اس خیال کے بادل چھٹ رہے ہیں، کچھ باہمت خواتین نے مردانہ شعبوں میں آکر اپنے آپ کو منوایا ہے اور یہ تحریک پختہ ہوتی جارہی ہے۔ میرا ابھی مؤقف ہے کہ آپ کم از کم اپنی بیٹیوں کو خود آزمانے کا ایک موقع تو دیں۔ ہوسکتا ہے وہ آپ کی توقع کے برعکس نکلیں۔ میں بھی یہی چاہتی ہوں۔ ابو...... کالج پر کیس کریں یا پھر مجھے فری ہینڈ دیں کہ میں اپنے مستقبل کے لئے لڑوں۔" "بیٹے ہر خاندان کا ایک ماحول ہوتا ہے۔ ہمارے خاندان میں یہ گنجائش کہاں ہے۔" "کچھ کرنے کے لئے فضول قسم کے خول تو توڑنا ہی پڑتے ہیں ماموں!" "ہم ایک اور موضوع پر تم سے بات کرنا چاہتے تھے۔" "کہئے۔" "شاید تمہیں یہ بات معلوم ہو کہ، کچھ لوگ ہمارے ہاں بچیوں کا رشتہ لے کر آئے تھے۔" "جی نہیں، مجھے نہیں معلوم۔" "وہ...... چونکہ کوئی پختہ بات نہیں ہوئی تھی اس لئے تم سے بات کرنے کا موقع نہیں ملا۔ وہ کچھ دن پہلے جب تمہارے کالج میں ایک تقریب تھی۔ تم وہاں سے واپس آئی تھیں تو کچھ مہمان بیٹھے ہوئے تھے۔" سعدیہ بیگم نے کہا۔ "جی جی...... ہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ دو پوپو قسم کے میاں بیوی اور دو چلغوزے۔" "بری بات بیٹے۔ تم ان کا مذاق اڑا رہی ہو۔" ممانی جان نے کہا۔ "جی...... پھر......؟" "وہ رشتے کے لئے آئے تھے۔" "کس کے رشتے کے لئے؟" "جی ہماری تینوں بیٹیوں میں سے کسی ایک کے لئے۔" ماموں بولے۔ "مبارک...... پھر......؟" "انہوں نے تمہیں پسند کیا ہے۔" "ہائے اللہ، سچ......؟" پاکیزہ نے مسخرے پن سے کہا۔ "پھر مذاق......" "میں، پھر کیا کروں، شرماؤں۔ منہ پر ہاتھ رکھ کر دہری ہوجاؤں۔" "دیکھو، تمہارے رشتے کے لئے ہم بھی ان سے ہاں کہہ سکتے تھے لیکن ہاشم احمد کا کہنا ہے کہ وہ شرعی تقاضے پورے کرنا چاہتے ہیں۔ تم سے پوچھے بغیر انہوں نے انہیں جواب نہیں دیا۔" پاکیزہ کسی سوچ میں گم ہوگئی تھی۔ کچھ لمحوں کے بعد اس نے کہا۔ "تو مجھے اب کیا کرنا ہے ماموں۔" "ہمیں جواب دینا ہے، تم خوشی سے اس رشتے کے لئے تیار ہو۔" پاکیزہ نے طنزیہ نظروں سے احتشام الدین کو دیکھا پھر بولی۔ "خدا کی قسم، یہی ہو رہا ہے اس وقت لڑکیوں کے ساتھ۔ شرع کے نام پر شرعی احکامات کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ ان شرعی قوانین کو اپنی آسانیوں کے مطابق ڈھال لیا جاتا ہے کچھ عرصہ قبل تو خیر ان شرعی احکامات کا اس قدر مذاق اڑایا جاتا تھا کہ الامان الحفیظ۔ ایجاب و قبول کی رسم کو ملیامیٹ کر کے رکھ دیا جاتا تھا، لڑکیوں کے پاس بیٹھی کوئی خاتون زبردستی اس کی گردن میں ہاتھ ڈال کر جھکے دیتی تھیں اور کہا جاتا تھا کہ لڑکی گردن ہلا کر 'ہاں' کہہ رہی تھی، قریب بیٹھی کوئی خاتون خود ہی ہاں کہہ دیتیں اور اسے لڑکی کی آواز قرار دیا جاتا تھا، کچھ جگہوں پر اس کے بدن میں چٹکی لے کر یا اس کا ہاتھ مروڑ اس کے منہ سے تکلیف سے نکلی آواز کو اس کے رشتہ قبول کرنے کا اقرار بتادیا جاتا تھا۔" "خدا کی پناہ...... تو چپ ہوگی یا بک بک کئے جائے گی۔ احتشام احمد اس کے اندر تو سو سال پرانی روح ہے۔ اسے یہ معلومات کہاں سے حاصل ہوئیں۔" ماموں نے حیرت سے کہا۔ "کام کی بات کیجئے بھائی صاحب۔ یہ کچھ زیادہ ہی چرب زبان ہوگئی ہے۔" احتشام احمد کو غصہ آنے لگا۔ ماموں بولے۔ "پاکیزہ پلیز۔" "کمال کرتے ہیں آپ...... کیا کہا تھا آپ نے مجھ سے۔ یہی ناکہ کیا میں خوشی سے اس رشتے کے لئے تیار ہوں۔" "ہاں یہی کہا تھا۔" "امی آپ بتائیے جس دن یہ لوگ آئے تھے اور کمرے میں بیٹھے تھے اس دن میں وہاں رکی تھی؟" "نہیں، تم کہاں رکی تھیں۔" سعدیہ بیگم نے بادل ناخواستہ جواب دیا۔ "مجھے بعد میں بھی کبھی بتایا گیا کہ وہ لوگ کس لئے آئے تھے۔ ماموں جان خود فیصلہ کریں، اس کے بعد آپ مجھ سے میری خوشی پوچھ رہے ہیں۔ میں نے تو ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا اور آپ کچھ اجنبی لوگوں کو مجھ پر مسلط کرتے ہوئے پوچھ رہے ہیں کہ کیا میں خوشی سے اس رشتے کے لئے تیار ہوں۔ مجھے تو یہ بھی نہیں پتہ کہ رشتہ ان لڑکوں میں سے کسی سے ہورہا ہے یا ان کے والد صاحب سے۔" سب سناٹے میں رہ گئے تھے۔ جو کچھ وہ کہہ رہی تھی وہ سچ تھا۔ ماموں ہی سنبھلے اور بولے۔ "کیوں ہاشم احمد، کیا کہتے ہو۔" "ہاں، یہ سچ ہے۔" "چلو کوئی بات نہیں۔ ان لوگوں کو بلالو۔ کہہ دو ماموں آئے ہیں، لڑکوں سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔" "وہ لوگ شوق سے آجائیں گے۔" سعدیہ بیگم نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ پاکیزہ بھی ان سے مل لے گی۔ اس کے بعد ہم اس کا فیصلہ سن لیں گے۔" "میں آج ہی اختیاری خالہ کے ہاتھ پیغام بھجواتی ہوں۔" پاکیزہ بالکل مطمئن تھی۔ وہ زندگی کے ہنگاموں کی قائل تھی، آج کا دن بڑی خصوصیت کا حامل تھا۔ بڑی انوکھی تبدیلیاں ہوئی تھیں۔ کالج اچانک چھوٹ گیا تھا۔ کوئی نئی دلچسپی پیدا نہ ہونے تک بوریت تو ہوگی، لیکن کچھ نئے معاملات پیدا کرنے کے لئے وقت بھی مل گیا تھا۔ ماموں بہت پیارے انسان تھے خاص طور سے پاکیزہ اور ان کے درمیان مفاہمت تھی۔ پاکیزہ انہیں آسانی سے اپنا ہم آواز بنا سکتی تھی، لیکن یہ جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ اس میں اپنی پسند کی دلچسپیاں تلاش کرنا چاہتی تھی۔ اس نے ان لوگوں کو طلب کرلیا تھا اور اب سوچ رہی تھی کہ انہیں ان کی اس جرأت کا مزہ کیسے چکھائے۔ نہ جانے کب تک وہ ان لوگوں کے بارے میں سوچتی رہی۔ پھر اس کی ذہنی رو پرنسپل جواد رانا کی طرف مڑ گئی۔ اس سے قبل اس نے پرنسپل کو کبھی غور سے نہیں دیکھا تھا اس وقت اس نے جواد رانا پر غور کیا اور اس کے ہونٹوں پر ایک شریری مسکراہٹ پھیل گئی۔ دوسرا دن اس نے ماموں اور ممانی سے باتیں کرتے گزارا تھا۔ دوپہر کو اس نے اچانک تیاری شروع کردی۔ "کہیں جارہی ہو۔" "ہاں امی ذرا کالج جارہی ہوں۔" "کالج......؟" "جی، نسرین سے مجھے کچھ کام ہے، میری دوست ہے اس سے مل کر ابھی آتی ہوں۔" "ماموں کو ساتھ لے جاؤ۔" "کیوں......" اس نے اتنی ترش نگاہوں سے سعدیہ بیگم کو دیکھا کہ وہ بری طرح بوکھلا گئیں اور بولیں۔ "نہیں، ایسے ہی کہہ رہی ہوں۔" وہ خاموشی سے باہر چل پڑی۔ ہاشم احمد آفس گئے ہوئے تھے۔ ماموں کمرے میں آرام کررہے تھے وہ دوپہر کو سونے کے عادی تھے۔ وہ آرام سے باہر نکل گئی اور پھر ایک آٹو رکشہ نے اسے کالج کے گیٹ پر پہنچا دیا۔ لڑکے لڑکیاں باہر نکل رہے تھے۔ اس کے سیکشن کے لڑکے باہر نکلے تو انہوں نے اسے کالج کے گیٹ کے پاس کھڑے ہوئے دیکھا اور وہ سب اس کے قریب پہنچ گئے۔ ان میں سے ایک لڑکے نے کہا۔ "پاکیزہ...... اچھا ہوا تم آگئیں۔ ہم سب تمہارے گھر آنے کا پروگرام بنا رہے تھے۔" "اس وقت میں...... صرف آپ لوگوں کو دور سے دیکھنے کے لئے آئی تھی، دل بے چین ہورہا تھا۔ بہت دنوں کا ساتھ ہے۔ آپ لوگ...... آپ لوگ۔" پاکیزہ نے کہا اور کچھ لمحوں کے لئے خاموش ہوگئی۔ پھر بولی۔ "خیر...... کون کس کی آگ اوڑھتا ہے۔ لیکن مجھے بتائیے...... میرے ساتھ جو کچھ ہوا، کیا آپ کے خیال میں ٹھیک ہے۔ کیا آپ میں سے کسی نے مجھے ظفر کو دھکا دیتے ہوئے دیکھا تھا۔ کیا آپ نے سنا تھا کہ میں نے اسے جھیل میں کودنے کے لئے کہا۔" "بالکل نہیں پاکیزہ۔ ہم یہ ناانصافی نہیں ہونے دیں گے۔" بہت سے لڑکے لڑکیوں نے پرجوش لہجے میں کہا اور پاکیزہ دل ہی دل میں مسکرانے لگی۔ یہ ہوئی نا بات...... اس نے سوچا۔

(جاری ہے)

تتلی

قسط:4

(ایم اے راحت)

پاکیزہ کے چہرے پر اس وقت کچھ ایسی مظلومیت نظر آرہی تھی کہ خاص طور سے لڑکے اور زیادہ پرجوش ہوگئے، اس نے کہا۔ ''پرنسپل صاحب نے میرے ساتھ ناانصافی کی ہے، اس طرح تو ہرایرے غیرے کی شکایت پر کالج میں کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ کسی بھی بے گناہ کو آسانی سے نقصان پہنچایا جاسکتا ہے۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی، کالج کا کوئی وقار نہ ہوا، ہم لوگوں کا معیار نہ رہا، آپ خود بتائیے، پرنسپل صاحب سے یہ بات پوچھئے کہ اس بات کی کس نے تصدیق کی کہ میں نے ظفر کو جھیل میں کودنے پر اکسایا تھا۔'' ''سب پتہ چل جائے گا پاکیزہ صاحبہ، آپ بالکل فکر نہ کریں، آپ کا کیس ہم نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے، پرنسپل صاحب کو اپنا فیصلہ واپس لینا پڑے گا۔ انہیں جھکنا پڑے گا، وہ سمجھتے کیا ہیں اپنے آپ کو، ارے واہ...... ہم طالب علموں کی تو جیسے کوئی عزت ہی نہ ہوئی، جس کا دل چاہے ہم پر الزام لگا کر نکلوادے اور پھر ان لوگوں کو بھی دیکھ لوں گا، جنہوں نے آپ کی شکایت کی ہے، پتہ لگ جائے گا، ایسی بات نہیں ہے کہ پتہ ہی نہ لگے۔'' پاکیزہ نے ایک کامیاب چال چلی تھی۔ یہاں آتے ہوئے اس کے ذہن میں کچھ اور ہی منصوبہ تھا، اگر لڑکے اسے نہ دیکھ لیتے تو شاید وہ اپنے دوسرے منصوبے پر عمل کرتی۔ وہ اصل میں پرنسپل صاحب سے ملاقات کرنے آئی تھی اور ان پر جال پھینکنا چاہتی تھی لیکن اس سے پہلے یہ لوگ آ گھسے تو اس نے اپنا منصوبہ تبدیل کردیا۔ لڑکوں کی اس یقین دہانی کے بعد کہ کل وہ اس سلسلے میں میٹنگ کریں گے اور اس کے بعد احتجاج کا پروگرام بنایا جائے گا۔ ''مجھے آپ لوگوں پر بھروسہ ہے، آپ جو کچھ کریں گے وہ یقیناً میرے حق میں بہتر ہوگا۔'' پاکیزہ نے اپنائیت سے کہا۔ بڑی قدرتی سی بات ہے، کوئی حسین لڑکی یا کوئی بہت ہی خوبصورت چہرہ اگر دل پھینک نوجوانوں کو کسی کام پر آمادہ کرنے کی کوشش کرے تو اس کام میں اسے کوئی دقت نہیں ہوتی۔ پاکیزہ ایک کامیاب کھیل کھیل کر گھر واپس چل پڑی تھی۔ جو آگ وہ لگا کرگئی تھی دوسرے دن بری طرح بھڑک اٹھی۔ لڑکوں نے کالج آتے ہی ہنگامہ آرائی شروع کردی تھی۔ لڑکیاں بھی اس میں شریک ہوگئی تھیں۔ پرنسپل کے خلاف نعرے لگائے جارہے تھے، وہ کہہ رہے تھے کہ پاکیزہ کو کالج سے نکالنے کا فیصلہ واپس لیا جائے۔ یہ سب جھوٹ ہے، غلط ہے پرنسپل صاحب بتائیں کہ کس نے الزام لگایا ہے کہ پاکیزہ نے ظفر کو جھیل میں کودنے پر مجبور کیا۔ پرنسپل صاحب اپنے کمرے سے باہر نکل آئے اور لڑکوں کی اس ہنگامہ آرائی کو دیکھنے لگے، پھر انہوں نے انہیں اپنے پاس بلایا اور بولے۔ ''کیا کررہے ہیں آپ لوگ؟'' ''سر آپ نے بالکل غلط فیصلہ کیا ہے، پاکیزہ کا مستقبل آپ تباہ نہیں کرسکتے۔'' ''اگر کالج کے مفاد میں، میں کچھ کروں تو آپ مجھے اس طرح روک نہیں سکتے۔'' ''سر پاکیزہ کو واپس بلائیے، اسے باعزت طریقے سے کالج میں دوبارہ داخل ہونے کا موقع دیجئے۔'' ''آپ لوگوں کے کہنے سے، اس ہنگامہ آرائی سے ڈر کر۔'' ''سر آپ نے غلط عمل کیا ہے، وہ کیا ہے جو آپ کو نہیں کرنا چاہئے تھا۔'' ایک بپھرے ہوئے نوجوان نے کہا۔ ''کیا تم صحیح زبان استعمال کررہے ہو؟'' ''ہمیں بتائیے آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ ظفر کو جھیل میں کودنے کے واقعے میں پاکیزہ کا ہاتھ ہے؟'' ''آپ ہی میں سے کچھ لوگوں نے مجھے بتایا ہے، سمجھے آپ؟'' ''کون ہیں وہ؟'' ''وہ دیکھ لیجئے جو ہیں۔'' پرنسپل صاحب نے نجانے کس جوش میں آکر ان لڑکوں کی طرف اشارہ کردیا جو پرنسپل صاحب کے ان الفاظ سے بری طرح گھبرا گئے تھے۔ یہ اسی سیکشن کے لڑکے تھے۔ دوسرے لڑکوں نے انہیں پکڑ لیا اور انہیں مارنا شروع کردیا۔ انہوں نے انہیں مار مار کر کافی زخمی کردیا تو کالج کے عملے کو پولیس طلب کرنا پڑی۔ ہنگامہ آرائی جاری تھی کہ پولیس موبائل پہنچ گئی۔ لڑکے بپھرے ہوئے تھے۔ ان تین لڑکوں کی اچھی خاصی مرمت ہوچکی تھی۔ ان کے سر اور جسم کے مختلف حصوں سے خون بہہ رہا تھا۔ لباس پھٹ گئے تھے۔ مارنے والے اب بھی نہیں رکے تھے کہ پولیس والے انہیں پکڑ کر کھینچتے تو کسی ایک لڑکے نے پولیس والے پر بھی ہاتھ چھوڑ دیا اور بات بہت زیادہ بڑھ گئی۔ وائرلیس پر پولیس کی مزید نفری کو طلب کرلیا گیا اور انہوں نے آتے ہی لاٹھی چارج شروع کردیا۔ پولیس کی اس کارروائی پر کالج کے دوسرے لڑکے بھی بپھر گئے اور اس کے بعد بڑی ہنگامہ آرائی شروع ہوگئی۔ پولیس پر پتھراؤ کیا گیا۔ بہت سے پولیس والے زخمی ہوگئے اور بہت سے لڑکے۔ اس کے بعد ان لڑکوں کو گرفتار کیا گیا۔ کسی نے کوئی کارروائی کرکے ریکارڈ روم میں آگ بھی لگادی اور یہ آگ برق رفتاری سے پھیلنے لگی۔ ہنگامہ اتنا شدید ہوا کہ اس کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ کالج کی عمارت کو کافی حد تک نقصان پہنچ چکا تھا۔ بمشکل تمام اس ہنگامے کو ختم کیا گیا۔ لڑکوں کو ٹرکوں میں بھر بھر کر پولیس ہیڈ کوارٹر لے جایا گیا۔ اخباری رپورٹر بھی اس دوران آگئے تھے اور تفصیلات معلوم کرتے پھر رہے تھے۔ بھلا تفصیلات کہاں چھپتی ہیں اور وہ بھی اخباری رپورٹروں سے چنانچہ پاکیزہ کا نام بھی درمیان میں آگیا۔ اخباری رپورٹروں نے رپورٹیں تیار کیں اور لڑکوں نے پاکیزہ کے بارے میں ساری تفصیلات بتادیں۔ رپورٹروں کے لئے تو ایسی سنسنی خیز خبریں اہمیت کی حامل ہوتی ہیں، چنانچہ ایک طرف اخبارات میں دلچسپ خبریں تیار ہونے لگیں، دوسری طرف متعلقہ تھانے کے انچارج نے اپنے کچھ ماتحتوں کو ہاشم احمد کے پاس بھیج دیا اور انہیں ہدایت کی کہ پاکیزہ کو ساتھ لے کر آئیں تاکہ وہ اپنا بیان درج کراسکے۔ پولیس جب ہاشم احمد کے گھر پہنچی تو ہاشم احمد کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے، سب انسپکٹر نے پاکیزہ کے بارے میں سوال کیا۔ ''کیا مس پاکیزہ یہیں رہتی ہیں؟''

''پ..... پاکیزہ...... ہاں فرمائیے۔'' ''وہ...... ان کی وجہ سے آج کالج میں زبردست ہنگامہ آرائی ہوئی ہے، انچارج صاحب نے مجھے بھیجا ہے کہ مس پاکیزہ کو لے کر تھانے آجائیں۔'' ماموں احتشام الدین نے تیوریاں چڑھا کر کہا۔ ''کون ہے آپ کے تھانے کا انچارج، کیا پاکیزہ کالج کی ہنگامہ آرائی میں شریک تھی؟'' ''یہ میں نہیں جانتا جناب۔'' ''تو پھر.....'' ''انچارج صاحب نے مس پاکیزہ کو تھانے طلب کیا ہے۔'' ''میں بات کرتا ہوں ان سے۔'' ماموں احتشام الدین ایک اہم سیاسی آدمی تھے اور اپنے شہر میں بہت کچھ کرتے رہتے تھے، وہ تین بار الیکشن بھی جیت چکے تھے اور کامیاب ہوئے تھے۔ بڑے زبردست تعلقات تھے ان کے۔ خاص طور سے ایک بہت بڑی سیاسی شخصیت سے ان کا گہرا تعلق تھا۔ یہ سیاسی شخصیت شمشیر احمد خاں کی تھی جو ملکی سیاست میں بہت بڑے حصے دار رہے تھے اور ان کے بارے میں یہ بات طے شدہ تھی کہ وہ جب بھی منظر عام پر آئے انہوں نے فتوحات کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ وزیر رہ چکے تھے اور حکومتوں کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ ان کا سیاسی میدان بھی چمکتا رہا تھا۔ احتشام الدین پر بڑی پیار کی نگاہ رکھتے تھے اور احتشام الدین جانتے تھے کہ ان کا نام منظر عام پر آجائے تو بھلا کس کی مجال ہے کہ وہ عمل کرسکے جو ان کے خلاف ہو۔ انہوں نے سب انسپکٹر سے کہا۔ ''آپ رک جائیے میں آپ کے انچارج سے بات کرتا ہوں، بلکہ آئیے ذرا نمبر ملائیے اپنے تھانے کا۔'' ایس آئی مرعوب ہوگیا تھا۔ ماموں احتشام نے نمبر ملایا اور اس کے بعد ایس ایچ او سے بات کرنے لگے۔ ''جناب میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں، جو لڑکی کالج کے ہنگاموں میں شریک ہی نہیں تھی، آپ اسے کیوں تھانے طلب کرنا چاہتے ہیں؟'' ''صرف بیان لینے کے لئے کیونکہ ہنگامہ انہی کی وجہ سے ہوا ہے۔'' تھانہ انچارج نے جواب دیا۔ ''تو پھر آپ یوں کیجئے کہ یہاں آکر اس کا بیان لے لیجئے۔ میں آپ کو شمشیر احمد خاں صاحب کا حوالہ دے سکتا ہوں، اگر آپ چاہیں تو ان سے بات بھی کرادیتا ہوں آپ کی۔'' ''آپ کون صاحب بول رہے ہیں؟'' ''میرا نام احتشام الدین ہے، کئی بار الیکشن بھی جیت چکا ہوں اور اعلیٰ عہدوں پر رہ چکا ہوں۔'' ''ٹھیک ہے، ہم گھر ہی آکر بیان لے لیں گے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔'' تھانہ انچارج نے شمشیر احمد خان کا نام سن کر کہا اور احتشام الدین صاحب نے ایس آئی کو فون دے دیا۔ ایس آئی مطمئن ہوکر چلا گیا تھا۔ لیکن گھر میں شدید سنسنی پیدا ہوگئی تھی۔

پولیس کا کسی شریف آدمی کے گھر آجانا بڑی دہشت کا سبب ہوتا ہے۔ یہاں بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ رحمانی اور نادیہ بھی کالج سے واپس آگئی تھیں، ان سے وہاں کے حالات کے بارے میں پوچھا گیا تو یہ بات کنفرم ہوگئی کہ پاکیزہ کا وہاں کوئی نام ونشان نہیں تھا۔ لڑکوں نے خود ہی اس کے حق میں نعرے بازی شروع کی تھی۔ پولیس بھرپور تعاون کررہی تھی۔ انسپکٹر نے ملاقات کا فرض پورا کرنا تھا۔ شریف آدمی سادہ لباس میں اپنے عملے کے افراد کے ساتھ آیا تھا اور بڑے اخلاق سے ان لوگوں سے ملا تھا۔ یہ سب بھی بہت متاثر ہوئے تھے۔ ''میرا نام اشرف خان ہے جناب، میں نے خود آپ کو چوہدری شمشیر احمد خاں کے پاس دیکھا ہے۔ ایک بار حویلی میں آپ سے ملاقات ہوئی تھی۔'' تھانہ انچارج نے کہا۔ ''ہاں..... آپ کی شکل بھی مجھے کچھ جانی پہچانی سی لگ رہی ہے۔'' ماموں احتشام نے بلاوجہ کہا۔ ''وہ جناب، ہم تو چوہدری صاحب کی رعیت میں سے ہیں، انہی کی زمینوں پر رہنے والے ہیں، میرے دو بھائی ان کے پاس کام کرتے ہیں۔'' ''بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر، کوئی کام ہو تو مجھے بتائیے۔'' ''آپ نے ہمارے ساتھ بہت مہربانی کی ہے۔'' احتشام نے کہا۔ ''خادم ہیں جناب آپ کے، کام کا بتانا ہے ہمیں، لیکن پہلے آپ کی خدمت کرلیں، بی بی سے بات کرادیجئے۔ ہم بیان لکھ لیتے ہیں۔'' پاکیزہ کو کمرے میں بلالیا گیا اور محرر بیان کا رجسٹر کھول کر قلم لے کر بیٹھ گیا۔ پاکیزہ نے بیان دیا کہ سب لوگ پکنک پر گئے تھے۔ ظفر اس کے پاس کھڑا تھا، اچانک وہ لڑکوں کو دیکھ کر جوش میں آگیا اور جھیل میں کود گیا۔ ''ایسی بات نہیں تھی جو کالج سے ان کو غلط اطلاع دی، یہ میرے ذاتی مخالف لڑکے تھے، جس کے نتیجے میں پرنسپل صاحب نے بغیر کسی تحقیقات کے مجھے کالج سے نکال دیا۔ میرے ساتھی لڑکے پرنسپل صاحب کی اس زیادتی پر مشتعل ہوئے جبکہ میں خود پرنسپل صاحب کے حکم کی تعمیل میں کالج چھوڑ کر گھر آبیٹھی تھی۔'' ''آپ ان لڑکوں کے نام بتائیں۔'' انچارج نے کہا اور پاکیزہ نے ان کے نام بتادیئے۔ ''اوہو..... یہ بڑے زخمی ہیں، خیر ٹھیک ہے اس کے بعد انہیں دیکھ لوں گا۔''

''اس کے علاوہ میں مظفر صاحب کے بارے میں آپ کو کچھ بتانا چاہتا ہوں انچارج صاحب۔'' احتشام احمد نے کہا۔ ''یہ کون بزرگ ہیں؟'' ''متوفی ظفر کے والد۔'' ''جی بتایئے۔'' ''وہ میرے گھر آئے تھے اور مجھے دھمکیاں دے کر گئے تھے کہ وہ ہمیں دیکھ لیں گے۔ انہوں نے میری بیٹی کو اپنے بیٹے کی موت کا ذمے دار قرار دیا تھا۔'' ''وہ بدمعاشوں کو لے کر آئے تھے، یہاں آپ کے گھر.....'' ''جی.....'' ''فوراً پرچہ کرائیے۔ یہ تو سنگین جرم ہے۔'' ''بس میں اسے لئے خاموش ہوگیا کہ غمزدہ انسان ہے، جوان بیٹے کی موت کا غم کھائے ہوئے ہے، غم میں بکواس کررہا ہے۔'' ''دوبارہ کچھ پھر تو نہیں کی؟'' ''نہیں، پھر تو نہیں کی۔'' ''ٹھیک ہے آپ ہمدردی میں خاموش رہنا چاہتے ہیں تو دوسری بات ہے ورنہ میں انہیں بھی ٹھیک کردوں گا۔'' ''اشرف خان صاحب۔ ہاں ایک کام کردیں اگر ممکن ہوسکے۔'' ''حکم کریں جناب۔'' افسر نے کہا۔ ''ہوسکے تو اخبار والوں کا منہ بند کرادیں۔ ہم شریف لوگ ہیں اور بات لڑکی کی ذات کی ہے۔'' ''ہنگامے کی خبریں تو ہوں گی، لوگ انگلیاں اٹھانے لگیں گے۔ جن لوگوں سے میری دوستی ہے ان سے بات کروں گا کہ بی بی کا نام نہ چھاپیں۔ میں کوشش کروں گا۔'' انچارج نے واقعی کوشش بھرپور کی تھی جس کے نتیجے میں اخبار والوں نے پاکیزہ کو صرف 'پ' لکھا تھا لیکن پاکیزہ اس 'پ' کو پڑھ کر بہت برافروختہ ہوئی تھی۔

''خدا غارت کرے ان پردہ پوشوں کو، آپ دیکھئے نا ماموں جان، لکھنا تھا تو پورا نام لکھتے۔'' ''کیوں..... ایسا کیوں چاہتی ہو تم؟'' ''کیوں نہیں، اس طرح نام چھپتا ہے تو بدنامی ہوتی ہے۔'' ''یہی اختلاف ہے مجھے آپ لوگوں سے۔ ہم نئی نسل کے لوگ حقیقتوں کے پجاری ہیں۔ ہر سچ اور جھوٹ کو ہم کھل کر کہنا چاہتے ہیں اور آپ مصلحتوں کے لبادے اوڑھے رہنے کے شوقین ہیں۔ میرا کیا قصور تھا جو میری بدنامی ہوتی۔'' ''تم نہیں سمجھتیں بیٹی۔ لوگ بڑے تنگ نظر ہیں۔ بات کا بتنگڑ بنادینا ان کی ہابی ہوتی ہے۔ خاص طور سے لڑکوں کے والدین۔ اس زمانہ میں کسی کی بیٹی کا رشتہ دینا گویا اس کے پورے خاندان پر احسان ہوتا ہے۔ کل ہی تمہارے رشتے کے سلسلے میں عظیم احمد آرہے ہیں۔ اگر اخبار میں تمہارا نام چھپ جاتا اور وہ لوگ پڑھ لیتے تو پتہ نہیں کیا مین میخ نکالتے۔ تمہارا نام نہ چھپنا تو بہت اچھی بات ہوئی ہے۔'' ''کل وہ لوگ آرہے ہیں؟'' احتشام الدین نے پاکیزہ کے لہجے میں چھپی ہوئی غراہٹ کو محسوس نہیں کیا تھا۔ دوسرے دن صبح ہی سے گھر کی صفائی ہونے لگی تھی۔ اختیاری خالہ پیغام لے کر آگئی تھیں کہ وہ لوگ شام کو پانچ بجے آرہے ہیں، اہتمام کرلیا جائے۔ پاکیزہ کو خاص طور سے گھر پر رہنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ اس کے لئے لباس وغیرہ منتخب کئے گئے تھے۔ پاکیزہ خاموشی سے سب کے احکامات کی تعمیل کررہی تھی۔ بہرحال دن گزر گیا۔ پاکیزہ کو خاصی بریفنگ دی گئی تھی۔ خاص طور سے ممانی جان نے اسے سمجھایا تھا۔ ''دیکھو پاکیزہ انہیں بہت اچھی طرح ان لوگوں سے پیش آنا ہے۔ اب جب یہ بات طے پاگئی ہے کہ تمہارا رشتہ کردیا جائے تو بہتر یہ ہوگا کہ اپنے ماں باپ کی مدد کرو اور ان لوگوں کے دل میں اتر جاؤ۔'' ''آپ بے فکر رہیں ممانی جان! میں اس طرح ان کے دل میں اتروں گی کہ ساری زندگی وہ میرے ہی گیت گاتے رہیں گے۔'' ممانی جان نے مسکرا کر اس کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ ''وہ تو مجھے اپنی بیٹی پر پورا یقین ہے اور پھر ان کی مجال کہ وہ کسی بات پر کوئی اعتراض کرسکیں، دیکھتے ہی تو لٹو ہوگئے ہیں۔ ورنہ اصولی طور پر تو یہ رشتہ رحمانی کے لئے تھا۔'' ممانی جان نے باقی لوگوں کو بھی مطمئن کردیا تھا۔ شام کو پانچ بجے جب عظیم احمد کی خوبصورت کار آکر رکی تو استقبال کرنے والوں میں سبھی شامل تھے۔ رحمانی اور نادیہ بھی تھیں، پاکیزہ بھی تھی، ماموں بھی تھے۔ عظیم احمد بڑے خلوص سے احتشام الدین سے ملے۔ ''آپ تو بڑی معروف سیاسی شخصیت ہیں احتشام صاحب، آج کل کیا ہورہا ہے؟'' ''آیئے تشریف لایئے، آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی ہمیں، یہ بچے......؟'' ''جی ہاں یہ میرا بیٹا شرجیل اور شمیل ہے، بس دو بیٹے ہیں، انہی سے زندگی کی ہر خوشی وابستہ ہے اور اب اپنی ان خوشیوں میں آپ کی شمولیت بھی چاہتے ہیں۔'' عظیم احمد نے کہا۔ ''کیوں نہیں۔ ہم آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔'' ڈرائنگ روم میں داخل ہونے کے بعد سبھی بیٹھ گئے۔ رحمانی، نادیہ اور پاکیزہ ایک صوفے پر تھیں، لیکن بڑا نمایاں فرق تھا تینوں میں۔ شرجیل کئی بار چور نگاہوں سے پاکیزہ کو دیکھ چکا تھا۔ ماموں، ممانی، ہاشم احمد، سعدیہ بیگم بڑی خوشگوار کیفیت میں ایک دوسرے سے بات چیت کررہے تھے۔ ماموں احتشام نے کہا۔ ''بھئی بقیہ گفتگو کا سلسلہ کچھ چائے وغیرہ کے بعد شروع ہوگا۔ جاؤ رحمانی، نادیہ چائے کا انتظام کرو۔'' ''میں بھی جاؤں۔'' پاکیزہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''نہیں بیٹا آپ بیٹھیے۔'' عظیم احمد کی بیگم نے محبت بھرے لہجے میں کہا تو پاکیزہ بیٹھ گئی۔ ''تو آپ کی سیاست کیسی جارہی ہے؟'' ''اصل میں، میں شمشیر احمد خاں صاحب کی پارٹی میں ہوں، اوپر سے جو احکامات ملتے ہیں بس انہی کی تعمیل کرتا ہوں، یہی بات ہے عمر کے اس حصے میں باقاعدہ کسی عہدے کا طلبگار نہیں ہوں، اللہ کا دیا سب کچھ ہے، ہاں خاں صاحب اگر کچھ کہیں تو دوسری بات ہے، آپ کو پتہ ہے کہ الیکشن آنے والے ہیں، خاں صاحب کا متحرک ہونا لازمی امر ہے، ویسے بھی موجودہ حکومت کے کچھ ایسے معاملات چل رہے ہیں جن کی وجہ سے کچھ سیاسی پیچیدگیاں رونما ہونے کا خدشہ ہے۔'' ''ایک بات بتائیے یہ شمشیر احمد خاں کوئی وزارت وغیرہ نہیں لیتے۔'' ''میں سمجھتا ہوں کہ وہ ایسی شخصیت کے مالک ہیں کہ انہیں بہترین عہدے دیئے جاسکتے ہیں، لیکن وہ صرف ایک ہی بار وزیراعلیٰ کے عہدے پر فائز رہے ہیں اور اس کے بعد عہدوں سے بچتے ہی رہے ہیں۔'' احتشام الدین نے فخریہ انداز میں گردن ہلائی اور بولے۔ ''آپ کو ان کے خاندانی پس منظر کا علم ہے، اتنے بڑے زمیندار ہیں کہ ان کی ٹکر کے کم ہی لوگ نکلیں گے۔ زندہ دل اور باذوق آدمی ہیں، زندگی میں بھرپور دلچسپی لیتے ہیں بس یوں سمجھ لیجئے کہ وہ بادشاہ نہیں بلکہ بادشاہ گر ہیں۔'' ''کیا بات ہے شمشیر صاحب کی؟'' ناشتے کا بندوبست کیا گیا۔ آج فیصلہ کن بات ہی ہونی تھی چنانچہ ہاشم احمد نے کافی تکلف کیا تھا۔ ماموں بھی موجود تھے انہوں نے بھی خاطر مدارات کے انتظام میں کافی دلچسپی لی تھی۔ ناشتے کی میز پر عظیم احمد مسلسل کہتے رہے۔ ''بھئی آپ نے زیر بار کردیا ہے، یہ کیا بات ہوئی، اتنا تکلف؟'' ''نہیں بھائی آپ کی محبت ہے، آپ یہاں تشریف لائے۔'' ''کب تک قیام ہے آپ کا یہاں پر؟'' عظیم احمد نے پوچھا۔ ''ہوں ابھی ایک آدھ ہفتے، اس کے بعد ذرا مصروفیت ہوجائے گی، الیکشن کی وجہ سے، چنانچہ آنا مشکل ہوگا، یہ ہماری اکلوتی بہن ہیں، جنہیں اگر ایک دو مہینے نہ دیکھا جائے تو بس یوں سمجھ لیجئے کہ طبیعت پر بوجھ سوار ہوجاتا ہے اور یہ عزیزہ، بس یہ تو ہماری زندگی کی طرح سے ہیں۔ سب کچھ ہیں یہ ہماری۔'' احتشام الدین نے پاکیزہ کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ رحمانی اور نادیہ وغیرہ بھی بیٹھی ہوئی تھیں۔ ناشتے سے فراغت ہوئی تو عظیم صاحب نے کہا۔ ''ہاں بھئی میرا خیال ہے اب کچھ کام کی باتیں ہوجائیں۔'' ''بے شک..... لیکن میں چاہ رہا ہوں کہ دقیانوسیت نہ اختیار کی جائے، بچیوں کے سامنے ہی بات کرلی جائے۔'' ''آپ لوگ مناسب سمجھتے ہیں تو ہمیں کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔'' عظیم احمد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''ہاں بھئی! تھوڑی سی آزادی تو بچیوں کو بھی ہونی چاہئے جو بہت سے گھرانوں میں نہیں ہے۔''

''جی جی۔'' بڑا خوشگوار ماحول تھا۔ شمیل اور شرجیل بھی بہت دلچسپی لے رہے تھے۔ عظیم احمد نے نیازمندی سے کہا۔ ''ہم نے اپنی درخواست آپ تک پہنچادی تھی، وہ اصل میں بس پاکیزہ بیٹی دل کو بھاگئی۔ بچیاں ماشاءاللہ سبھی اچھی ہیں، بہت پیاری ہیں، لیکن اب جب آپ نے اتنا موقع دیا ہے تو یہ کہنے میں عار نہیں ہے کہ شرجیل بھی پاکیزہ کے حق میں ہیں۔ ہم آپ سے یہ درخواست کرنا چاہتے ہیں کہ پاکیزہ بیٹی کے لئے شرجیل کا رشتہ منظور کرلیں، ہم بہت شکرگزار ہوں گے۔'' ''اصل میں بھائی صاحب کچھ ریت رواج ہوتے ہیں، جب بچیوں کی شادی کا سلسلہ آتا ہے تو بڑی سے آغاز ہوتا ہے، بعد میں چھوٹیوں کا نمبر آتا ہے، رحمانی سب سے بڑی بیٹی ہے اور.....'' ''بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ بہن، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ وقت کا یہی تقاضا ہے کہ دقیانوسیت چھوڑ دی جائے۔ اب دیکھئے آپ نے کتنا بڑا قدم اٹھایا ہے، بچیوں کو سامنے بٹھا کر بات ہورہی ہے، کم از کم ہم ان کے خیالات سے بھی واقف ہوسکتے ہیں۔'' ''ہاں وہ تو ٹھیک ہے، ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے، پاکیزہ کو بھی اسی لئے سامنے بٹھایا گیا ہے۔'' ''یہ بہت اچھی بات ہے کہ بچے اور بچیوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا۔ پاکیزہ بیٹے! تمہیں یہاں جس قدر آزادی ملی ہے اس سے کہیں زیادہ آزادی ہمارے گھر میں ہوگی۔ تم بتاؤ کیا ہم لوگ تمہیں قبول ہیں؟'' ''کیا مجھے بات کرنے کی اجازت ہے ماموں صاحب؟'' پاکیزہ نے اپنے گھر والوں سے پوچھنے کے بجائے احتشام الدین سے پوچھا اور وہ چونک پڑے۔ ''ہاں ہاں، ہاشم احمد نے بھی یہ بات قبول کی ہے کہ سامنے بٹھا کر بات کرلی جائے تو پھر جو کچھ تمہارے دل میں ہے میرے خیال میں بولنا زیادہ مناسب ہے۔'' ''یہ شرجیل ہیں۔'' پاکیزہ نے شرجیل کی جانب انگلی اٹھا کر کہا، اس کا لہجہ ہی ان لوگوں کو چونکانے کے لئے کافی تھا، بڑی پختگی اور بڑا عزم تھا اس لہجے میں۔ ''ہاں یہ شرجیل ہے اور یہ شمیل۔'' ''شرجیل صاحب! کیا میری دونوں بہنیں بدشکل ہیں؟'' پاکیزہ نے سوال کیا۔ شرجیل بغلیں جھانکنے لگا پھر آہستہ سے بولا۔ ''نہیں۔'' ''آپ رشتہ کرنے نکلے ہیں یا بھیڑ بکریاں دیکھنے کہ کونسی بھیڑ خوبصورت ہے اور کونسی بدصورت۔ میرے ماں باپ نے آپ کو موجودہ وقت کی الجھن بتائی اور کہا کہ ہمارے معاشرے میں بڑی بیٹی یا بڑے بیٹے سے رشتے کا آغاز ہوتا ہے اور اسی طرح ترتیب سے بیٹے اور بیٹیوں کے رشتے کئے جاتے ہیں۔ کیا آپ کو اس بات کا اندازہ ہے کہ بڑی بہنوں سے پہلے میری شادی ہوگئی تو لوگ میری بہنوں کے بارے میں کیا سوچیں گے۔'' پھر وہ والدین سے مخاطب ہوکر بولی۔ ''عظیم احمد صاحب اور محترمہ آپ کیا مجھے بتانا پسند کریں گے کہ میرے لئے آپ اپنے بیٹے کا رشتہ کیوں چاہتے ہیں؟'' کوئی کیا بتاتا جس طرح گفتگو کا آغاز ہوا تھا اس نے سب کو ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنے پر مجبور کردیا تھا۔ عظیم احمد تو بغلیں جھانکنے کے سوا کچھ نہ کرسکے، صوفیہ بیگم نے بولنے کی کوشش کی۔ ''بیٹی، پسند کی کوئی خاص وجہ تو نہیں ہوتی۔'' ''جھوٹ بول رہی ہیں آپ، وجہ ہوتی ہے۔ خیر..... آپ لوگوں نے میری بہن کو نظرانداز کرکے مجھے پسند کیا۔ آپ کو احساس ہے کہ میری بہن کے دل پر کیا گزری ہوگی، اس نے خود کو کیا سمجھا ہوگا۔ کیا آپ نے اس کا احساس کیا؟'' ''میں نے کہا نا...... یہ تو پسند کی بات ہے۔'' ''جو لوگ کسی کے جذبات، کسی کے احساسات کا خیال نہ رکھیں، کیا ہم انہیں اچھا کہہ سکتے ہیں۔ شرجیل صاحب آپ کی مالی حیثیت کیا ہے؟'' شرجیل اس سوال پر کچھ دیر تو بھونچکا رہا، پھر اٹکتے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''اللہ کا شکر ہے، میرا ذاتی بینک بیلنس ہی پچاس لاکھ ہے۔'' ''صرف.....؟'' ''جی..... جی ہاں اور کاروبار بھی ہے۔'' ''پچاس لاکھ تو اس دور میں کچھ نہیں ہوتے، میں بس یہی جاننا چاہتی تھی کہ آپ میں کونسے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں جن کی بنا پر آپ کی پسند کی کوئی اہمیت ہو، سنئے میں اپنے لئے تو کیا آپ کو اپنی بہن کے لئے بھی ناپسند کرتی ہوں۔ آپ جیسے گھٹیا لوگوں کی میرے گھرانے میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔'' ''جیتی رہو بیٹی، شکریہ ہاشم صاحب۔ یہ سب پری پلاننگ تھا یا صرف صاحبزادی کے خیالات ہیں؟'' عظیم احمد نے ہاشم احمد سے کہا۔ ''پاکیزہ۔ کیا بدتمیزی کررہی ہو، دماغ خراب ہوگیا ہے کیا۔ معافی مانگو ان لوگوں سے۔'' ''دماغ آپ لوگوں کا خراب ہوگیا ہے۔ میری بہن کی توہین کی گئی ہے اور میں ان لوگوں سے تمیز سے بات کروں۔ تھوکتی ہوں میں ان لوگوں پر......'' پاکیزہ تیز تیز قدموں سے باہر نکل گئی۔ اندر سکوت طاری ہوگیا تھا۔ ''اب آپ کہئے اے مغرور حسینہ تیرا غرور نہ توڑا تو شرجیل نام نہیں ہے۔'' شمیل نے شرجیل کے کان میں سرگوشی کی۔ ''یار کمال کی لڑکی ہے۔'' شرجیل آہستہ سے بولا۔ یہ لوگ اس طرح کی باتیں کررہے تھے۔ سعدیہ بیگم کی سٹی گم تھی، ادھر ہاشم احمد غصے سے کانپ رہے تھے، صوفیہ بیگم اور عظیم احمد کی کیفیت کا اندازہ نہیں ہورہا تھا، احتشام الدین اور ان کی مسز تشویش کا شکار تھے۔ عظیم احمد نے کہا۔ ''ہم آپ کے خاندان میں شامل ہونا چاہتے تھے، آپ یقین کریں آپ کی دونوں بڑی بچیاں بھی ہمیں پسند تھیں، بس یہ بچی اچھی لگی تھی لیکن اب ہمیں اجازت دیجئے۔ آپ کے گھر میں ہمارے ساتھ اچھا سلوک نہیں ہوا۔''

''مجھے افسوس ہے۔ کسی جگہ اگر میرے ساتھ بھی ایسا ہوا ہوتا تو میرا بھی یہی ردعمل ہوتا۔ میں آپ سے شرمندہ اور معذرت خواہ ہوں۔'' ''ہونا پڑتا ہے۔ اگر شروع ہی سے اولاد کی صحیح تربیت کرلی جائے تو یہ دن نہیں دیکھنا پڑتا۔'' عظیم احمد نے کہا اور بیوی اور بیٹوں کے ساتھ اٹھ گئے۔ جب وہ چلے گئے تو ہاشم احمد غصے سے آگ بگولا اٹھے، صحن میں جاکر ایک رسی تلاش کی اور پاکیزہ کے کمرے کی طرف چل پڑے۔ ان کا چہرہ انگارہ ہورہا تھا۔ ''ہوش میں آؤ ہاشم احمد، کیا جوان بیٹی پر ہاتھ اٹھاؤ گے۔'' ''ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا، آج اس کے غرور کو ہمیشہ کے لئے خاک میں ملادوں گا، پوری زندگی اذیت میں گزاری ہے اس کی وجہ سے، آج فیصلہ کردوں گا۔'' ''پاگل ہوگئے ہو کیا؟''

''یہی سمجھ لیجئے بھائی صاحب۔ خدا کے لئے اس وقت مجھے معاف کردیجئے۔ آپ نے زیادہ مداخلت کی تو میں آپ کا احترام نہیں کروں گا۔'' ہاشم احمد پاکیزہ کے کمرے کے دروازے پر پہنچ گئے۔ دروازہ مضبوط اور اندر سے بند تھا۔ ہاں اس کے قریب کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی جس سے اندر دیکھا جاسکتا تھا۔ پاکیزہ مصروف تھی۔ وزنی بیڈ، گدا، اندر رکھی ہوئی میز کرسی، غرض کمرے میں جو وزنی چیز تھی وہ دروازے کے سامنے ڈھیر کردی گئی تھی۔ یہ منظر کھڑکی سے دیکھا گیا۔ ہاشم احمد نے پہلے دروازے پر زور آزمائی کی پھر بولے۔ ''پاکیزہ دروازہ کھول۔'' ''سوری پیارے ابو...... زندگی اللہ کی امانت ہے اس کی حفاظت کرنا انسان کا فرض ہے۔'' ''میں کہتا ہوں دروازہ کھول، ورنہ میں اسے توڑ دوں گا۔'' ''میں نے اس کی مضبوطی کا اندازہ لگالیا ہے ابو...... اور پھر آپ اس کے سامنے اشیاء کے انبار دیکھ رہے ہیں، یہ آسانی سے نہیں ٹوٹے گا۔ سوائے اس کے کہ آپ خود کو زخمی کرلیں۔''

''میں تجھے جان سے ماردوں گا۔'' ہاشم احمد دھاڑے۔ ''مجھے پتہ تھا کہ آپ اتنے ہی ناراض ہوجائیں گے۔ چنانچہ میں نے اپنی جان بچانے کے انتظامات کرلئے ہیں۔ کھانے پینے کی جتنی اشیاء لاسکتی تھی لے آئی ہوں پانی کا ذخیرہ بھی کرلیا ہے۔ یہ دیکھئے چائے کے لئے چولہا، پتی اور خشک دودھ، چینی سب جمع کرلیا ہے میں نے، باتھ روم اٹیچ ہے ہی۔'' یہ تمام باتیں سچ تھیں، کھڑکی کے اندر سے دیکھا جاسکتا تھا۔ پاکیزہ نے حد کردی تھی۔ دوسرے لوگوں کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ قہقہے لگائیں یا سنجیدہ رہیں۔ ''اس سے کہو کہ دروازہ کھولے سعدیہ...... ورنہ...... میں خودکشی کرلوں گا۔'' ہاشم احمد نے سعدیہ بیگم سے کہا۔ ''پاکیزہ...... دروازہ کھول دے، کیوں گھر کی بربادی پر تلی ہوئی ہے۔'' ''اے سنگدل ماں، اپنا سہاگ بچانے کے لئے اولاد کو قربان کرنا چاہتی ہو۔ ایسا نہ کرو، ممتا کی تاریخ میں انقلاب آجائے گا......!'' پاکیزہ نے کہا اور اس بار بے اختیار احتشام الدین کی ہنسی نکل گئی۔ انہوں نے ہاشم احمد کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے کہا۔ ''آؤ ہاشم احمد غصے پر قابو پاؤ، تمہیں پتہ ہے کہ غصہ حرام ہوتا ہے۔'' ''ہاتھ چھوڑیئے میرا، میں اسے۔'' ہاشم احمد نے اس زور سے ہاتھ کو جھٹکا دیا کہ احتشام الدین توازن قائم نہ رکھ سکے اور زمین پر گر پڑے۔ اب صورت حال بدل گئی۔ ہاشم احمد بہرحال احتشام الدین کا بے حد احترام کرتے تھے۔ سب لوگ احتشام الدین کی طرف دوڑ پڑے۔ احتشام الدین نے سنبھل کر اٹھتے ہوئے کہا۔ ''اتفاق ہے۔ اتفاق سے میرا پاؤں پھسل گیا۔ میں بالکل ٹھیک ہوں تم آؤ میرے ساتھ۔'' انہوں نے اب بھی ہاشم احمد کا سہارا لیا ہوا تھا۔ ہاشم احمد سخت شرمندہ ہوگئے تھے۔ خاموشی سے وہاں سے چل پڑے۔ کچھ عجیب سی فضا ہوگئی تھی۔ ''مجھے بتایئے احتشام بھائی، میں کیا کروں۔'' ''بس شدت پسند نہ بنو، اخبارات میں خبریں پڑھتے رہتے ہوگے۔ والدین کی ڈانٹ ڈپٹ سے غصے میں آکر خودکشی کرلی۔ یہ سب اسی طرح ہوتا ہے۔'' ''یہ تو بلیک میلنگ ہوگئی۔'' ''ہاں ہے۔ جدید دور میں یہی سب کچھ ہورہا ہے۔ یہ عیش زدہ بچے ماں باپ کے ساتھ یہ سلوک نہ کریں تو کیا کریں۔'' ''میں تو بالکل معتدل رہا ہوں بھائی صاحب۔ ہمیشہ چادر دیکھ کر پاؤں پھیلائے ہیں۔ وہ ہے ہی الگ مزاج، الگ فطرت کی مالک، طرح طرح کی کہانیاں سننے کو ملتی رہی ہیں اس کے بارے میں۔'' ''مثلاً.....؟'' ماموں احتشام بولے۔ ''کیا بتاؤں آپ کو۔ کالج میں جو کچھ ہوا آپ کو پتہ چل گیا ہے، مجھے تو خطرہ ہے کہ کوئی حادثہ نہ ہوجائے اس کی وجہ سے۔'' ''کیسا حادثہ.....؟'' ''بھائی صاحب! مظفر صاحب بیٹے سے محروم ہوگئے ہیں۔ دو اور نوجوان ایک دوسرے سے لڑ مرے ہیں۔ کسی کا دماغ گھوم گیا تو جانے کیا کرڈالے۔'' احتشام الدین سوچ میں ڈوب گئے تھے۔ پھر انہوں نے کہا۔ ''ہاں، صورت حال سنگین تو ہے۔'' ''آپ دیکھ لیجئے اور سنگین ہوتی چلی جائے گی۔ میں تو اب ہر قیمت پر اس کی شادی کردینا چاہتا ہوں۔ ان لوگوں کو تو اس نے ہاتھ سے نکال دیا ہے، کچھ اور کرنا پڑے گا۔'' ''اس کے لئے ایک کام کرنا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ اس سے اس بارے میں پوچھا جائے۔'' ''مذاق میں اڑادے گی۔'' ہاشم احمد بولے۔ ''میں کوشش کروں گا کہ وہ سنجیدگی سے اپنا موقف بتائے۔'' ''ٹھیک ہے آپ کوشش کرلیں۔ میرا خیال ہے کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔'' ''زبردستی بھی تو نہیں کرسکتے، کوئی بھی خطرناک صورت حال ہوسکتی ہے۔ اب یوں کرو، اپنا رویہ بدل لو، ٹھنڈے ہوجاؤ۔'' ''اس نے بڑی توہین کی ہے عظیم احمد کی۔'' ''اپنا موقف بھی تو بیان کیا ہے۔ اس نے کچھ محسوس ہی کیا ہوگا۔ واقعی، ہم انسانوں کو شوکیس میں رکھی ٹائی تو نہیں قرار دے سکتے کہ یہ نہیں وہ پسند آئی، خریدلی۔'' احتشام الدین ہی تھے جنہوں نے پاکیزہ کو دلاسے دے کر کمرے سے باہر نکال لیا تھا۔

''میں تو خیر کسی نہ کسی طرح اپنا دفاع کرہی لوں گی ماموں جان لیکن اگر ابو کی طرف سے کوئی زیادتی ہوئی تو ہمارے، میرا مطلب ہے کہ آپ کے اور میرے درمیان سے اعتماد کا رشتہ ختم ہوجائے گا۔'' ''ٹھیک ہے، زیادہ بقراط بننے کی کوشش مت کرو۔'' ہاشم احمد غصہ ور انسان تھے لیکن انہوں نے خود کو بڑی مشکل سے سنبھالا تھا۔ احتشام الدین کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا اس پر وہ سخت شرمندہ تھے۔ بہرحال پاکیزہ سے سوال کیا گیا۔ ''تم نے کالج چھوڑ دیا ہے، اب کیا کروگی۔'' ''بہت سے کالج ہیں ماموں جان۔'' ''بہت سے دشمن بھی ہیں۔'' ''آپ لوگوں کو ابھی اپنی پاکیزہ کی بہادری کے بارے میں ہی تو معلوم نہیں ہے۔ دوستوں کے درمیان تو سبھی جی لیتے ہیں۔ دشمنوں میں جینا ہی تو زندگی ہے۔'' ''یہ پھر فضول باتیں کررہی ہے بھائی صاحب......'' ہاشم احمد بے قابو ہوکر بولے۔ ''ہاشم احمد تھوڑی دیر خاموش رہوگے۔'' احتشام الدین نے آنکھیں نکال کر کہا۔ ''آپ پوچھئے اس سے، یہ گھر سے کالج گئی اور راستے میں اسے غنڈے مل گئے تو یہ کیا کرے گی؟'' ہاشم احمد نے کہا۔ ''ملنے تو دیجئے ابو، اب پہلے سے کیا بتاؤں، اصل میں ذہین انسان وہی ہوتا ہے جو موقع پر سوچے اور کرڈالے۔'' ''اصل میں ہمارا ارادہ ہے کہ تمہاری شادی کردیں پاکیزہ، صورت حال کچھ ایسی ہوگئی ہے کہ ہمیں تمہاری شادی رحمانی اور نادیہ سے پہلے کرنا ہوگی۔'' ''تو کردیجئے میں کب انکار کررہی ہوں؟'' پاکیزہ کے الفاظ نے ایک بار پھر سب کو حیران کردیا تھا۔ انہوں نے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھیں پھر ماموں احتشام نے کہا۔ ''پاکیزہ! کچھ ایسی صورت حال ہوگئی ہے کہ ہمیں وہ باتیں کرنی پڑرہی ہیں جو نہیں کرنی چاہئیں۔ تم یہ بتاؤ کیا تمہارے اپنے ذہن میں کوئی ایسا شخص ہے جس سے تم شادی کرنا چاہتی ہو؟'' پاکیزہ نے آنکھیں بند کرلیں، اس کے چہرے پر ہلکی ہلکی شرارت کے آثار تھے، کچھ لمحوں تک خاموش رہی اور اس کے بعد بولی۔ ''ہاں، میرے ذہن میں ہے۔'' ہاشم احمد نے بونقوں کی طرح ادھر ادھر دیکھا اور منہ کھول کر خاموش ہوگئے۔ ''میرے ذہن میں ایک ایسا شخص ہے، میں آپ کو بتاؤں کیسا ہے وہ، کسی بہت ہی عالیشان حویلی میں رہنے والا، جس کے چاروں طرف ملازموں کی فوج گردش کرتی ہو، جس گھر میں جاؤں وہاں میرے احکامات ماننے والے ہاتھ باندھے کھڑے ہوں، اعلیٰ سے اعلیٰ درجے کی گاڑیاں میرے انتظار میں دروازہ کھولے موجود ہوں۔ باوردی ڈرائیور میرے ان گاڑیوں کی طرف آنے کا انتظار کررہے ہوں۔ اس حویلی یا گھر میں بہت اعلیٰ درجے کا سوئمنگ پول ہو۔ پارک ہو جس میں سرسبز وشاداب گھاس ہو، سمجھ رہے ہیں نا آپ اور اس گھر کے مالک کی حیثیت سے کوئی بھی بے وقوف میرے سامنے کھڑا ہو، مجھے اس پر اعتراض نہیں ہے۔''

ہاشم احمد نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ ''ہاں، مہارانی پیدا ہوئی ہے نا تو۔'' پاکیزہ نے یہ الفاظ سن کر آنکھیں کھول دیں اور کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ''پیدا نہیں ہوئی ہوں ابو، بننا چاہتی ہوں، ماموں جان آپ میری حفاظت کے ذمے داری لے کر مجھے باہر لائے ہیں، سوچ لیجئے ایک بار اعتماد ٹوٹا تو پھر کبھی قائم نہیں ہوگا۔'' ''آہم...... ہاشم احمد اس کی نہیں ہورہی ہے بھئی۔'' پھر انہوں نے پاکیزہ سے کہا۔ ''تمہارا مطلب ہے کہ کوئی ایسا شخص تمہارے سامنے نہیں ہے۔'' ''اگر آپ یہ سوچ رہے ہیں ماموں جان کہ میں نے کالج کے کسی گدھے سے دل لگایا ہے یا اور کوئی بے وقوف اس لڑکے کے جیسا جو منہ کھول کر اور دانت نکال کر کہہ دیتا ہے کہ جی مجھے رحمانی یا نادیہ نہیں پاکیزہ پسند ہے، ایسا کوئی گدھا میرے ذہن میں جگہ نہیں پاسکتا، میں اپنی زندگی انتہائی خوشگوار حیثیت سے گزارنا چاہتی ہوں، دولت کی ریل پیل چاہتی ہوں۔ کسی ایسے بھاڑ میں جاکر چولہا نہیں جھونکنا چاہتی جہاں مرد صبح کو گھر سے باہر نکلے اور رات کو محنت مزدوری کرکے تھکا ہارا آئے اور مجھ سے دو باتیں کرنے کے بجائے منہ میں کھانا ٹھونسے اور بستر پر لیٹ کر سوجائے۔ میں اپنی ناز برداری چاہتی ہوں، میرا موقف سمجھ لیا آپ نے۔'' ''ان لوگوں نے سمجھا ہو یا نہ سمجھا ہو، میں نے سمجھ لیا ہے اور یہ پیشگوئی کررہا ہوں کہ کسی مذبح خانے میں بکری کی طرح ذبح کردی جائے گی تو، تیرا اور کوئی مستقبل نہیں ہے۔'' ہاشم احمد نے کہا۔ ''دیکھئے ابو آپ خود ہی کتنی بار کہہ چکے ہیں کہ تقدیر کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں۔ ماموں جان نے میرا نظریہ پوچھا، میری خواہش پوچھی میں نے بتادی۔ اب کس کو کیا ملتا ہے یہ تو اللہ ہی جانتا ہے، آپ لوگ ایک بات ذہن نشین کرلیجئے کہ شادی اگر کی تو قاعدے ہی سے کروں گی۔ انتہائی کوشش کروں گی کہ مجھے میرے خوابوں کی تعبیر مل جائے ورنہ میں شادی نہیں کروں گی۔ اگر آپ لوگ واقعی میری شادی کرنا چاہتے ہیں رحمانی اور نادیہ سے پہلے، جیسا کہ آپ نے کہا کہ حالات پیدا ہوگئے ہیں تو آپ میرے لئے وہ شخص تلاش کردیجئے جس کی میں خواہش مند ہوں۔ دوسری شکل میں یہ تصور اپنے ذہن سے نکال دیجئے، یہاں کسی کی دال گلنا مشکل ہے، اوکے۔'' ہاشم احمد نے بعد میں احتشام الدین سے کہا۔ ''بھائی صاحب! یہ میرے بدن کا ناسور ہے، جو کچھ بکواس کررہی ہے، آپ سوچ لیجئے میں جس حیثیت کا آدمی ہوں، کیا اس کی اس خواہش کو پورا کرسکتا ہوں۔'' ''بھئی صورت حال بڑی الجھ گئی ہے، ایک کام کرو اگر مناسب سمجھو۔'' ''خدا کے لئے کوئی فیصلہ کریں، ورنہ اس لڑکی کی وجہ سے اسے تو نہیں مجھے خودکشی کرنا پڑے گی۔ میں ایک سیدھا سادہ ملازمت پیشہ آدمی ہوں، دماغی کام کرتا ہوں، کوئی گڑبڑ ہوجائے گی اس کی وجہ سے، کہیں حساب میں گڑبڑ ہوئی تو میری زندگی جیل میں گزرے گی، عذاب بن چکی ہے یہ میرے لئے۔ اب واقعی عذاب بن چکی ہے۔'' ''اجازت ہو تو میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں، وہاں رکھوں گا، میری بیوی اسے دن رات سمجھائے گی، ماحول بھی تبدیل ہوجائے گا۔'' ''اجازت کی ضرورت ہے بھائی صاحب، یہ تو آپ میری بہت بڑی مشکل حل کریں گے۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ خدا اگر آپ اس کی کھوپڑی میں کوئی صحیح بات بٹھاسکیں تو اس کا رشتہ کرکے اسے دفع کردیجئے، خدا کی قسم مجھے ذرہ برابر اعتراض نہیں ہوگا، کیا سمجھے آپ؟'' ''ہاں دیکھ لیں گے بعد میں سوچیں گے۔ میں اسے اپنے ساتھ چلنے پر راضی کرتا ہوں۔'' احتشام الدین نے کہا۔ پاکیزہ ایک لمحے میں تیار ہوگئی تھی، لیکن سعدیہ بیگم افسردہ ہوگئی تھیں۔ ''میں نے اسے کبھی تنہا کہیں نہیں بھیجا، بھائی جان کے ہاں بھی گئی تو میرے ساتھ ہی گئی اور ساتھ ہی واپس آگئی۔'' ''خدا کے لئے، میرے اوپر رحم کریں آپ، وہ جس قدر سرکش ہوچکی ہے، اس کے بعد دو ہی صورتیں ہیں، میں اس گھر کو چھوڑ کر چیختا ہوا کہیں باہر نکل جاؤں یا پھر آپ جلدی سے اس کے بارے میں فیصلہ کرلیں، دماغ ہوا میں اڑتا رہتا ہے ہر وقت۔ ارے خدا کی پناہ بتائیے کیا نہیں ہوا۔ وہ صاحب آئے دندناتے ہوئے اور اسے اپنے بیٹے کی موت کا ذمے دار قرار دے دیا، مجال ہوسکتی ہے کسی کی کہ کسی کی بیٹی پر یہ الزام لگانے چلا آئے۔ خون خراب ہوجاتے ہیں۔ طیش میں آکر کسی کو ہلاک کردوں تو پھانسی کے تختے پر جانا پڑے گا اور پھر مرنے کے بعد بھی یہ احساس رہے گا کہ اپنی بیٹیوں کی کوئی خدمت نہیں کرسکا۔ بیچاری نادیہ اور رحمانی کا کیا قصور ہے۔ ایسا لگنے لگا ہے جیسے اس گھر میں ان کا تو کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ کان دبائے وقت گزار رہی ہیں۔ کیسے کھیل ہورہے ہیں۔ پولیس گھر تک پہنچ گئی۔ وہ تو اللہ بھلا کرے بھائی صاحب کا، ہم تو مذاق ہی اڑاتے رہے ہیں ان کی سیاست دانی کا کہ جی بڑے سیاست داں بنے پھرتے ہیں مگر تم بتاؤ وہ نہ ہوتے تو کیا ہوتا، کس مشکل کا شکار ہوجاتے ہم لوگ۔ بیٹی تھانے جاتی بیان لکھوانے کے لئے اور پھر یہ بھی ہوسکتا تھا کہ مظفر صاحب کچھ کھلا پلاکر ہمارے خلاف کوئی خطرناک چکر چلوادیتے۔ میں تو بے موت مارا جاتا۔ لوگ انگلیاں اٹھا کر نجانے کیا کیا کہتے۔ ارے بابا اس کو جانے دو، اولاد ہے میری، میں بھی اسے انتہائی چاہتا ہوں مگر جو اولاد زندگی کا روگ بن جائے تم بتاؤ اس کے لئے اللہ سے کیا دعا کی جائے۔'' سعدیہ بیگم کو خود بھی ان تمام چیزوں کا احساس تھا، شوہر بیچارے مرنجاں مرنج، کبھی انہوں نے تھانے کچہری کا منہ نہیں دیکھا، اکاؤنٹس کے شعبے سے متعلق تھے، لیکن اپنا ایک مقام رکھا زندگی میں اور نیک نام ہی کہلائے۔ ایسا آدمی واقعی بچے تو خوشی سے پال سکتا ہے محنت مزدوری کرکے، لیکن باقی جھگڑے اس کے بس کی بات نہیں ہوتے۔ بہرحال پاکیزہ خوشی سے ماموں احتشام کے ساتھ چلنے کو تیار ہوگئی۔ ویسے بھی بڑی ہم آہنگی تھی۔ پھر سب سے بڑی بات یہ کہ ماموں کا اپنے علاقے میں بڑا اچھا مقام تھا۔ جب بھی وہ ماں کے ساتھ ننھیال گئی ایک خوشگوار کیفیت محسوس کی اس نے۔ گھر بھی شہر اور دیہات کا ملا جلا نمونہ تھا۔ سامنے ہی تاحد نگاہ کھیت پھیلے ہوئے تھے جن میں مختلف چیزیں اگائی جاتی تھیں۔ زمینیں وہ بے شک ماموں کی نہیں تھیں لیکن جن کی تھیں وہ ماموں کے آدمیوں میں سے تھے۔ ہر چیز گھر میں آتی تھی۔ سبزی، دودھ، موسم کی چیزیں، ایک الگ سا ماحول تھا جو پاکیزہ کو ہمیشہ پسند آتا تھا۔ تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد مکمل شہری زندگی ملتی تھی۔ آب وہوا بھی بے مثال تھی۔ پھر سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ماموں جان کی اپنی کوئی اولاد نہیں تھی۔ پاکیزہ سے چونکہ بہت زیادہ محبت تھی اس لئے وہاں اس کا راج ہی ہوتا تھا۔ اس بار وہ تنہا ان کے ساتھ آئی تھی اور اپنے آپ پر ایک خوشگوار کیفیت طاری محسوس کرتی تھی۔ کالج سے ایک طرح سے چھٹکارہ مل گیا تھا، یہ بھی اسے برا نہیں لگا تھا، زندگی میں تبدیلیوں سے پیار کرتی تھی۔ یہ انتہائی خوشگوار دن تھے اس کی زندگی کے، وہ کھیتوں میں نکل جاتی اور ہرنی کی طرح چوکڑیاں بھرتی پھرتی۔ ماموں بہت خوش تھے، ابھی تک انہوں نے اس کی تربیت کا آغاز نہیں کیا تھا، البتہ ممانی کے ساتھ مل کر وہ یہ سوچتے تھے کہ واقعی پاکیزہ کے سلسلے میں کوئی اچھا قدم اٹھایا جائے۔ ''میں اسے بڑے اعتماد کے ساتھ یہاں لایا ہوں تو کوئی ایسا ہی کارنامہ کرکے دکھانا چاہتا ہوں جو یادگار رہے۔'' ''مثلاً'' ممانی پوچھتیں۔ ''اب یار مثال کیا دوں۔ بس انسان کے اندر خواہشیں ہوتی ہیں۔ ہوسکتا ہے کبھی میرے اندر کی خواہشیں پوری ہونے کا وقت بھی آجائے۔'' ''خواہشیں کیا ہیں؟'' ''بس یہی کہ اسے یہاں لایا ہوں تو...... اسے کوئی اچھا گھر دے دوں، میرا اس دنیا میں اور کون ہے۔'' یہ کہتے ہوئے احتشام الدین کی آواز بھرا گئی تھی۔ پاکیزہ کو یہ ماحول بے حد پسند آیا تھا، قرب وجوار میں محبت سے گھر تھے جہاں ہر طرح کے لوگ رہتے تھے ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو ان زمینوں پر کام کرتے تھے جو احتشام الدین کے گھر کے کھاتے تھے، ایک طرح سے یہ احتشام الدین کی رعایا تھے۔ ان کے چھوٹے بڑے کام احتشام کراتے رہتے تھے۔ ان لوگوں کی بیٹیاں وغیرہ احتشام کے گھر آتی رہتی تھیں، جن میں سے کچھ پاکیزہ کو پسند آئی تھیں اور وہ ان سے باتیں کیا کرتی تھی، یہاں بھی اس کی انا کو تسکین ملتی تھی کیونکہ یہ لڑکیاں پاکیزہ کو آسمان سے اتری ہوئی کوئی حور سمجھتی تھیں اور اس سے اسی طرح پیش آتی تھیں۔ رحمت بی بی نے ایک دن پاکیزہ کو بڑی عقیدت سے ایک جوڑا پیش کیا۔ یہ خالص دیہاتی طرز کا لہنگا چولی تھا۔ ''بہت خوبصورت ہے، مگر یہ تو بہت مہنگا بنا ہوگا۔'' ''سچ بتاؤں بی بی جان، میں نے خواب میں آپ کو اسی طرح کے جوڑے میں دیکھا تھا۔ میں نے بابا سے ضد کی کہ مجھے ایسا جوڑا بنانا ہے۔ بس اس نے میری مان لی۔'' ''بہت پیارا ہے یہ۔'' پاکیزہ نے کہا۔ ''آپ مجھے اس کی قیمت دے دیں۔'' رحمت بی بی کے ان الفاظ پر پاکیزہ کو حیرانی ہوئی لیکن اس نے جلدی سے کہا۔ ''ہاں ہاں، ٹھیک ہے۔ میں خود تجھ سے یہی پوچھنا چاہتی تھی کہ کتنے پیسے لگ گئے اس میں۔ میں تجھے......'' ''پیسے کی بات نہیں کررہی بی بی جان۔'' ''پھر......؟'' ''ذرا باہر نکل کر دیکھئے، آسمان کالا ہورہا ہے۔'' ''تو پھر......؟'' ''ہم سب نیلم باغ میں جمع ہورہے ہیں، سدو کے کاکا نے درختوں میں جھولے ڈال دیئے ہیں، آپ بی بی جان یہ کپڑے پہن کر ہمارے ساتھ جھولا جھولیں۔ بس یہی اس کی قیمت ہے۔'' پاکیزہ نے حیرانی سے رحمت بی بی کو دیکھا۔ بہت سی فلموں کے سین اس کی آنکھوں میں گھوم گئے۔ وہ ہنس دی پھر بولی۔ ''ٹھیک ہے، کب چلنا ہے۔'' ''بس آپ کو لینے آئی ہوں۔ بہت سی لڑکیاں نیلم باغ پہنچ چکی ہیں، میں آپ کے ساتھ جاؤں گی۔'' ''چل مجھے اس کے پہننے کا طریقہ بتا۔'' پاکیزہ نے کہا اور رحمت کو لے کر اپنے بیڈروم میں آگئی۔ لباس پہن کر وہ خوش خوش باہر آئی ممانی جان کے سامنے پہنچی تو وہ اسے دیکھ کر دنگ رہ گئیں۔ ''ارے یہ کپڑے کہاں سے آئے تمہارے پاس۔'' ''رحمت نے گفٹ کئے ہیں۔'' ''ٹیکہ لگادوں۔ نظر لگ جائے گی۔'' ممانی جان نے کاجل لاکر اس کے رخسار پر تل لگادیا۔ ممانی جان کو بتا کر وہ رحمت کے ساتھ نیلم باغ چل پڑی۔ یہ سب کچھ آئیڈیل تھا۔ کالج کے ماحول سے بالکل مختلف۔ لیکن اس میں بھی اس کی پذیرائی کا پہلو تھا جو اسے مطمئن کرنے کے لئے کافی تھا۔ لڑکیوں کے ساتھ خوب چہلیں رہیں، جھولا جھولا گیا، چھپن چھپائی کھیلی گئی، پھر جب شام جھلکنے لگی تو لڑکیوں نے واپسی کی تیاری شروع کردی۔ ''بہت اچھی جگہ ہے۔ ہم یہاں چاندنی راتوں میں بھی آسکتے ہیں۔'' ''نا بابا نا...... چاندنی میں یہاں روحوں کا بسیرا ہوتا ہے۔'' ''ارے واہ۔ پھر تو میں ضرور آؤں گی۔ میں نے کبھی روحیں نہیں دیکھیں۔'' ''اللہ نہ دکھائے، سایہ ہوجاتا ہے۔'' لڑکیاں واپس چل پڑیں۔ رحمت بی بی اور دوسری لڑکیاں پاکیزہ کو گھر چھوڑنے آئیں۔ پاکیزہ گھر کے گیٹ سے اندر داخل ہوئی تو پورچ میں ایک انتہائی شاندار سجیرو کھڑی نظر آئی جس کے پیچھے والے دروازے کو باوردی ڈرائیور کھولے کھڑا تھا۔ پھر اس سے ایک پروقار شخص نیچے اترا، شارک اسکن سوٹ میں ملبوس ایک شاندار شخص، اس نے گردن گھما کر لڑکیوں کے اس غول کو دیکھا......!

(جاری ہے)

تتلی

(ایم اے راحت)

قسط:5

لڑکیاں تھوڑی سی جھجک گئی تھیں، لیکن پاکیزہ نے گہری نگاہوں سے سفید سوٹ میں ملبوس اس شخص کو دیکھا۔ اس کی عمر پچاس کے لگ بھگ ہوگی۔ ہوسکتا ہے اس سے زیادہ ہو، لیکن اس کی شاندار شخصیت نے عمر کو چھپالیا تھا۔ وہ ایک محویت کے عالم میں ان لڑکیوں کو دیکھ رہا تھا، شاید اس کی نگاہ پاکیزہ پر جم گئی تھی۔ پاکیزہ کے اندر ایسے لمحات میں جو تمکنت پیدا ہوجاتی تھی وہ اس وقت بھی پیدا ہوگئی تھی۔ اس نے نخوت سے اس شخص کو دیکھا اور پھر گردن گھما کر بولی۔ "تم لوگ اندر آؤ گی، آجاؤ، بیٹھو کچھ دیر۔" "نہیں بی بی جان، ابھی کچھ لمحوں میں رات ہوجائے گی، بس اتنے ہی وقت کی اجازت ہے، ورنہ پھر گھر والے ناراض ہوں گے اور پھر کبھی نہیں آنے دیں گے، ہم چلتے ہیں۔" لڑکیاں واپسی کے لئے مڑ گئیں۔ پاکیزہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی اندر کی جانب چل پڑی۔ صدر دروازے پر رک کر اس نے پجیرو سے اترنے والے اس شخص کو دیکھا جو اب بھی وہیں محویت کے عالم میں کھڑا ہوا تھا۔

پاکیزہ اندر داخل ہوگئی۔ راہداری میں جا رہی تھی کہ احتشام الدین نظر آگئے۔ پاکیزہ کو دیکھ کر بڑی محبت سے مسکرائے پھر گردن جھٹک کر بولے۔ "اللہ تجھے ہمیشہ بری نگاہوں سے بچائے، کہو کیسا وقت گزرا؟" "میرا وقت تو جیسا بھی گزرا ماموں جان، مگر باہر شاید آپ کے کچھ بن بلائے مہمان آئے ہیں جن کے بارے میں آپ کو علم نہیں ہے۔ ایک پجیرو باہر کھڑی ہے اور اس سے ایک صاحب سفید سوٹ پہنے نیچے اترے ہیں۔" "ایں......" احتشام الدین چونکے اور پھر بغیر کہے باہر کی جانب بھاگے۔ ادھر سفید سوٹ میں ملبوس شخص بھی دروازے کی طرف بڑھا تھا۔ احتشام الدین اور اس کا سامنا کھلے دروازے میں ہوا تو احتشام الدین کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ "ارے خاں صاحب آپ! اس طرح غریب خانے پر۔" "یار غریبی اور امیری کی بات مت کرو، چلو اندر چلو۔" "تشریف لائیے، تشریف لائیے۔" احتشام الدین نے کہا اور جس شخص کو خاں صاحب کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا، وہ احتشام الدین کے ڈرائنگ روم میں داخل ہوگیا۔ "آپ یقین کیجئے آنکھوں کو یقین نہیں آ رہا۔" "بھائی تمہارے سامنے موجود ہوں۔ اپنی آنکھوں کو یقین دلاؤ۔" خاں صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا اور ایک صوفے پر بیٹھ گئے، پھر بولے۔ "بہت ہی ٹھنڈا پانی پلواؤ۔" "جی جی......" احتشام الدین خود ہی اندر دوڑ گئے تھے۔ ملازموں کے بجائے بیوی سے کہا۔ "پانی پانی...... شمشیر احمد خاں صاحب آئے ہیں۔" "ہمارے ہاں......؟" "ہاں، ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے ہیں، ذرا صاف سے برتنوں میں پانی کا بندوبست کرو۔" "آپ چلیں میں بھیجتی ہوں۔" "نہیں خود لے کر جاؤں گا، میں دنگ رہ گیا ہوں۔ کیسی عجیب بات ہے، بھئی کمال ہے۔" بیوی نے خود اپنے ہاتھوں سے انتہائی خوبصورت واٹر سیٹ میں ٹھنڈا پانی بھرا اور احتشام الدین نرے ہاتھوں میں سنبھالے ڈرائنگ روم میں پہنچ گئے۔ "ارے...... بھئی احتشام الدین شرمندہ کرنا تو کوئی تم سے سیکھے، گھر میں نوکر نہیں ہیں کیا؟" "خاں صاحب آپ کا نوکر ہی پانی لایا ہے۔ میرے لئے تو اس وقت انتہائی خوشگوار لمحات ہیں، آپ اس طرح......" "بیٹھو اور کسی ملازم کو بلاؤ اور کہو عمدہ سی چائے بنائے، ویسے بھابھی کے ہاتھ کی چائے ایک بار پہلے بھی پی چکا ہوں، بہت اچھی چائے بناتی ہیں۔ ان سے کہو کہ چائے کے ساتھ بھی کچھ دیں بھوک لگ رہی ہے۔" احتشام الدین اندر کی طرف بھاگنے لگے تو شمشیر احمد خاں نے کہا۔ "بھئی ملازم کو بلاؤ اور اسے ہدایت کرو۔" احتشام الدین ٹھٹک کر رک گئے تھے۔ پھر انہوں نے اپنے ملازم کو بلایا اور اسے ہدایت دی۔ ملازم ادب سے گردن خم کرکے چلا گیا تھا۔ شمشیر احمد خاں کہنے لگے۔ "اصل میں تمہارے پاس میری آمد ضروری تھی، کچھ ایسی خفیہ اور ضروری باتیں کرنی ہیں تم سے۔" "میں حاضر ہوں۔" "اس بار کچھ ایسے معاملات ہیں جن میں تمہیں میرا ایک فریق بننا پڑے گا۔" "آپ کا فریق اور میں......" "سنتے رہو یار۔ تم یہ بات جانتے ہو کہ مجھے الیکشن میں اپنی پارٹی کا پورا کام کرنا پڑے گا۔" "وہ تو ظاہر ہے۔" "احتشام الدین صاحب نے کہا۔ "اور تمہیں میرے مخالف کا ساتھ دینا پڑے گا۔" "جی؟" حیران نہ ہو، پوری بات سن لو اس کے بعد حیرانی کا جتنا دل چاہے اظہار کرلینا۔" شمشیر احمد خاں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "راؤ افتخار احمد میرے علاقے سے الیکشن میں کھڑے ہو رہے ہیں۔" "جی مجھے معلوم ہے، پرانا فیصلہ بھی تھا۔" "اس کے مدمقابل ایک اور شخص رانا جبار کھڑا ہو رہا ہے۔" "رانا جبار وہ......" "ہاں وہی رانا جبار، اکیلا رانا جبار ہی ہے جو راؤ افتخار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کھڑا ہوسکتا ہے۔ ورنہ کسی اور کی مجال کہاں۔" "آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے سے کیا ہوتا ہے خاں صاحب، بھلا کہاں رانا جبار اور کہاں راؤ افتخار اور پھر ہماری ہماری مخالف پارٹی کا بندہ ہے۔ لیکن راؤ افتخار احمد کے مقابلے میں اسے کامیاب ہونا چاہئے۔" شمشیر احمد خاں کی بات سن کر احتشام الدین کا منہ پھر حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ "ہاں، ایسا ہی ہونا ہے، اب تم کہو؟" "لیکن سر راؤ افتخار احمد تو ہماری پارٹی کے آدمی ہیں اور انہیں ہر سرا قتدار لانا ہماری ذمے داری ہے۔ پارٹی کی حیثیت سے بھی اور......" "کہہ چکے، اب سنو، دیکھو یہ دنیا ہے اور یہ سیاست ہے، راؤ افتخار احمد خود کو بہت آگے کی چیز سمجھ چکا ہے۔ بعض معاملات میں وہ میرے سامنے بھی تن کر کھڑا ہوجاتا ہے اور یہ بات جانتے ہوئے کہ مجھے تنے ہوئے لوگ پسند نہیں ہیں۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس علاقے میں اس کے بغیر پارٹی بالکل ناکارہ ہے۔ لیکن تم یہ سمجھ لو کہ ایسی بات نہیں ہے، ان علاقوں میں صرف شمشیر احمد خاں کی حکومت ہے اور لوگ شمشیر احمد خاں کو بلاوجہ ہی بادشاہ گر نہیں کہتے، رانا جبار الیکشن جیتے گا، راؤ افتخار کو شکست ہوگی، اس کے کئی غلط کام ہیں جن کا نوٹس لے لیا گیا ہے اور اس سلسلے میں اسے شوکاز بھی دیا گیا ہے۔ لیکن کچھ ایسے معاملات ہیں جن کا اسے جواب بھی دینا پسند نہیں کیا، اسے پارٹی سے نکال دیا جائے گا۔ بے شک وہ اپوزیشن کی گود میں جا بیٹھے لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اپنے علاقوں میں اسے بالکل ہی دو کوڑی کا کرکے رکھ دوں گا، رانا جبار جو ہماری پارٹی کا سخت ترین مخالف ہے، میرے اشارے پر اپوزیشن جیتے گا جبکہ اسے بھی اس بات کا پورا پورا یقین ہے کہ راؤ افتخار کے مقابلے میں جیتنے کے دس فیصد چانس بھی نہیں ہیں، لیکن وہ جیتے گا اور پھر جب میں اسے اپنی پارٹی کے حق میں آواز اٹھانے پر مجبور کروں گا تو پارٹی میں میری عزت اور وقعت اور بڑھ جائے گی، ایک مخالف کو آسانی سے اپنی پارٹی میں لے آنا آسان بات نہیں ہوتی، رانا جبار آئے گا، کیا سمجھے۔ اس طرح ایک تیر سے دو شکار ہوجائیں گے۔ اب تم رانا جبار کو پوری طرح سپورٹ کرو گے، تمہارا جو حلقہ عمل ہے وہ تمہاری ہدایت پر کام کرے گا، ان میں سے پانچ افراد کو اصل بات بتا دینا، باقی کو نہیں۔ ان پانچوں کے نام میں تمہیں دیئے دیتا ہوں، یہ پانچوں قابل اعتماد ہیں اور ان کی ذمے داری میں قبول کرتا ہوں، حالانکہ آدمی تمہارے ہیں۔" شمشیر احمد خاں نے کہا۔ احتشام الدین سیاست داں ضرور تھے لیکن بدکردار نہیں تھے، اس طرح کی اٹھا پٹخ انہوں نے کبھی نہیں کی تھی۔ خود بھی کئی بار الیکشن جیتے تھے، اچھے اچھے عہدوں کی انہیں پیشکش کی گئی تھی لیکن وہ صرف الیکشن لڑنے کے شوقین تھے۔ عہدے انہوں نے قبول نہیں کئے تھے، لیکن اس کے باوجود انتہائی عزت اور نیک نامی ان کے حصے میں آئی تھی اور وہ ایک معتبر شخصیت سمجھے جاتے تھے۔ بہرحال یہ جوڑ توڑ تو سیاست کا حصہ ہوتے ہیں، شمشیر احمد خاں انہیں تمام تر قار مولا سمجھاتے رہے اس دوران چائے آگئی تھی۔ چائے کی چسکیاں بھی چل رہی تھیں۔ جب گفتگو ختم ہوگئی تو احتشام الدین نے نیاز مندی سے کہا۔ "کھانے کی تیاری کا کہے دیتا ہوں، آپ کل صبح ہی یہاں سے روانہ ہوں، رات ہوچکی ہے۔" "کہاں کی بات کر رہے ہو دوست، بھلا ہم جیسے معروف لوگوں کو ایک رات بے مقصد گزارنے کی مہلت کہاں ہوتی ہے؟" "مجھے خوشی ہوتی۔" "چلو پھر کبھی خوش ہو لینا، ذرا ان ہنگاموں سے نمٹ لیں، اس کے بعد چار پانچ سال کی آزادی ہوتی ہے۔ اصل میں بات وہی ہے ہمارے بندے، ہماری ضرورت کی جگہیں سنبھالے رہیں، ہمیں کیا ضرورت ان ہنگامہ آرائیوں میں پڑنے کی، ہمارے مہرے لڑتے ہیں بس اتنا ہی کافی ہوتا ہے ہمارے لئے۔ مہرے سمجھتے ہو نا مہرے کون ہوتے ہیں اور بساط کسے کہتے ہیں؟" "سمجھتا ہوں خاں صاحب اور اس بات پر فخر کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے یہ اعتماد بخشا ہوا ہے، اپنے انتہائی ذاتی معاملات تک میں مجھے شریک کرلیتے ہیں۔" "ہر شخص اس قابل نہیں ہوتا، ارے ہاں، ابھی میں آرہا تھا تو سرراہ کچھ بچیوں کا ایک غول یہاں داخل ہو رہا تھا، غالباً برسات منا کر آرہی تھیں کہیں سے، بھیگی بھیگی سی لگ رہی تھیں، انہیں میں سے ایک لڑکی یہاں تمہاری حویلی میں داخل ہوئی اور میرا خیال ہے، جب تک میں اندر آیا تھا وہ یہاں سے باہر نہیں نکلی تھی۔" وہ ابھی تو مجھے آپ کی آمد کی اطلاع دی۔" "اچھا! کیا کہا تھا؟" "بس یہ کہا تھا کہ کوئی مہمان آئے ہوئے ہیں باہر۔" "کون ہے وہ؟ کیا تمہارے کسی مزارعے کی بیٹی؟" "نہیں خاں صاحب وہ میری بھانجی ہے۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اچھا...... تم نے کبھی تذکرہ نہیں کیا، تمہاری بہن کسی دیہات میں رہتی ہیں، کتنی بہنیں ہیں تمہاری؟" "نہیں خاں صاحب میری ایک ہی بہن ہے، اس بچی کو آپ نے دیہاتی لباس میں دیکھا ہوگا بس ساون کا شوق اور پھر مقامی سہیلیوں کا ساتھ وہ تو گریجویشن کرکے آئی ہے، فائنل ایئر کا امتحان دیا ہے اس نے۔" "بھئی کمال ہے، اگر وہ بچی تو بہت خوبصورت لگ رہی ہے، ایک بار پھر دیکھنا چاہتا ہوں میں اسے۔" "میں بلاتا ہوں۔" احتشام الدین نے بڑے خلوص سے کہا اور اس کے بعد خود ہی اندر چلے گئے۔ پاکیزہ ممانی سے چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی۔ آج کا دن اسے بڑا ہی بھایا تھا۔ ساون کے بارے میں وہ کہہ بھی تو کہانیوں، افسانوں اور داستانوں میں ساون کی امنگوں بھری کہانیاں ضرور سنی تھیں، لیکن ان پر اس طرح غور نہیں کیا تھا، یہ نہیں سوچا تھا کہ واقعی ساون اتنا خوبصورت ہوتا ہے، ممانی اسے بتا رہی تھیں کہ ساون سے سینکڑوں داستانیں منسوب ہیں یہ حسین مہینہ ہندی لوک داستانوں میں الگ حیثیت رکھتا ہے، ساون کو بھائی اور بھاوں کو بہن کہا جاتا ہے، بندو لوک داستانوں میں ان بہن بھائیوں کے ملاپ کی بہت سی عجیب کہانیاں بکھری ہوئی ہیں، ساون رخصت ہوتا ہے، بھادوں آتی ہے بہن بھائی خوب گلے ملتے ہیں اور یہ دن موسم کی تاریخ کا سب سے خوبصورت دن ہوتا ہے، بارش کی رم جھم پانی کی جل تھل، پپیہوں کی کوک، باغوں کے جھولے، آسمان پر دوڑتی ہوئی گھٹائیں اور پھر زمین پر پانی کے بلبلے، سینکڑوں داستانیں ان دنوں سے منسوب ہیں۔ یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ احتشام الدین کمرے میں پہنچ گئے۔ "واقعی ماشاء اللہ، حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے میری بیٹی کو بڑا حسن بڑی تمکنت دی ہے، ذرا آؤ تو میرے ساتھ پاکیزہ۔" "کہاں ماموں جان؟" "شمشیر احمد خاں کا تذکرہ کیا تھا میں نے تم سے؟" "ہاں ممانی بتا رہی ہیں کہ وہی آئے ہیں۔" "تم نے انہیں دیکھا بھی تھا پجیرو سے اترتے ہوئے۔" "بالکل دیکھا تھا۔" انہوں نے بھی تمہیں دیکھا تھا، کہہ رہے تھے یہ آسمان سے اتری ہوئی حور کون ہے۔ میں نے کہا ابھی ملاتا ہوں میں آپ کو اس سے، آؤ ذرا میرے ساتھ۔" پاکیزہ بنس کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ یہ اس کا محبوب مشغلہ تھا کہ اس کے حسن کی تعریف کی جائے، اس کے لئے دلوں میں ہوک اور آنکھوں میں اداسی پیدا ہوجائے، ابھی تک وہ اسی دیہاتی لباس میں تھی جو اس کی سہیلیوں نے اسے پیش کیا تھا۔ اس لباس میں وہ ایک بار پھر ڈرائنگ روم میں داخل ہوگئی اور شمشیر احمد خاں رعب حسن سے سنبھل کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ وہ شخصیت تھی جس کے سامنے بڑے بڑے بیٹھنے کی جرأت نہیں کر پاتے تھے۔ لیکن قدرت نے پاکیزہ کو ان سے بھی بڑا بنادیا تھا۔ شمشیر احمد خاں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آئیے، آئیے ہاں احتشام الدین صاحب آپ نے ہمیں ان خاتون کا نام نہیں بتایا۔" "پاکیزہ" احتشام الدین نے کہا۔ "سبحان اللہ...... بیٹھئے مس پاکیزہ جب میں نے آپ کو باہر دیکھا تھا تو میں نے احتشام الدین سے کہا کہ یہ خاتون جو اندر گئی ہیں، کون ہیں، پتہ چلا کہ بھانجی ہیں۔ مجھے تو یقین نہیں آتا، ذرا بلا کر ہم سے ملائیے۔ بھئی کمال ہے، خاص طور سے مس پاکیزہ یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ آپ گریجویٹ ہیں۔" "شکریہ جناب، اگر میں آپ سے کہوں کہ میرے ماموں جان کسی دیوتا کی طرح آپ کی پوجا کرتے ہیں تو غلط نہیں ہوگا، یہ ان کا آدمی آپ کی عقیدت ہے کہ بغیر دیکھے میں آپ سے پوری طرح واقف ہوں، ماموں جان نے اپنی محبت میں بہت پہلے آپ کا تعارف کرا دیا تھا۔" "احتشام الدین میرے لئے بھائیوں سے زیادہ بڑھ کر ہیں، بذات خود یہ بہت اچھے آدمی ہیں، مس پاکیزہ آپ کے کیا مشاغل ہیں؟" "کچھ بھی نہیں، اب ایک طویل عرصے کے لئے ماموں جان کے پاس ہوں۔" "مزید خوشی ہوئی، بھئی احتشام الدین، انہیں ہمارے ہاں کب لا رہے ہیں؟" "جب حکم ہو۔" "یہ بڑے اچھے مہینے چل رہے ہیں، میرا مطلب ہے اگست شروع ہوا ہے، آگے اچھے ہی اچھے موسم ہیں۔ آپ کسی وقت انہیں لے آئیے۔ ہماری زمینوں کی سیر بھی کرلیں گی، بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ ان کے قدم ہماری زمینوں پر پڑے تو ہماری فصلیں شاندار ہو جائیں گی۔" احتشام الدین ہنسنے لگے، پاکیزہ مسکرا کر بولی۔ "کانوں میں نہ کھینچئے شمشیر صاحب، آپ خود اتنے اچھے انسان ہیں کہ دیکھنے والا ایک بار آپ کو دیکھ کر بار بار دیکھنے پر مجبور ہوجاتا ہے، ایسی شخصیتیں، ایسی شاندار پرسنالٹی ہر ایک کو تو نہیں ملتی۔" "شکریہ اچھا تو احتشام صاحب، اب یہ بات آپ کی ڈیوٹی میں بھی شامل ہوگئی کہ آپ بی بی کو ہمارے گھر لائیں گے، ہمیں ذرا پہلے سے اطلاع کر دیجئے تاکہ ہم اپنے آپ کو مصروفیتوں سے باز رکھیں۔" "آپ جب حکم دیں گے ہم حاضر ہوجائیں گے۔" احتشام الدین نے پرمسرت لہجے میں کہا۔ ایک اور خیال ان کے ذہن میں سرائیت کر گیا تھا۔ "دل تو یہ چاہتا ہے کہ ان خاتون سے بہت سی باتیں کی جائیں، اصل میں احتشام صاحب، بات کرنا بھی ایک فن ہوتا ہے، ہم کسی ایسی الہڑ دیہاتی اور معصوم سی لڑکی کا تصور کرتے ہیں جو ایک انتہائی خوبصورت پریوں جیسے لباس میں ملبوس ہمارے سامنے آئے تو ہم اس بات کی توقع رکھتے ہیں کہ وہ ہم سے باتیں ایسی نہیں کرسکے گی جیسا اس کا حسن و جمال ہے، لیکن اگر ہمیں لبوں کی پاکیزگی سے ذہانت کے چشمے پھوٹتے ہوئے نظر آئیں تو ہماری حیرت قدرتی چیز ہے اور ان خاتون میں یہ صفت ہے، چلتے ہیں، آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے پاکیزہ اور یہ خوشی انشاء اللہ تعالیٰ ہمیں محدود نہیں ہوجائے گی، آپ کو ہماری زمینوں پر آنا ہے۔" پاکیزہ نے بڑی ادا کے ساتھ آنکھیں بند کرکے گردن خم کی تھی اور شمشیر احمد خاں کھوئے کھوئے سے باہر نکل گئے تھے۔ پاکیزہ کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی اور پھر یہ مسکراہٹ ایک ہلکی سی کھنک دار ہنسی میں تبدیل ہوگئی، لیکن اس ہنسی کو کوئی غور سے سنتا، اس چہرے کو کوئی غور سے دیکھتا تو سو فیصد اسے یہی اندازہ ہوتا کہ ایک سنہری ناگن نے اپنی دوشاخی زبان باہر نکالی ہے۔ احتشام الدین البتہ نجانے کن احساسات کا شکار ہوگئے تھے۔ اسی رات اپنی بیوی سے کہنے لگے۔ "نگین اگر سچ پوچھو تو اللہ تعالیٰ شکر خورے کو ضرور شکر دیتا ہے، آج ایک ایسی بات ہوئی ہے، جس نے میرے دل و دماغ خوشی سے بھر دیئے ہیں، حالانکہ یہ ایک مفروضہ ہے لیکن کہا جاتا ہے نا کہ تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔"

"خیر تو ہے کیا شمشیر احمد خاں، وزارت دینے کی خوشخبری سنا گئے؟" "توبہ کرو جی توبہ، وزارت اور میں بابا، وہ جو کہتے ہیں نا کیا کہتے ہیں پتہ نہیں، بات اتنی ہے کہ میرے آگے پیچھے کون ہے، نہ کوئی اولاد نہ اور کوئی رشتے ناتے دار، بہن کو بھی اللہ نے بیٹیاں ہی بیٹیاں دی ہیں، رخصت ہوکر اپنے گھروں کو چلی جائیں گی اور پھر سچی بات یہ ہے کہ ماں سے زیادہ چاہے پھاپھا کٹنی کہلائے، میں کتنی ہی محبت کرلوں ان لڑکیوں سے بیٹیاں تو وہ ہاشم احمد ہی کی کہلائیں گی۔ میرا مطلب یہ تھا کہ وزارت کا مجھے کیا کرنا ہے، ویسے ہی میری اپنی مملکت میں بڑی مصروفیت رہتی ہے۔" انہوں نے مسکرا کر بیوی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "اچھا جی اور جیسے ہم کچھ کرتے ہی نہیں ہیں۔" "بابا جو کچھ کرتی ہیں آپ ہی کرتی ہیں، ہم تو بس لگاؤ و لطف کے امیدوار رہتے ہیں۔" "بڑے موڈ میں ہیں بات کیا ہے؟" "یار میں نے کہا نا ایک مفروضہ ہے، وقت سے پہلے زبان کھولنا حماقت، لیکن آپ کے سامنے کوئی ہرج نہیں ہے۔ شمشیر احمد خاں صاحب جو بات کرنے آئے وہ تو بڑی سنسنی خیز تھی، لیکن بہرحال وہ ایک خالص سیاسی معاملہ ہے اور سیاست ہمیشہ سنسنی خیز ہی ہوتی ہے لیکن ایک اور عمل بڑا دلچسپ رہا۔" "بابا کچھ بتائیں تو سہی۔" بیوی نے اس تمہید سے الجھ کر کہا۔ "محترمہ! شمشیر صاحب کو ہماری پاکیزہ بہت پسند آئی ہے۔ مجھ سے کہہ کر گئے ہیں کہ بھئی پاکیزہ کو بھی زمینوں پر لے کر آؤ، اس سے پہلے انہوں نے مجھے تک نہیں بلایا، کسی کام سے جانا ہوا تو دوسری بات ہے۔ شمشیر صاحب کی زمینوں کے بارے میں تو تم جانتی ہی ہو، اپنے علاقے کی خوبصورت اور زرخیز ترین زمینیں ہیں اور پھر ان کے باغات روایتی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایک خاص علاقے میں، انہوں نے یہ سمجھ لو اپنی زمین کو جنت نظیر بنا ڈالا ہے۔" "ارے آپ تو قصیدہ کہنے بیٹھ گئے، اصل بات تو بتایئے۔" "ان کی نگاہ و لطف تو کچھ اور کہانی سنا گئی، بیٹا یاد نہیں ہے تمہیں ان کا احمد یار خاں، نیویارک میں ایک بہت بڑی فیکٹری کا چیف آفیسر ہے۔ حالانکہ یہاں سب کچھ ہے شمشیر صاحب کے پاس، لیکن اپنے بچوں کو انہوں نے ہر طرح کی سیاست سے الگ رکھا ہے۔ احمد یار خاں کی والدہ چونکہ فوت ہوچکی ہیں، وہ مستقل نیویارک میں ہی رہتا ہے اور لازمی بات ہے کہ شمشیر خاں کو اپنے بیٹے کی شادی کی فکر ہوگی اور وہ شایان شان رشتے کی تلاش میں ہوں گے، شایان شان سے مراد یہ ہے کہ ان کے معیار کی کوئی شخصیت اور پاکیزہ کو اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی دولت سے نوازا ہے، آؤ اگر شمشیر صاحب کی اس طرح اس پر نظر ہوجائے تو سمجھ لو میری آرزو پوری ہوجائے، جو میں نے پاکیزہ کے بارے میں سوچا ہے، یعنی یہ کہ ہاشم احمد کو اس کے لئے ایک گھر تلاش کرنے کی اطلاع دوں اور گھر بھی ایسا جسے سن کر ہی لوگوں کے منہ میں پانی آجائے۔" "اللہ کی پناہ...... آپ نے تو شیخ چلی کو بھی مات کردیا۔" "کیوں......؟" "اتنے اونچے اونچے ہوائی قلعے بنا ڈالے۔" "بے وقوف ہو تم...... گھر میں بیٹھ کر روٹی ہانڈی پکاؤ۔ ہماری نگاہ کا پیچھا کہاں کرسکتی ہو۔" "آپ کی نگاہ۔" "تو اور کیا۔ ہوا دیکھی تو ہوائی قلعے بنائے ہیں، آخر دنیا دیکھی ہے۔" "چلئے ٹھیک ہے۔ اللہ آپ کی خواہشوں کو پورا کرے۔"

کچھ وقت گزر گیا۔ احتشام الدین کا دل چاہتا تھا کہ جتنی جلدی ممکن ہو پاکیزہ کو لے کر شمشیر صاحب کی حویلی پہنچ جائیں لیکن کچھ اقدار مانع تھے وہ شمشیر احمد خاں کی دعوت کا انتظار کرتے رہے۔ پھر ان کی طرف سے طلبی ہوئی، یہ الیکشن کے سلسلے میں تھی۔ جب وہ شمشیر گڑھ پہنچے تو راؤ افتخار نے ان کا استقبال کیا۔ "ارے، راؤ صاحب آپ؟" "ہاں...... خان صاحب نے بھیجا ہے۔ آیئے، گاڑی حاضر ہے!" راستے میں راؤ افتخار نے کہا۔ "خاں صاحب کا خیال ہے کہ اب کام شروع کردیا جائے۔ اصل میں اس بار رانا جبار کچھ نئے ہتھکنڈے استعمال کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔" احتشام الدین چونکے، پھر خود کو سنبھال کر بولے۔ "کس طرح کے، کچھ پتہ چلا اس بارے میں؟" "یہی تو نہیں پتہ چل سکا ابھی تک۔" "اطلاع کیسے ملی۔" "بس یوں سمجھ لیجئے کچھ بندے ہیں میرے پاس، جو اس کی مخبری کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ رانا بڑے فخر سے کہتا ہے کہ اس بار راؤ کو تا کوں چنے چبوا دیئے تو رانا نام نہیں۔ ایسی پالیسی تیار کی ہے کہ راؤ بھی زندگی بھر یاد رکھے گا۔" "ہوں...... آخر الیکشن لڑ رہا ہے، کبڈی نہیں کھیل رہا۔" "آپ نے یہ بات خاں صاحب کو بتائی۔" "نہیں۔" "ارے کیوں......؟" "خان صاحب کا مزاج جانتے ہیں آپ۔ میری تشویش کو اپنی توہین سمجھیں گے ناراض ہوجائیں گے، اور وہ ناراض ہوگئے تو سمجھئے لٹیا ڈوب گئی۔" "میں تذکرہ کردوں۔" "جیسا مناسب سمجھیں۔ میں نے بات کان میں ڈال دی ہے۔" "ٹھیک ہے، میں دیکھوں گا۔" شمشیر احمد خاں معمول کے مطابق احتشام الدین سے ملے تھے لیکن احتشام الدین نے صاف محسوس کیا تھا کہ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے خاں صاحب کی نگاہیں ان کے عقب میں اٹھی تھیں، جیسے توقع کر رہے ہوں کہ احتشام الدین کے پیچھے کوئی اور بھی ہوگا اور کوئی اور پاکیزہ کے سوا بھلا کون ہوسکتا تھا، لیکن زیرک آدمی تھے، لمحوں میں خود سنبھل گئے اور مسکراتے ہوئے بولے۔ "آیئے احتشام صاحب، کیسے مزاج ہیں آپ کے، اہل خانہ تو خیریت سے ہیں نا؟" "آپ کی دعاؤں کا سایہ ہے، اللہ کا فضل ہے، سب ٹھیک ٹھاک ہے۔" "یہ راؤ صاحب تو بڑی عقیدت رکھتے ہیں آپ سے، کہتے ہیں کہ احتشام الدین بڑی برکتوں والے انسان ہیں، کسی مسئلے میں ان کی شمولیت ہوجاتی ہے تو سمجھ لیں کہ بیڑا پار ہوجاتا ہے۔" "میں کیا عرض کرسکتا ہوں، یہ ان کی اچھائی ہے کہ معمولی سے لوگوں کو بہت کچھ سمجھ لیتے ہیں۔" "نہیں جناب، آپ کی ذہانت بے مثال ہے، ہم یہ بات جانتے ہیں کہ اگر آپ اقتدار میں آجائیں تو اچھے اچھوں کے کان کتر دیں۔" راؤ افتخار نے کہا اور اس کے بعد الیکشن کے معاملات نمٹانے کے سلسلے میں باتیں ہونے لگیں۔ شمشیر احمد خاں نے کہا۔ "اب تھوڑے دن کے بعد آپ کو رابطہ مہم شروع کردینی ہے، ہم نے کچھ لوگوں کی فہرست بنائی ہے احتشام صاحب، آپ کو ان لوگوں کو آمادہ کرنا ہے کہ الیکشن میں ہمارا ساتھ دیں، ان کے لئے ہم نے کچھ مراعاتی پیکیج بھی تیار کئے ہیں اور یہ بات آپ جانتے ہیں کہ ہم جس سے جو وعدہ کرتے ہیں وہ پورا ضرور کردیتے ہیں، ہمارا پچھلا ریکارڈ بڑا بے داغ ہے۔" "یہ آپ ہم سے کہہ رہے ہیں خاں صاحب، ہم جو آپ کے حکم کے غلام ہیں، ہمارے ہی ذریعے سب کچھ ہوتا ہے۔" "ان لوگوں کی فہرست میں آپ کے حوالے کردوں گا، راؤ افتخار کی خواہش ہے کہ رابطہ مہم پندرہ دن کے بعد شروع کردی جائے۔" "جیسا آپ کا حکم ہو، ویسے اگر یہ مہینہ نکل جاتا تو زیادہ اچھا تھا، سخت مہینہ ہے۔" "یہی میں نے راؤ صاحب سے کہا تھا، راؤ صاحب کہنے لگے کہ جیسا احتشام صاحب کہیں، انہیں یہاں بلا کر ایک میٹنگ کرلی جائے۔" پھر کافی دیر تک یہ باتیں ہوتی رہیں۔ کچھ دیر تک کھانے پینے کا سلسلہ بھی چلا اور اس کے بعد شمشیر احمد خاں نے راؤ افتخار کو بھگانے کا نوٹس دے دیا انہوں نے کہا۔ "ٹھیک ہے راؤ صاحب، میرا خیال ہے تمام امور طے ہوگئے اب آپ آرام کریں، جو جو باتیں ہوئی ہیں ان کی تفصیل اپنے سیکرٹری کو بتائیں، باقی کام احتشام صاحب شروع کردیں گے۔" راؤ افتخار احمد سمجھدار تھے فوراً کھڑے ہوگئے اجازت لی اور سلام دعا کرکے نکل گئے۔ شمشیر احمد خاں نے گھنٹی بجا کر ایک ملازم کو بلایا اور ملازم کے آنے پر بولے۔ "راؤ صاحب کو احترام کے ساتھ باہر گاڑی تک پہنچاؤ۔" "حکم عالی۔" ملازم نے گردن خم کرکے کہا اور باہر نکل گیا۔ "جی احتشام صاحب کہئے کیسی رہی یہ میٹنگ۔" "نہایت مناسب۔" "ویسے خاں صاحب، کچھ لوگ ایسے ہیں جو رانا جبار کی درپردہ راؤ افتخار کے لئے مخبری کرتے ہیں۔" "اچھا کون ہیں وہ۔" "راؤ افتخار سے یہ بات معلوم کرنا ہوگی وہ مجھے بتا رہے تھے۔" احتشام الدین نے راؤ افتخار کی راستے میں کی ہوئی باتیں خاں صاحب کو بتائیں تو انہوں نے کہا۔ "فکر نہ کریں آپ، مجھے پتہ ہے کہ وہ آدمی کون ہیں، وہ اٹھوا لئے جائیں گے اور انہیں میں اپنی ذاتی جیل میں قید کردوں گا، آپ بالکل بے فکر رہیں اور کچھ......" "نہیں بس، محبت آپ کی دعائیں۔" "ارے ہاں اپنی بھانجی کو نہیں لائے آپ، میں تو سوچ رہا تھا کہ آپ انہیں ساتھ ہی لائیں گے۔" "آپ کا حکم ملا کہ میں فوراً پہنچ جاؤں میں نے تعمیل حکم کی اور حاضر ہوگیا، آپ جب حکم دیں دوبارہ حاضر ہوجاؤں۔" "ہاں میں سوچ رہا تھا انہیں اپنی زمینوں کی سیر کراؤں، آجکل موسم بھی بڑا اچھا چل رہا ہے، بادلوں بھرا موسم ہے، ایسا کریں میں گاڑی بھیج دوں گا، آپ لوگ آجائیں، اپنی مسز کو بھی ساتھ لے آئیں کیونکہ اس کے بعد الیکشن کے ہنگامے شروع ہوجائیں گے اور ہم لوگ مصروف ہوجائیں گے۔" "آپ جیسا حکم دیں۔" احتشام الدین واپس آگئے، خوشیاں ساتھ لائے تھے، الیکشن کے ہنگامے تو اپنی جگہ، جو کچھ انہیں کرنا تھا وہ تھوڑا سا الجھانے والا مسئلہ ضرور تھا لیکن مشکل نہ تھا۔ انہوں نے شمشیر احمد خاں کا جو لگاؤ پاکیزہ کی طرف دیکھا تھا وہ ان کے لئے بہت ہی دل خوش کن تھا، آتے ہی بیوی کو خوشخبری سنائی۔ "تیار ہوجاؤ بھئی، ہم بھی طفیلی بن گئے ہیں، شمشیر صاحب نے کہا ہے کہ گاڑی بھیجیں گے، ہم تینوں کو جانا ہے ان کی زمینوں پر۔" "بیٹا تو ہے نہیں یہاں، کیا وہ اتنا ہی سعادت مند ہوگا کہ خاں صاحب جو کہیں گے مان لے گا۔" "نہیں میرا خیال ہے بیرون ملک رہتا ہے، اسے بلائیں گے جب فیصلہ کرلیں گے۔ بہرحال ہمیں اتنی گہرائیوں میں نہیں جانا چاہئے، انہوں نے اس بار بھی بڑی چاہت سے کہا ہے کہ اپنی بھانجی کو لے کر آئیں، بس تیار ہوجاؤ۔" پاکیزہ کو یہ بات بتائی گئی تو پاکیزہ معنی خیز انداز میں مسکرادی، پھر سنبھل کر بولی۔ "آپ جیسا پسند کریں ممانی جان۔ میں تو یہاں آکر بہت خوش ہوں۔ آپ دیکھئے میری کتنی ساری سہیلیاں بن گئی ہیں، وہاں کالج کی لڑکیاں تھیں آفت کی پرکالہ، ایک سے ایک سیانی اور گن والی، یہاں کی سادہ لوح لڑکیاں ہر قسم کے چھل فریب سے پاک۔ بھئی سچی بات ہے مجھے تو یہ سب کچھ بہت پسند ہے۔" "شمشیر صاحب کی زمینیں دیکھو گی تو دنگ رہ جاؤ گی۔ میں نے آج تک سنا ہی سنا ہے، ان کے باغات وغیرہ دیکھے نہیں ہیں لیکن تمہارے ماموں بتاتے ہیں دیکھنے کی چیز ہیں وہ جگہیں، خاں صاحب خود بھی ایک خوش ذوق انسان ہیں۔ ایک سے ایک حسین لباس پہنتے ہیں، حالانکہ عمر رسیدہ ہیں، لیکن سچی بات یہ ہے کہ جوانوں پر بھاری ہیں۔" "کیا بات ہے، ممانی جان، کچھ زیادہ تعریفیں نہیں ہو رہیں شمشیر احمد خاں صاحب کی۔" "مطلب کیا ہے تمہارا۔ تعریفیں ہو رہی ہیں، لیکن اس کی کوئی خاص وجہ تھوڑی ہے۔" ممانی جان نے جلدی سے کہا اور پاکیزہ نے خوب قہقہے لگائے۔ وہ شاندار پجیرو جسے پہلی بار پکنک والے دن پاکیزہ نے احتشام کے گھر کے احاطے میں دیکھا تھا اسے لینے کے لئے آگئی۔ اس شاندار پجیرو میں بیٹھ کر اسے بہت اچھا لگا۔ اتنی خوبصورت گاڑی میں وہ کبھی نہیں بیٹھی تھی، باوردی ڈرائیور گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا اور ممانی جان اور ماموں احتشام کے چہروں پر مسرت کھیل رہی تھی۔ سفر خاصا طویل تھا، ایک دو جگہ ڈرائیور سے گاڑی رکوا کر چائے وغیرہ پی گئی۔ یہ بھی ایک دلچسپ عمل تھا۔ جھونپڑا ہوٹلوں میں سامنے پڑی بینچیں اور چار پائیاں، ان پر بیٹھ کر تازہ بنی ہوئی دودھ پتی کا مزہ ہی کچھ اور تھا۔ اس طرح یہ سفر ختم ہوا۔

جہاں سے شمشیر احمد خاں کی زمینیں شروع ہوتی تھیں وہاں ان کے نام کے بورڈ لگے ہوئے تھے اور احتشام الدین بیوی اور بھانجی کو بتاتے جا رہے تھے کہ دیکھو ان زمینوں کی شان ہی نرالی ہے۔ پھر ایک چھوٹا باغ نظر آیا، جس میں امرود اور ناشپاتیاں لگی ہوئی تھیں، خاں صاحب کی پجیرو کو بھلا کون نہیں پہچانتا تھا، پاکیزہ کی فرمائش پر گاڑی باغ میں داخل کردی گئی اور سارے محافظ دوڑ پڑے۔ پاکیزہ کو تازہ تازہ امرود توڑ کر پیش کئے گئے اور پاکیزہ نے کچے پکے امرود بڑے شوق سے کھائے۔ پھر جب یہ لوگ یہاں سے آگے بڑھے تو پاکیزہ نے کہا۔ "حقیقت یہ ہے کہ اس زندگی کی کوئی مثال ہی نہیں ہے، انسان کتنا ہی مصنوعی ہوجائے اور اپنے آپ کو دنیا بھر کی آسائشوں سے مالا مال کرلے لیکن باغ کی کچی زمین پر کھڑے ہوکر اوپر سے توڑا ہوا امرود کھانے کا مزہ ہی اور ہے۔ کافی دیر تک پاکیزہ اس ماحول سے لطف اندوز ہوتی رہی۔ پھر اس کے بعد پجیرو وہاں سے آگے بڑھ گئی اور آخر کار سفر ختم ہوگیا۔ یہ دیکھ کر احتشام الدین خوشی سے باغ باغ ہوگئے کہ خود شمشیر احمد خاں ان لوگوں کے استقبال کے لئے موجود تھے اور انہوں نے بڑے پرمحبت انداز میں سب کو خوش آمدید کہا۔ اس وقت وہ سلک کا ایک خوبصورت شلوار قمیص سوٹ پہنے ہوئے تھے۔ شخصیت تو ویسے ہی شاندار تھی۔ کچھ ایسا بناؤ سنگھار کیا تھا انہوں نے اس وقت کہ بہت ہی اعلیٰ لگ رہے تھے۔ بہرحال سب کو حویلی میں لے گئے اور یہاں موجود لوگوں سے تعارف کرانے لگے، ان میں ان کی تیسری بیگم جہاں آراء بھی تھیں، جنہوں نے بڑے محبت بھرے انداز میں احتشام الدین کی بیگم اور پاکیزہ کا استقبال کیا تھا۔ "یہ تو بہت خوبصورت ہیں، کیا نام ہے ان کا؟" جہاں آراء نے پاکیزہ کو پیار سے اپنے قریب کرتے ہوئے کہا۔ "پاکیزہ۔" "واقعی، پاکیزہ اور نایاب، آئیے آپ لوگ۔" بڑا اہتمام کیا گیا تھا ان لوگوں کے اعزاز میں۔ دو لوگ کافی محبت بھرا سلوک کر رہے تھے ان کے ساتھ۔ پھر دوسری تفریحات کا آغاز ہوگیا۔ خاں صاحب نے باقاعدہ پروگرام ترتیب دیئے تھے اور خود ان لوگوں کے ساتھ ساتھ پھر رہے تھے۔ پھر اس دن انہوں نے کہا۔ "پاکیزہ! آپ نے اب تک اپنی کسی خواہش کا اظہار نہیں کیا، میں چاہتا ہوں کہ آپ یہاں ایک یادگار وقت گزاریں، بس میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کو بہت زیادہ خوش کرکے یہاں سے بھیجوں۔" "میں تو آپ کی نظر عنایت ہی سے بہت زیادہ خوش ہوں خاں صاحب، کتنا بڑا اعزاز دیا ہے آپ نے ہمیں۔" "نہیں پاکیزہ ایسی بات نہیں ہے، آپ اس کی قائل ہوں یا نہ ہوں میں اس بات کو دل سے مانتا ہوں کہ انسان اپنی شخصیت کے مطابق اپنی جگہ خود بنالیتا ہے۔ شاید آپ میری بات پر یقین کریں کہ آپ کی جگہ تو اسی وقت بن گئی تھی جب آپ دیہاتی لباس میں مجھے پہلی بار نظر آئی تھیں۔ خیر چھوڑیئے، میں آپ کو اپنی زمینوں کی سیر کرانا چاہتا ہوں۔" "میں خوشی سے آپ کی یہ پیشکش قبول کرتی ہوں۔" خاں صاحب شاید کچھ اور کہنا چاہتے تھے، لیکن ایسا لگتا تھا جیسے ہمت نہ کر پا رہے ہوں، پاکیزہ مسکراتی رہی تھی۔ خاں صاحب نے احتشام الدین سے کہا۔ "آپ ایسا کریں کہ نیاز علی کے پاس چلے جائیں، نیاز علی اس وقت آپ کی ضرورت محسوس کر رہا ہے، آپ سمجھ رہے ہیں نا میری بات؟" "جی خاں صاحب، آپ مجھے بتایئے کیا کہنا ہے اس سے؟" "کہنا سننا کچھ نہیں ہے، ہم اپنے پروگرام پر بتدریج عمل کرنا چاہتے ہیں، آپ نیاز علی کو پوری بریفنگ دے دیں اور اس سے کہہ دیں کہ بس وقت آگیا ہے اپنے کام کا آغاز کردے۔" "بہت مناسب۔" "پجیرو لے جایئے، میں دوسری گاڑی استعمال کروں گا۔" "جیسا آپ کا حکم ہو۔" احتشام الدین نے بیگم سے کہا کہ وہ خاں صاحب کے ضروری کام سے جا رہے ہیں۔ یہاں تھوڑا سا وقت آرام سے گزاریں۔ کسی چیز کی پروانہ کریں۔ ادھر جہاں آراء بیگم بڑی محبت اور خوشدلی سے مہمانوں کو انٹینڈ کر رہی تھیں، احتشام الدین چلے گئے تو شمشیر احمد خاں نے بیوی اور احتشام الدین کی بیگم کے سامنے کہا۔ "پاکیزہ! آپ سات بجے تیار ہوجانا، ہم لوگ زمینوں پر چل رہے ہیں۔" پاکیزہ نے چونک کر دیکھا تو خاں صاحب نے کہا۔ "اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو...... اصل میں احتشام الدین تو مصروف ہوگئے ہیں، میں نے البتہ تھوڑا سا وقت نکال لیا ہے اور جہاں آراء آپ بھابھی صاحبہ کو کسی قسم کی کوئی پریشانی یا تکلیف نہ ہونے دیں۔" جہاں آراء نے گہری نگاہوں سے شوہر کو دیکھا، غالباً پہلی بار یہ احساس ہوا کہ یہ ذرا معیوب سی بات ہے، زمینوں پر جانا ہی تھا تو تینوں خواتین کو ایک ساتھ لے جایا جاتا۔ پاکیزہ کو تنہا ساتھ چلنے کی پیشکش عجیب ہی بات تھی۔ ادھر پاکیزہ نے خوشدلی سے یہ پیشکش قبول کرلی تھی، خاں صاحب جو بات چاہیں بھلا اس میں ترمیم کی گنجائش کہاں نکلتی ہے، چنانچہ تیاریاں مکمل ہوگئیں اور خاں صاحب اپنی ایک اور شاندار پجیرو میں پاکیزہ کو لے کر اپنی عظیم الشان زمینوں پر چل پڑے۔ موسم تو تھا ہی حسین، گھر سے باہر نکلے ہی تھے کہ رم جھم شروع ہوگئی۔ اول تو اس قیمتی اور شاندار گاڑی میں بیٹھ کر ہی پاکیزہ کو بہت لطف آ رہا تھا لیکن خاں صاحب کی قربت نے نجانے اس کے ذہن میں کیسے کیسے احساسات جگا دیئے تھے اور وہ بہت زیادہ مسرور تھی اور اپنی اس خوشی کا اظہار بھرپور طریقے سے کر رہی تھی۔ زمینوں پر بہت دور تک آنے کے بعد خاں صاحب نے پاکیزہ سے کہا۔ "پیچھے ہمارے محافظ چلے آ رہے ہیں، یہاں اس علاقے میں شکار ملتا ہے، لیکن میرا خیال ہے تم شکار پسند نہیں کرتی ہوگی۔" "کیوں؟" پاکیزہ نے کہا۔ "بھئی نرم و نازک مزاج کی لڑکیاں اور پھر خاص طور سے تم جیسی خوبصورت لڑکیاں بھلا جانوروں کا بہتا ہوا خون کہاں پسند کرتی ہیں۔" "نہیں جناب ایسی بات نہیں ہے، آپ مجھے عام لڑکیوں میں شمار نہ کریں۔ میں نے بے شک کبھی بندوق نہیں چلائی، لیکن اگر آپ شکار کریں گے تو مجھے اچھا لگے گا۔" "ارے واہ، ہم ذوق ہو تو ایسا، پاکیزہ آپ تو اپنی ہر ادا کے ساتھ میرے دل میں اترتی جا رہی ہیں۔" "کاش! میں آپ کے دل کی گہرائیوں کے آخری حصے تک پہنچ سکوں۔" پاکیزہ کے اس جملے نے سارے مدارج طے کرادیئے۔ خاں صاحب جیسی شخصیت ان جملوں کے سحر میں کھو گئی تھی۔ خاں صاحب اسے لے کر عظیم باغ پہنچ گئے۔ یہ عظیم باغ ایک روایتی حیثیت رکھتا تھا اور یہاں پھلوں کے انبار لگے ہوئے تھے، خاں صاحب نے پہلے ہی تمام انتظامات کر رکھے تھے، اور پھر آس پاس کی زمینوں پر شکار کھیلا گیا۔ درختوں پر جھولے لٹکا دیئے گئے اور پاکیزہ خاں صاحب کے ساتھ خوب سیر و سیاحت کرتی رہی۔ خاں صاحب کو احتشام الدین کے بارے میں پتہ تھا کہ کم از کم وہ دو دن رکیں گے۔ کام ہی ایسا منتخب کیا تھا انہوں نے کہ احتشام الدین کو خاصا وقت لگ جائے۔ البتہ خاں صاحب نے کسی ہلکے پن کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ ایک سمت تو خاں صاحب اپنی دانست میں شکار پر جال ڈال رہے تھے اور دوسری طرف پاکیزہ خاں صاحب کو اس طرح شیشے میں اتار رہی تھی کہ اب اگر وہ خود بھی بھاگنے کی کوشش کریں تو ان کے لئے راہ فرار ممکن نہ ہو، البتہ جہاں آراء بیگم ان دونوں میں کافی تشویش کا شکار ہوگئی تھیں۔ شوہر کے مزاج اور عادت سے واقف تھیں، خود بھی خاں صاحب کی تیسری بیگم تھیں۔ خاں صاحب کی حسن پرستی کو اچھی طرح جانتی اور سمجھتی تھیں اور انہیں ایک نگاہ میں ہی خدشہ لاحق ہوگیا تھا کہ کہیں پاکیزہ ان کے لئے کوئی خطرناک کردار نہ بن جائے۔ بہرحال دو دن تک زمینوں کی یادگار سیر اور خاں صاحب کی قربت کے بعد پاکیزہ ان کے گھر واپس آگئی۔ جہاں آراء بیگم کی گہری نگاہوں نے اس کا جائزہ لیا۔ احتشام الدین کی بیگم بہت زیادہ ذہین نہیں تھیں، احتشام الدین نے جو الفاظ ان سے کہے تھے وہ انہی کی روشنی میں سب کچھ دیکھ رہی تھیں اور سو فیصد ان کا یہی خیال تھا کہ خاں صاحب نے پاکیزہ کو اپنی بہو بنانے کے لئے پسند کیا ہے۔ جہاں آراء بیگم نے کسی طرح کے خدشے کا کوئی اظہار نہیں ہونے دیا تھا بلکہ احتشام الدین کی بیگم سے وہ بہت اچھی طرح پیش آئی تھیں۔ بہرحال یہ لوگ یہاں سے سرشار اور خوش و خرم واپس لوٹے، خاں صاحب نے خصوصی توجہ کے ساتھ پاکیزہ کو رخصت کیا تھا اور رخصت کرتے وقت احتشام الدین سے کہا تھا۔ "احتشام الدین! اس وقت تو بس یوں سمجھ لو کہ ایک رسمی سی ملاقات رہی، لیکن ذرا الیکشن کے ہنگامے ختم ہوجائیں تو پھر کچھ وقت ساتھ گزاریں گے، کچھ نئی باتیں کریں گے، کیا خیال ہے؟" "جو حکم حضور، بندہ حکم کا غلام ہے۔" احتشام الدین نے کہا۔ خاں صاحب نے پاکیزہ کو کافی تحائف بھی دیئے تھے اور اس کے بعد احتشام الدین خوشی خوشی گھر لوٹ گئے۔ پاکیزہ کے ذہن میں نجانے کیا کیا خیالات تھے۔ الیکشن کے ہنگامے شروع ہوچکے تھے، خاں صاحب اس دوران چار بار آئے تھے جبکہ اس سے پہلے شاید ایک آدھ بار ہی وہ احتشام الدین کے گھر آئے ہوں، ضرورت پڑنے پر احتشام الدین خود ان کے گھر جایا کرتے تھے۔ خاں صاحب کی آمد کو بھی احتشام الدین نے اسی نظر سے دیکھا جو ان کے اپنے ذہن میں تھی اور پھر اس وقت تو وہ بالکل ہی مطمئن ہوگئے، جب انہیں اطلاع ملی کہ ان کا بیٹا احمد یار خاں ایک ہفتے کے اندر آنے والا ہے۔ خاں صاحب جب بھی آتے خاص طور سے پاکیزہ سے ملاقات ضرور کرتے تھے، اس کے علاوہ وہ پاکیزہ کے لئے انتہائی قیمتی تحائف بھی لاتے تھے۔ اس بار وہ ہیروں کا انتہائی خوبصورت ہار پاکیزہ کے لئے لائے تو احتشام الدین نے دبی زبان سے کہا۔ "یہ بے حد قیمتی ہے خاں صاحب۔ آپ اسے ویسے ہی بہت کچھ دے چکے ہیں۔" "تو پھر......؟" خاں صاحب نے بھنویں چڑھا کر پوچھا۔ "نہیں، میرا مطلب ہے۔" "ہم جو کچھ اسے دے رہے ہیں اپنی حیثیت کے مطابق ہی دے رہے ہیں، آپ کے خیال میں ہم کسی کو اتنا قیمتی ہار نہیں دے سکتے۔" "میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" "احتشام الدین، کسی سے ہمارا براہ راست واسطہ ہوجائے تو ہم کسی دوسرے کی نکتہ چینی پسند نہیں کرتے۔" "جی۔" احتشام الدین نے گردن جھکادی۔ خاں صاحب تو چلے گئے لیکن نجانے کیوں آج احتشام الدین کے دل میں بے چینی کی ایک لہر سی تھی، رات کو انہوں نے بیگم سے کہا۔ "آپ دیکھ رہی ہیں، خاں صاحب نے ہم پر عنایتوں کے انبار لادیئے ہیں۔" "ہاں واقعی آج انہوں نے جو ہار دیا ہے وہ بہت ہی قیمتی ہے لیکن ظاہر ہے ہم انہیں بھلا ان کی عنایتوں کا کیا جواب دے سکتے ہیں اور پھر احمد یار خاں تو ان کے سب سے بڑے بیٹے ہیں، سب سے پہلی بیگم کی یادگار، باقی دو بیویوں سے بھی شمشیر احمد خاں کی اولادیں ہیں، غالباً تین بیٹیاں اور دو بیٹے۔" "ہاں، مگر صرف ایک بیٹی اور ایک بیٹے کو انہوں نے قبول کیا ہے، باقی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا ان کی مائیں لے کر چلی گئی ہیں اور خاں صاحب نے انہیں اپنی خوشی سے ان کے حوالے کیا ہے، خاصی دولت اور جائیدادیں دی ہیں انہیں۔ احمد یار خاں کے علاوہ بس ایک بیٹا اور ایک بیٹی اور ہے جو لندن میں زیر تعلیم ہیں۔ ان تیسری بیگم سے ابھی تک ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہے۔ ظاہر ہے بڑے بیٹے کی حیثیت سے وہ احمد یار خاں کو بڑی اہمیت دیتے ہیں اور جو کچھ کر رہے ہیں بڑے بیٹے کی خوشی کے لئے ہی کر رہے ہیں۔" احتشام الدین اپنی اس بے چینی کو الفاظ نہیں دے سکتے جو ان کے دل میں پیدا ہوگئی تھی، چنانچہ خاموش ہی رہے۔ پھر الیکشن کے دن قریب آگئے۔ احتشام الدین کو شمشیر احمد خاں کے حوالے سے جو کچھ کرنا پڑ رہا تھا، حقیقت یہ ہے کہ ان کے لئے بڑے ہی الجھاوے کا باعث تھا۔ منافقت ان کی فطرت میں نہیں تھی، لیکن منافقت کرنا پڑ رہی تھی۔ انہیں شمشیر احمد خاں کی دہری پالیسی پر چلنا پڑ رہا تھا، راؤ افتخار یہ سمجھتا تھا کہ سب کچھ اس کے قبضے میں ہے۔ ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ راؤ افتخار کے اندر سرکشی پیدا ہوگئی تھی۔ بہت سے معاملات میں اس نے احتشام الدین سے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ شمشیر احمد خاں کی یہ پالیسی غلط ہے، وہ ان کی ہدایت پر عمل نہیں کرے گا اور واقعی اس نے ایسا ہی کیا تھا، لیکن اس بات سے خود احتشام الدین بھی واقف نہیں تھے کہ اسے ایسا کرنے کے لئے کس طرح مجبور کردیا گیا تھا۔ یہ شمشیر احمد خاں صاحب کی پالیسی تھی تاکہ کسی بھی لمحے وہ یہ کہہ سکیں کہ راؤ افتخار اپنی خودسری کا شکار ہوگیا۔ الیکشن کے ان ہنگاموں کے دوران خاں صاحب کی عنایتیں بھی جاری رہی تھیں اور احتشام الدین ہر بات پر پریشان ہوجاتے تھے، اس رات انہوں نے کہا۔ "احمد یار خاں، باقاعدہ باپ کے ساتھ معروف عمل ہے اور غالباً الیکشن ہی کی وجہ سے خاں صاحب نے اسے بلایا ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ الیکشن کے فوراً بعد اس کی دعوت کروں اور اس دوران ہاشم احمد اور سعدیہ کو بھی بلالوں۔ اصل میں کچھ عجیب سے مخمصے میں پھنس گیا ہوں، اگر ہاشم احمد اور سعدیہ بیگم کو یہ بات بتاتا ہوں کہ شمشیر احمد خاں صاحب نے کس طرح پاکیزہ پر اپنی عنایتوں کی بارش کر رکھی ہے اور اس بات کے امکانات ہیں کہ شاید وہ اپنے بیٹے کا رشتہ پاکیزہ کے لئے مانگیں تو پتہ نہیں ہاشم بھائی کا کیا رد عمل ہو۔" "رد عمل کیا ہوگا۔ بھائی صاحب خواب میں بھی ایسے رشتے کے بارے میں نہیں سوچ سکتے۔" "وہ تو ٹھیک ہے لیکن وہی رحمانی اور نادیہ کا معاملہ...... پھر وہی بیچ نہ سامنے آجائے۔" "آپ تو نہیں چاہئے۔" "شمشیر احمد خاں سے اگر کوئی بات ہوگئی تو اس سے پلٹنا مشکل ہوگا۔ تعلقات خراب ہوجائیں گے۔ دریا اور مگرمچھ والی بات ہوجائے گی۔ میں بھلا ان سے منحرف کیسے ہوسکتا ہوں۔" "تب پھر ایک کام کریں۔" "ہاں بولو۔" "بھائی صاحب اور بھابھی جان کو کچھ دن کے لئے یہاں بلالیں۔ پہلے ان سے بات کرکے دیکھیں کیا کہتے ہیں۔ اس کے بعد کوئی فیصلہ کریں۔" احتشام الدین سوچ میں ڈوب گئے تھے۔

(جاری ہے)

تتلی

(ایم اے راحت)

قسط: 6

بہت دیر تک وہ خیالات میں کھوئے رہے۔ ذراسی الجھن تھی ذہن میں، بردبار آدمی تھے، جو کام بھی کرتے ٹھوس بنیادوں پر کرتے۔ کسی ایسے کچھ کام میں ہاتھ نہیں ڈالتے تھے جو اعتماد کے ساتھ نہ ہو۔ شمشیر احمد خاں فطرتاً کچھ بھی تھے، ہر بڑے آدمی کے نام کے ساتھ بہت سی کہانیاں یونہی وابستہ ہو جاتی ہیں، شمشیر احمد خاں کے بارے میں بھی ان کے دشمن اور خاص طور سے اخبارات نئی نئی داستانیں گھڑتے رہتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شمشیر احمد خاں آزاد خیال انسان تھے، پہلی بیگم کا تو بیچ انتقال ہوا تھا۔ اس کے بعد دوسری شادی کی۔ ان بیگم سے زیادہ عرصے نہیں بن سکی تو تیسری شادی کی لیکن ان کی زندگی کی کوئی رنگین داستان کبھی منظر عام پر نہیں آئی۔ البتہ ان کے سیاسی جوڑ توڑ کی کہانیاں اکثر منظر عام پر آتی رہتی تھیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ملک کی سیاست اور حکومتوں کی تبدیلی میں وہ پیش پیش نظر آتے تھے۔ اتنی بڑی شخصیت کی نگاہ کسی معمولی گھرانے پر ہو جائے تو بہت بڑی بات تھی۔ احتشام الدین شمشیر احمد خاں کے لئے طویل عرصے سے کام کر رہے تھے اور شمشیر احمد خاں انہیں اپنے خاص آدمیوں میں گردانتے تھے۔ اس بات کے بھی امکانات تھے کہ شمشیر احمد خاں صرف از راہ محبت پاکیزہ کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہوں۔ ویسے بھی پاکیزہ کی شخصیت میں ایک ایسی دلکشی تھی کہ شخص اس سے متاثر ہو جاتا تھا۔ بچپن سے ہی پاکیزہ کو ایک منفرد مقام حاصل رہا تھا جس کے بارے میں احتشام الدین بخوبی جانتے تھے۔ اب وہ یہ سوچ رہے تھے کہ اگر بہن اور بہنوئی کو یہ کہیں کہ شمشیر احمد خاں نے اپنے بیٹے کے لئے پاکیزہ کا انتخاب کر لیا ہے تو کہیں یہ کوئی مفروضہ ہی نہ ثابت ہو اور خواہ مخواہ شرمندگی اٹھانی پڑے۔ بے شک الیکشن کا دور تھا۔ وہ خود اور شمشیر احمد خاں بھی بے پناہ معروف تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے امریکا سے احمد یار خاں کو بھی بلا لیا تھا۔ اس بات کا امکان بھی تھا کہ وہ احمد یار خاں کو پاکیزہ سے ملانا چاہتے ہوں اور اس کے بارے میں اس کی رائے لینا چاہتے ہوں۔ بہت غور و خوض کے بعد انہوں نے سعدیہ بیگم سے کہا۔ ''نہیں سعدیہ بیگم ابھی کوئی بات کرنا غیر مناسب ہوگا۔ خدانخواستہ اگر میرا خیال غلط نکلا ہے تو میری سبکی ہوگی جو میں نہیں چاہتا۔ میرا خیال ہے کچھ نہیں کہیں گے تب تک خاموشی اختیار کرنا ہوگی، ظاہر ہے، ہم خود تو کچھ الیکشن گزر جانے دو، جب تک خاں صاحب اپنی زبان سے کہہ نہیں سکتے۔'' ''ٹھیک ہے، آپ ٹھیک کہتے ہیں۔'' سعدیہ بیگم نے شوہر سے اتفاق کیا تھا۔ پھر چندہی روز کے اندر اندر الیکشن کے ہنگامے بہت زیادہ بڑھ گئے اور احتشام الدین بھی سخت مصروف ہو گئے۔ اس بار انہیں جو کچھ کرنا پڑ رہا تھا وہ پہلے کے کاموں سے بہت مختلف تھا۔ ان کے ساتھی رانا جبار کے کام میں مصروف ہو گئے تھے، احتشام الدین انہیں باقاعدہ مدد دے رہے تھے۔ ایسی باتیں چھپتی کہاں ہیں۔ اخبارات حاشیہ آرائی کرنے لگے۔ اس بات پر حیرت کا اظہار کیا جا رہا تھا کہ ہمیشہ شمشیر احمد خاں کے قدموں سے قدم ملا کر چلنے والے احتشام الدین اس بار شمشیر احمد خاں سے کچھ کھنچے کھنچے نظر آتے ہیں اور یوں لگتا ہے جیسے ان کا جھکاؤ رانا جبار کی طرف ہو۔ خود راؤ افتخار بھی اب یہ بات اچھی طرح محسوس کر چکا تھا۔ اس نے شمشیر احمد خاں سے کہا۔ ''خاں صاحب، یہ احتشام الدین کو کیا ہو گیا، مجھے ان کے تیور کچھ بدلے بدلے سے نظر آتے ہیں۔'' ''بھائی انسان کا اپنا عمل ہوتا ہے، ہم کسی کی گردن پر چھری تو نہیں رکھ سکتے۔'' ''لیکن وہ تو آپ کے اشاروں پر چلنے والے شخص ہیں۔'' ''آج کل کوئی کسی کے اشاروں پر نہیں چلتا، سب اپنے اپنے مفادات دیکھتے ہیں۔ اب تم ہی دیکھ لو، میں نے تم سے جام گڑھی کی کچھ زمینیں رائے محمود کو دینے کے لئے کہا تھا اور تم نے بھی شک نہیں کہ وہ اس کی پشتینی زمینیں تھیں۔ بندہ کوئی بھی ہو میری فطرت کا ایک حصہ ہے کہ جب کوئی میرے پاس اپنا دکھ لے کر آتا ہے تو میں اسے سنتا ضرور ہوں اور کوشش بھی کرتا ہوں کہ اس کا دکھ دور کر دیا جائے۔ تم نے معذرت کا اظہار کر دیا، میں خاموش ہو گیا۔'' ''مگر خاں صاحب، رائے محمود کے ہی بزرگوں میں سے کسی نے وہ زمینیں میرے سسر کو فروخت کی تھیں اور میرے سسر نے انہیں اپنے بیٹے کے نام کر دیا تھا۔ وہ میری نہیں میرے سالے کی ملکیت تھیں، میں انہیں کیسے......'' ''اماں چھوڑو راؤ افتخار، کسی کی بات رکھنے کے لئے کیا کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ جتنی قیمت میں وہ زمینیں تمہارے سالے کے باپ نے خریدی ہوں گی، تم وہ قیمت ادا کر کے وہ زمینیں رائے محمود کو دے سکتے تھے، مگر بھائی کون کسی کے لئے کچھ خرچ کرتا ہے۔ خیر تم احتشام الدین کی بات کر رہے تھے۔ نا تو میں نے تمہیں یہ مثال دی کہ آج کل کون کسی کی مانتا ہے، پھر بھی میں اس سے بات کروں گا کہ کیا بات ہے، کیا افتخار کا کہنا ٹھیک ہے۔'' ''خاں صاحب میری تو زندگی ہی ختم ہو جائے گی۔ پارٹی کی طرف سے بھی کوئی بھرپور مدد نہیں مل رہی۔ کچھ عجیب سی کیفیت ہوگئی ہے۔'' ''ٹھیک ہے میں بات کرتا ہوں۔'' خاں صاحب نے کہا۔ احمد یار خاں راؤ افتخار کا پرانا دوست تھا۔ عمروں میں فرق تھا مگر اتنا زیادہ نہیں۔ احمد یار خاں سے امریکا سے آنے کے بعد دو ملاقاتیں ہو چکی تھیں۔ احمد یار خاں کو بھی شمشیر احمد خاں نے الیکشن کی کچھ ذمے داریاں سونپ دی تھیں۔ راؤ افتخار کو خاں صاحب کے رویے سے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ خاں صاحب بھی کھنچے کھنچے سے ہیں۔ اسے ایک دم سے اس خوف کا احساس ہوا کہ خاں صاحب بظاہر پارٹی کے لئے کام کر رہے ہیں لیکن اس جوش و خروش سے نہیں جس کا اظہار وہ کرتے تھے۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ احتشام الدین بھی خاں صاحب ہی کے اشارے پر عمل کر رہے ہوں، اگر ایسا ہوا تو یقینی طور پر راؤ افتخار بے موت مارا جائے گا۔ خصوصاً احمد یار خاں سے ملاقات کی، چالاک آدمی تھا بیٹے سے باپ کے خلاف کوئی بات کہنا زبردست حماقت تھی۔ اس لئے بڑی چالاکی سے احمد یار خاں سے بات کی اور بولا۔ ''چھوٹے خان، یار ایک گڑبڑ ہے، تمہاری مدد چاہتا ہوں۔'' ''ہاں ہاں کہو۔'' ''احتشام الدین کو تو جانتے ہو نا؟'' ''اچھا کہتا ہوں انہیں، ہم جاننے کی بات کر رہے ہو۔'' ''یار ذرا ان کے پاس چلنا ہے تمہیں میرے ساتھ۔'' ''کوئی کام ہے؟'' ''ہاں، بس انکار نہیں سنوں گا، چلو میرے ساتھ۔'' احمد یار خاں ہنس دیا پھر بولا۔ ''انکار کیا کس نے ہے بھائی، کام کیا ہے؟'' ''تم چلو تو سہی میں بتا دوں گا۔'' جیپ میں فاصلہ طے کرتے ہوئے راؤ افتخار نے گول مول انداز میں کہا۔ ''اس بار احتشام الدین کچھ بھٹکے بھٹکے سے ہیں۔'' ''کیا مطلب؟'' ''مطلب یہ کہ مجھے باوثوق ذرائع سے یہ اطلاع ملی ہے کہ وہ رانا جبار کی طرف جھکے ہوئے ہیں۔'' ''ایسا ہو نہیں سکتا، پاپا کی مرضی کے بغیر تو وہ کچھ بھی نہیں کرتے۔'' راؤ افتخار کہنا تو چاہتا تھا کہ یہ بات میں جانتا ہوں، لیکن بیٹے سے باپ کے خلاف کوئی بات تو نہیں کی جا سکتی۔ اس نے کہا۔ ''اصل میں تمہارے جذبات ان کے بارے میں جیسے بھی ہوں یہ سیاست ہے بھائی، سیاسی جوڑ توڑ کے بارے میں تم نہیں جانتے، تم نے بڑا اچھا اور یہ اختیار کیا کہ یہاں سے نکل گئے۔ پھنسے ہوئے ہم لوگ ہیں، بس یوں سمجھ لو سیاست بھی حلق کی ہڈی ہوتی ہے کہ نگلی جائے نہ اگلی جائے۔ اگر سیاسی میدان خالی چھوڑ دیتے ہیں تو سمجھ لو کہ دشمنوں کی بن آتی ہے، سب کیا دھرا مٹی میں مل جاتا ہے۔ تمہارے سامنے ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں، خاں صاحب کو تو ہم کچھ بھی نہیں کہہ سکتے کہ سیاست کا بادشاہ سمجھتے ہیں۔ خود کبھی چکر میں نہیں پڑے، دوسروں کو بادشاہ بناتے رہے۔ بہر حال میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ احتشام الدین خاں صاحب سے منحرف ہو کر کچھ کر سکتے ہیں لیکن پھر بھی ذرا سی بات چیت ان سے ہو جائے اور تم ساتھ ہو تو کم از کم مجھے ڈھارس ہو جائے گی۔'' ''چلو اتنی تمہید کی کیا ضرورت ہے۔ اب چل ہی رہے ہیں ان کے پاس جو پوچھنا چاہو میرے سامنے پوچھ لینا۔'' احمد یار خاں نے کہا۔ بہر حال یہ سفر طے کر کے وہ احتشام الدین کی رہائش گاہ پر پہنچ گئے۔ احتشام الدین نے اپنی رہائش گاہ ہی کے ایک حصے میں الیکشن آفس بنا رکھا تھا اور اس آفس کی ذمے داری پاکیزہ نے سنبھال رکھی تھی۔ اس وقت بھی وہ کاغذات پر جھکی کچھ کام کر رہی تھی کہ یہ دونوں اندر داخل ہو گئے۔ دوسرے چند افراد بھی کام کر رہے تھے۔ البتہ احتشام الدین موجود نہیں تھے۔ ''احتشام الدین صاحب کہاں ہیں؟'' راؤ افتخار نے ایک شخص سے پوچھا۔ ''پتہ نہیں جناب، میڈم سے پوچھ لیں۔'' یہ شخص راؤ افتخار یا احمد یار خاں کو پہچانتا نہیں تھا۔ دونوں پاکیزہ کے سامنے پہنچ گئے۔ پاکیزہ نے کسی کو سامنے محسوس کر کے گردن اٹھائی تو اس کا چہرہ ان دونوں کے سامنے آیا۔ یہی پاکیزہ کی خوبی تھی کہ ایک نگاہ اسے دیکھنے والا کچھ لمحوں کے لئے گم ضرور ہو جاتا تھا۔ صحیح معنوں میں یہ کیفیت ہی پاکیزہ کو سکون اور خوشی دیتی تھی۔ اس کی روشن آنکھوں میں حسین چمک لہرا گئی۔ راؤ افتخار اور احمد یار خاں گم صم کھڑے تھے۔ پاکیزہ نے کہا۔ ''فرمائیے۔'' تب دونوں چونکے احمد یار خاں نے راؤ کو دیکھا اور راؤ گڑبڑا کر بولا۔ ''جی ہاں، جی ہاں۔'' پاکیزہ انتہائی دلآویز انداز میں مسکرا دی پھر بولی۔ ''آپ کچھ عجیب اردو بول رہے ہیں، میں نے آپ سے سوال کیا تھا کہ فرمائیے اور آپ جواب دے رہے ہیں جی ہاں جی ہاں۔'' اس دوران راؤ افتخار احمد نے خود کو سنبھال لیا تھا، جبکہ احمد یار خاں ابھی تک کھویا ہوا تھا، راؤ افتخار مسکرا دیا پھر بولا۔ ''آپ کون ہیں؟'' ''لیجئے، دوسرا انوکھا سوال، اگر میں آپ سے کہتی ہوں کہ انسان ہوں تو دروغ گوئی ہو جائے گی، کیونکہ مفکروں کے خیال میں آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا...... بس ہوں۔'' ''نہیں میرا مطلب ہے آپ یہاں احتشام الدین کے ساتھ کام کر رہی ہیں۔'' پاکیزہ بولی۔ راؤ افتخار ہنس دیا، احمد یار خاں بدستور پاکیزہ میں کھویا ہوا تھا، راؤ افتخار نے کہا۔ ''بہر حال آپ جو کچھ بھی ہیں یا جو کوئی بھی ہیں، آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے، میں احتشام الدین صاحب سے ملنا چاہتا تھا۔'' ''آپ پلیز مجھے اپنا نام بتائیے؟'' ''میرا نام راؤ افتخار احمد ہے اور یہ شمشیر احمد خاں صاحب کے صاحبزادے احمد یار خاں ہیں۔'' ''اوہو، آپ تو بہت بڑے لوگ ہیں، معافی چاہتی ہوں میں نے آپ سے بے تکلفی سے گفتگو کی، میں اطلاع دیتی ہوں۔'' اس نے جلدی سے انٹرکام اٹھا لیا۔ راؤ افتخار احمد اور احمد یار خاں اسے دیکھ رہے تھے، حقیقتاً ان کے خیال میں اس دفتر میں اس کی قیامت برپا تھی۔ ''راؤ صاحب اور احمد یار خاں صاحب آپ سے ملاقات کے لئے آئے ہیں۔'' پاکیزہ نے اطلاع دی۔ ''تم انہیں اندر لے آؤ۔'' سمجھ تو رہی ہوگی کہ کون لوگ ہیں وہ۔'' ''جی۔'' اس نے انٹرکام بند کیا اور بولی۔ ''آئیے۔'' راؤ افتخار احمد اور احمد یار خاں اس کے ساتھ چل پڑے۔ اس کے پورے وجود کی دلکشی نے ان دونوں کو حقیقت سے بہت دور کر دیا تھا اور کچھ لمحوں کے لئے وہ بالکل بھول گئے تھے کہ وہ یہاں کس لئے آئے ہیں۔ بہر طور انہیں اندر ڈرائنگ روم میں پہنچا دیا گیا جہاں احتشام الدین نے ان کا بڑا پتپاک خیر مقدم کیا، پھر کہنے لگے۔ ''ٹھیک ہے پاکیزہ بہت شکریہ، تم اپنا کام کرو۔'' دونوں کا دل تو چاہا کہ ان کا کام ہو یا نہ ہو، اس ملکۂ حسن کو ڈرائنگ روم سے باہر نہ بھیجا جائے۔ لیکن احتشام الدین دونوں کے لئے قابل احترام تھے اور ان بزرگ سے ایسی کوئی فرمائش نہیں کی جا سکتی تھی۔ چنانچہ دونوں نے خود کو سنبھال لیا۔ احتشام الدین راؤ افتخار اور احمد یار خاں کو یکجا دیکھ کر چونکے ضرور تھے، لیکن سنبھلے رہے تھے۔ ''احتشام الدین صاحب! آپ کو یہ بات معلوم ہے کہ احمد یار خاں میرے دیرینہ دوست ہیں۔'' ''مجھے نہیں معلوم تھا۔'' احتشام الدین نے کہا۔ ''خیر میں آپ کو بتا دوں کہ سارے معاملات سے ہٹ کر ہماری دوستی بہت قدیم ہے۔ بے شک انہوں نے امریکا آباد کر لیا۔ لیکن ہمارے درمیان مسلسل رابطے رہتے ہیں۔ احتشام الدین صاحب میں ادھر ادھر کی باتیں نہیں کروں گا، براہ

[illegible]

خاں کو روک کر پاکیزہ سے تعارف کرانا چاہتے تھے، اسی لئے موقع دیا تھا کہ فیصلہ ہو جائے اور ان کا خیال بالکل ٹھیک نکلا۔ ''کیا کہتے ہیں راؤ صاحب؟'' احمد یار خاں نے کہا۔ ''کیا مطلب؟'' ''میرا خیال ہے آپ جائیے، میں بعد میں آ جاؤں گا، اگر آپ کے خیال میں کچھ ہو رہا ہے تو آپ کے سامنے اس کا اعتراف تو نہیں کیا جائے گا نا، میں انہیں شیشے میں اتارتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ اصل معاملہ کیا ہے؟'' ''یار تمہارا بے حد شکریہ، احتشام الدین کو ٹٹولو، شمشیر احمد خاں صاحب کے جتنے راز ہوتے ہیں، احتشام الدین ان رازوں کی تجوری ہیں وہ آ جائیں تو میں نکل جاؤں گا، تمہیں......'' ''نہیں مجھے آنے میں کوئی دقت نہیں ہوگی۔ کوئی نہ کوئی بندوبست کر لوں گا۔ ویسے تم سیدھے شمشیر احمد خاں صاحب کے پاس مت پہنچ جانا، نہ ہی انہیں یہ خبر دینا کہ میں یہاں رک گیا ہوں یا موجود ہوں۔'' ''ٹھیک ہے۔'' احتشام الدین اپنے ساتھ ملازم کو لائے تھے جس نے ایک ٹرالی میں کچھ اشیاء سجائی ہوئی تھیں۔ کھانے پینے کی اشیاء سرو ہوئیں اور اس کے بعد راؤ افتخار نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ احمد یار خاں آپ کے پاس رک رہے ہیں، میں آخری استدعا کر کے جا رہا ہوں اگر خاں صاحب کسی وجہ سے مجھ سے ناراض ہیں تو خدارا آپ وجہ معلوم کر کے مجھے بتائیں، میں خاں صاحب کے پاؤں پکڑ لوں گا۔'' ''میرے علم میں ایسی کوئی بات نہیں ہے، تاہم آپ کی خواہش پر میں خاں صاحب کو ٹٹول لوں گا۔'' احتشام الدین نے کہا، پھر احمد یار خاں کے ساتھ راؤ افتخار احمد کو باہر تک چھوڑنے آئے۔ جب راؤ افتخار احمد چلے گئے تو احتشام الدین نے کہا۔ ''ایک عجیب سی غلط فہمی ہے، میری سمجھ میں واقعی کچھ نہیں آیا، آئیے۔'' وہ دوبارہ ڈرائنگ روم میں جا کر بیٹھ گئے۔ ''آپ خیریت سے تو ہیں، اصولی طور پر مجھے آپ سے آپ کے بارے میں پوچھنا چاہئے تھا، لیکن راؤ افتخار بھی کمال کی شخصیت ہیں، میں آپ سے ملے بغیر تو نہ جاتا کیونکہ بہر حال یہ بات میں جانتا ہوں کہ آپ کے پاپا سے کتنے گہرے تعلقات ہیں، لیکن میں نے سوچا تھا کہ الیکشن کے بعد آپ کی خدمت میں حاضری دے کر کچھ وقت آپ کے پاس گزاروں گا۔ آپ مجھے بتائیے سب خیریت تو ہے نا؟'' ''ہاں، بہت مہربانی ہے، آپ سنائیں احمد یار خاں، امریکا میں کیسی گزر رہی ہے؟'' ''بہت خوش اور مطمئن ہوں وہاں، حقیقت یہ ہے کہ یہاں کی زندگی میرے آباؤ اجداد کی زندگی ہے، لیکن کچھ ایسی گڑبڑ ہوگئی ہے کہ طبیعت پر اکتاہٹ سوار ہو جاتی ہے۔ خیر سیاسی طور پر تو ہر جگہ ایسا ہی ہوتا ہے، جیسے یہاں ہو رہا ہے۔'' ''یعنی رانا جبار اور راؤ افتخار کے بارے میں یہ بات کہہ رہے ہیں آپ احمد یار خاں؟'' ''نہیں، الیکشن صرف اسی علاقے میں تو نہیں ہو رہا، یہ سیاسی جوڑ توڑ تو ہر جگہ ہوتے ہیں۔'' ''مگر یہاں کچھ نہیں ہو رہا، سیدھا سا کام ہے، راؤ افتخار ہماری پارٹی کے ہیں اور رانا جبار آزاد امیدوار ہیں۔ پہلے تو کبھی وہ کامیاب نہیں ہوئے کیونکہ اس علاقے کے لوگ جانتے ہیں کہ خاں صاحب کا ہاتھ راؤ افتخار کی پشت پر ہے، میں آپ کو تفصیلات بتاتا ہوں۔'' احتشام الدین نے کہا اور انٹرکام پر پاکیزہ کو مخاطب کر کے بولے۔ ''پاکیزہ! فائل نمبر دو تین اور چائے لے کر آ جاؤ۔'' یہ کہہ کر انہوں نے انٹرکام بند کر دیا۔ پورا منصوبہ ذہن میں تھا۔ پاکیزہ تھوڑی ہی دیر کے بعد فائل لے کر آ گئی تو احتشام الدین نے ایک فائل کھول کر سامنے کر لی پھر بولے۔ ''یہ دیکھئے، خاں صاحب کی تمام تر ہدایات راؤ افتخار احمد کے حق میں ہیں۔'' احمد یار خاں سب کچھ بھول گیا تھا، بس اسے اس حسین و جمیل لڑکی کی قربت کا احساس تھا۔ وہ نگاہ بھر کر اس کی طرف دیکھ بھی نہیں پا رہا تھا۔ اسی وقت احتشام الدین کے فون کی گھنٹی بجی اور انہوں نے ریسیور کان سے لگا لیا۔ یہ بھی منصوبے کا ایک حصہ تھا۔ اندر گئے تھے تو بیگم کو ہدایت کر کے آ گئے تھے یہ فون سعدیہ بیگم نے ہی کیا تھا۔ احتشام الدین بولے۔ ''ہاں کہئے کیا بات ہے، اوہو اچھا میں آیا ابھی آیا۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھے اور پاکیزہ سے بولے۔ ''پاکیزہ! آپ ذرا احمد یار خاں کو ان فائلوں کی تفصیلات بتائیے۔'' پاکیزہ نے مسکرا کر گردن ہلائی اور احتشام الدین اندر چلے گئے۔ احمد یار خاں کو تو غیر متوقع طور پر یہ موقع ملا تھا، پاکیزہ نے فائل کھولی تو احمد یار خاں نے ہمت کر کے ہاتھ آگے بڑھایا اور فائل بند کر دی۔ ''نہیں مس پاکیزہ! میرا آپ کا تعارف یقیناً نہیں ہے۔ میں شمشیر احمد خاں کا بیٹا ہوں۔ امریکا میں رہتا ہوں اور پاپا نے یہاں صرف ضرورتاً مجھے بلا لیا ہے، میں انجینئر ہوں اور سیاست سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے، آپ پلیز مجھے اس بارے میں کچھ نہ بتائیں۔ احتشام الدین صاحب کا تو میں احترام کرتا ہوں اس لئے جو کچھ وہ کہیں گے میں سن لوں گا جبکہ وہ سب کچھ میرے لئے غیر دلچسپ ہوگا۔ میرے لئے اس سے کہیں زیادہ دلچسپ آپ کی شخصیت ہے۔ آپ کون ہیں، خدا کے لئے وہ الفاظ دوبارہ نہ دہرائیں جو آپ نے اپنے آفس میں دہرائے تھے، میں آپ کی گفتگو کا مقابلہ نہیں کر سکوں گا، میں تو آپ سے صرف تعارف چاہتا ہوں۔'' ''آپ نے میرا نام لیا ہے، اس کا مطلب ہے کہ کم از کم نام کی حد تک تو آپ کو میرے بارے میں علم ہو چکا ہے۔ مزید یہ کہ احتشام الدین صاحب کی بھانجی ہوں، ان کے ساتھ ہی رہتی ہوں۔ میرے والدین یہاں نہیں ہوتے، دو بہنیں اور ہیں، ماں باپ ہیں۔ احتشام الدین میرے اکلوتے ماموں ہیں۔ مجھے بے پناہ چاہتے ہیں، میں بھی سیاست ویاست سے کوئی دلچسپی رکھتی ہوں، نہ مجھے اس کے بارے میں معلومات حاصل ہیں، بس ماموں جان کا ہاتھ بٹانے کے لئے ان کی سیکرٹری بن بیٹھی ہوں۔''

احمد یار خاں کے دل میں پھول ہی پھول کھل گئے تھے۔ ایک کردار سامنے آیا تھا جو ایسا تھا کہ اگر اس کے حصول کی کوشش کی جاتی تو شاید اس میں ناکامی نہ ہوتی۔ شریف النفس آدمی تھا، جو کچھ کرنا چاہتا تھا اپنے باپ کے ذریعے ہی کرنا چاہتا تھا۔ پاکیزہ اس کے دل میں اتر گئی تھی۔ جاتے ہوئے باپ سے اس موضوع پر بات کرے گا، ہو سکتا ہے شمشیر احمد خاں اپنے دوست یا کارکن کی بھانجی سے شادی پر اعتراض کریں لیکن بہر حال کسی نہ کسی طرح میں انہیں منا ہی لوں گا۔ احمد یار خاں اپنی دانست میں ایک حسین زندگی کا آغاز کر چکا تھا، کچھ دیر کے بعد احتشام الدین صاحب واپس آ گئے، انہوں نے کہا۔ ''ہاں پاکیزہ، تم نے احمد یار خاں صاحب کو مطمئن کر دیا؟''

''انہیں تو سیاست سے کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے، ہم دونوں ایک جیسے ہی ہیں، کورے کے کورے۔'' کافی دیر احمد یار خاں یہاں رکا، پاکیزہ کی اپنی فطرت کی مکمل تسکین ہو رہی تھی۔ وہ اس شخص کی آنکھوں میں محبت کی پیاس دیکھ چکی تھی، بہر حال یہ اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ کسی کو زخمی کر دینا اور پھر اس کے تڑپنے کا تماشا دیکھنا۔ احمد یار خاں بحالت مجبوری ہی یہاں سے چلا گیا تھا۔ کیونکہ اسے پتہ تھا کہ باپ انتظار کر رہا ہوگا۔ بہر حال دل میں ایک خلش لے کر گیا تھا۔ ادھر احتشام الدین ان دونوں کو ملاقات کا موقع دے کر خاصے مطمئن تھے اور سوچ رہے تھے کہ بات یقیناً آگے بڑھے گی۔ احمد یار خاں کی نیاز مندی کو انہوں نے بھی اچھی طرح محسوس کر لیا تھا۔ الیکشن ہوئے، خوب ہنگامے رہے اور راؤ افتخار کا خدشہ درست نکلا۔ رانا جبار الیکشن جیت گیا اور راؤ افتخار کے سارے چراغ بجھ گئے۔ خاں صاحب کی خدمت میں دہائی دینے حاضر ہوا تو خاں صاحب نے رکھائی اختیار کی اور کہا۔ ''دیکھو افتخار! اپنے آپ کو ترازو میں تولو۔ مذہب بھی کہتا ہے کہ غرور اللہ نے کبھی پسند نہیں کیا۔ تم پچھلے کچھ عرصے سے مغرور ہو گئے تھے۔ میں نے مختصراً تمہیں بتایا تھا کہ تم نے میرے سامنے بھی اکڑنا شروع کر دیا تھا۔ خیر پارٹی کا ممبر ہونے کی حیثیت سے میں نے اپنا فرض پورا کیا۔ اب تمہاری مقبولیت کا گراف نیچے گر گیا تو میں کیا کروں۔'' ''میری مقبولیت کا گراف تو نیچے نہیں گرا خاں صاحب، لیکن یہ بات میرے علم میں اچھی طرح آ گئی کہ آپ نے جان بوجھ کر مجھے ہروایا ہے۔ میرے پاس ثبوت موجود ہیں، میں پہلے بھی اس بارے میں حاضری دیتا رہا ہوں، میں جاننا چاہتا ہوں کہ آپ نے ایسا کیوں کیا ہے، یہ تو ویسے بھی پارٹی سے غداری ہے۔'' ''ہوں، پارٹی سے یہ غداری میں نے کی ہے، تم مجھے غدار کہہ رہے ہو۔ تم جانتے ہو کہ ہر لفظ کی ایک قیمت ہوتی ہے اور تمہیں یہ قیمت چکانی پڑے گی۔ سمجھے، جاؤ، میں تمہیں جواب دینے کا پابند نہیں ہوں، غلط کیا ہے تم نے مجھ سے بدزبانی کر کے۔'' ''خاں صاحب! میرے خیال میں وہ مثال بالکل درست ہے کہ قطرہ قطرہ مل کر دریا بنتا ہے یا لکڑیوں کا ایک مضبوط گٹھا ناقابل تسخیر بن جاتا ہے اور جب یہ لکڑیاں منتشر ہوتی ہیں تو بآسانی انہیں توڑا جا سکتا ہے۔'' ''ہاں ہاں بولتے رہو، مجھے اچھے الفاظ بہت پسند آتے ہیں، تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تم سے علیحدگی اختیار کر کے میں ایک معمولی سی لکڑی ہوں جو آسانی سے ٹوٹ سکتی ہے۔ گڈ ویری گڈ، جاؤ افتخار میرے گھر کی دہلیز پر ہو، جاؤ عزت سے چلے جاؤ، جو کیا جا سکتا ہے کر لو۔ بہر حال تمہاری زندگی اس وقت تک کی ہے جب تک تم میرے گھر کی دہلیز کے اندر ہو۔ باہر کی دنیا اب تمہارے لئے موت کی دنیا ہے، اٹھو اور یہاں سے جاؤ۔ بس اس سے زیادہ میں تمہیں ایک لمحے کے لئے اپنی چھت کے نیچے برداشت نہیں کر سکتا۔'' شمشیر احمد خاں صاحب نے گھنٹی بجائی۔ دو گن مین آ گئے تو انہوں نے کہا۔ ''انہیں عزت و احترام کے ساتھ جس سواری میں یہ آئے ہیں، اس سواری میں بٹھاؤ اور حویلی کے بڑے گیٹ سے باہر نکال دو۔'' راؤ افتخار تیکھی نگاہوں سے خاں صاحب کو دیکھتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔ خاں صاحب کچھ دیر خاموش بیٹھے رہے۔ پھر انہوں نے فون اٹھا کر کسی کے نمبر ڈائل کئے اور مدھم لہجے میں اس سے کچھ کہتے رہے۔ اس کے بعد انہوں نے فون بند کیا اور آنکھیں بند کر کے صوفے کی پشت سے ٹک گئے۔ نجانے کب تک وہ اسی طرح سوچ میں بیٹھے رہے۔ پھر ایک بھاری بھرکم شخص ایک ملازم کے ساتھ اندر آیا تو خاں صاحب سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ ''ہاں...... سناؤ کیسے ہو؟'' ''آپ کے قدموں کی دھول ٹھیک ہی ہوتی ہے خاں جی، اللہ کا فضل ہے سارے کام ٹھیک سے ہو گئے۔'' ''ہاں...... وہ بندہ کون ہے جس کا نام تم نے بتایا تھا وہ جو راؤ افتخار کے گھر میں ہوتا ہے۔'' ''شرفو نام ہے جناب اس کا، باپ دادا سے ہمارا آدمی ہے، آپ نے حکم دیا تھا کہ ایک بندہ راؤ افتخار کے گھر ایسا ہونا چاہئے جو ساری باتوں پر نظر رکھے۔'' ''تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے، وہ کب تک یہاں آ سکتا ہے، اس کے سپرد ایک اہم ذمے داری کرنی ہے۔'' ''سرجی، آپ اسے اتنی اہمیت نہ دیں، ان کمینوں کو آپ نہیں جانتے ذرا سامنہ لگاؤ سر پر چڑھنے کی کوشش کرتے ہیں، اسے اس کی کاوشوں کا بھرپور صلہ دیا جا چکا ہے جی، آپ مجھے حکم کرو۔'' شمشیر احمد خاں تھوڑی دیر تک سوچ میں ڈوبا رہا پھر اس نے کہا۔ ''ہوں، ٹھیک ہے، جو کچھ میں بتا رہا ہوں اسے غور سے سننا، یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے تم سے کہ میں نے تمہیں بہت بڑا مقام دیا ہے اور اپنے قریبی رازداروں میں شامل کر لیا ہے۔'' ''خاں جی! جب دل چاہے امتحان لے لو، گردن کاٹ کر اسی جگہ آپ کے پیروں میں نہ رکھ دیں تو زندگی پر لعنت ہے۔ آپ سے زیادہ ہمیں کوئی چیز عزیز نہیں ہے۔'' شمشیر احمد خاں اسے آہستہ آہستہ کچھ سمجھاتے رہے تھے اور جو کچھ انہوں نے اسے سمجھایا تھا اس کا نتیجہ تین دن کے اندر اندر نکل آیا۔ راؤ افتخار نے خودکشی کر لی تھی، زہر کی شیشی اس کے کمرے سے برآمد ہوئی تھی۔ وہ گلاس بھی جس میں زہر پیا گیا تھا۔ زہر کی شیشی اور گلاس پر راؤ افتخار کی انگلیوں کے علاوہ اور کوئی نشان نہیں تھا۔ پولیس نے ضروری کارروائی کی۔ تمام تر تفتیش اسی راستے پر جاتی تھی کہ راؤ افتخار نے اپنی ناکامی پر خودکشی کر لی، وہ اپنے اقتدار کا سورج غروب ہوتے نہیں دیکھ سکا۔ اس کا ایک بیٹا تھا جو اس بات سے انحراف کرتا تھا، اس نے کہا۔ ''پاپا بڑے باہمت آدمی تھے۔ انہوں نے بہت زیادہ اثر نہیں لیا تھا، مجھ سے کہتے تھے کہ بیٹا چار سال آرام سے گزریں گے اور اس کے بعد جب الیکشن ہوگا تو مجال ہے کسی کی جو مجھے ہرا سکے، زندگی میں ناکامی ہی تو حوصلے بلند کرتی ہے۔'' بیٹے کا بیان واقعی پولیس کی تفتیش کو ڈسٹرب کرتا تھا، لیکن بیٹا بھی کوئی ایسی بات نہیں بتا سکا جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ راؤ افتخار کو زہر کسی اور نے دیا ہے۔ پولیس نے تفتیش کر کے خودکشی کا کیس بنا دیا اور فائل بند ہو گئی۔ یہ بات صرف چند ہی لوگ جانتے تھے کہ اصل معاملہ کیا تھا۔ خاں صاحب نے الٹی میٹم دے دیا تھا اور اس کے بعد بھلا کیا مجال تھی کہ راؤ افتخار زندہ رہ جاتا۔ ایسے بہت سے واقعات ہوئے تھے لیکن اس خوبصورتی کے ساتھ کہ خاں صاحب کا نام کہیں نہیں آنے پایا تھا۔ ادھر احمد یار خاں اپنی فرم چھوڑ کر آیا تھا۔ اسے زیادہ عرصے کی چھٹی نہیں مل سکتی تھی، ویسے بھی وہ بہت کم وطن آتا تھا، شمشیر احمد خاں نے بھی کبھی اس سے بہت زیادہ لگاؤ کا مظاہرہ نہیں کیا تھا، نہ ہی سوتیلی ماں کو اس سے اس قدر دلچسپی تھی کہ کبھی اس کے بارے میں کوئی بات کرتی۔ جانے سے پہلے وہ پاکیزہ سے ملنا چاہتا تھا اور اس بار اس نے ہمت کر ڈالی، پاکیزہ کو اس نے فون کیا تھا۔ ''مس پاکیزہ! میں احمد یار خاں بول رہا ہوں، شمشیر احمد خاں کا بیٹا۔'' ''جی، چھوٹے خاں صاحب، آپ تو بادِ صبا کے ایک جھونکے کی مانند آئے اور اس کے بعد فضاؤں میں روپوش ہو گئے خیر چھوڑیئے، کیسے مزاج ہیں آپ کے؟'' ''ٹھیک ہوں، اللہ کا شکر ہے، آپ سے ملنے کو دل تو بہت چاہتا تھا لیکن تھوڑا سا بزدل ہوں اس معاملے میں کوشش کے باوجود آپ تک نہ پہنچ سکا، آج برداشت کی انتہا ہو گئی تو ہمت کر ڈالی کہ آپ کو فون کر کے ملاقات کی اجازت لوں۔ زحمت کر سکتی ہیں آپ؟''

''کیسی باتیں کرتے ہیں۔ یہ زحمت ہوگی...... انسان کے دل کی آرزو پوری ہو جائے اور اسے زحمت کہا جائے، زیادتی ہے چھوٹے خاں صاحب۔'' ''ہوٹل فزارو بہت عمدہ جگہ ہے۔ کیا آپ وقت نکال سکتی ہیں، میری آرزو ہے کہ ہم دونوں ہوٹل فزارو میں ڈنر کریں۔'' پاکیزہ کچھ لمحوں کے لئے خاموش ہو گئی۔ گن کی پکی تھی، جانتی تھی کہ ایک لمحے کے اندر اندر آمادگی بہت سی غلط فہمیوں کو جنم دے سکتی ہے، وہ یہ سوچ سکتا ہے کہ پاکیزہ اس قدر آزاد ہے کہ اس طرح ہوٹلوں میں بھی جا سکتی ہے۔ جہاں تک معاملہ رہا احتشام الدین کا تو وہ یہ جانتی تھی کہ احتشام صاحب خود چاہتے ہیں کہ احمد یار خاں سے اس کی دوستی ہو جائے۔ چنانچہ اس نے کچھ لمحے کا وقفہ دیا تھا اور اس دوران احمد یار خاں بول پڑا۔ ''یہ میری آرزو تھی میں آپ کو کسی مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ اگر آپ اس کام کو مشکل سمجھتی ہیں تو کوئی حرج نہیں ہے، مقصد تو آپ کے دیدار کرنا ہے گھر پر ہی حاضر ہو جاؤں گا۔'' ''نہیں ایسی بات نہیں ہے، کوئی بہانہ سوچ رہی تھی، کونسی دوست کا نام لوں، اصل میں یہ بھی مشکل رہی ہے، دوستیاں بھی نہیں کر پائی یہاں تو، خیر مجھے کہاں آنا ہوگا؟'' ''ہوٹل فزارو۔'' ''کس وقت؟'' ''آٹھ بجے۔'' ''میں پہنچ رہی ہوں۔'' پاکیزہ نے جواب دیا۔ کوئی احمقانہ عمل نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ماموں کے ہاں بھی بہر حال تھوڑی سی سمجھداری سے وقت گزارنا تھا، چنانچہ فوراً ہی اس نے احتشام الدین سے رابطہ قائم کیا۔ ''وہ ماموں جان! ابھی چند لمحوں پہلے فون آیا تھا، چھوٹے خان یعنی احمد یار خان کا۔ اس سے پہلے انہوں نے کبھی فون نہیں کیا مجھے، اس وقت نجانے انہیں کیا ہوا ہے، کہنے لگے کہ بڑی ہمت سے انہوں نے یہ قدم اٹھایا ہے وہ چاہتے ہیں کہ ہوٹل فزارو میں میرے ساتھ ڈنر کریں، کہنے لگے کہ میں وہاں پہنچ جاؤں گا، آپ کا انتظار کروں گا، نہ آ سکیں تو کوئی بات نہیں ہے۔ آ جائیں گی تو میری خوش نصیبی ہوگی۔'' احتشام الدین خوشی سے اچھل پڑے، پھر بولے۔ ''بات یہ ہے بیٹی کہ میں نے اپنے ذہن میں نجانے کیا کیا تاج محل بنا رکھے ہیں، تفصیل بعد میں بتاؤں گا، خدا کرے جو کچھ میرے دل میں ہے وہ پورا ہو جائے، کوئی حرج نہیں تم چلی جاؤ۔'' ''بہت بہتر، کچھ سوالات بھی کرنا چاہتی ہوں آپ سے؟'' ''ہاں بیٹا ضرور۔'' ''نہ میں اس قدر آزاد ہوں کہ کسی کی دعوت پر یوں منہ اٹھائے چلی جاؤں اور نہ اپنے آپ کو اس قدر آزاد ظاہر کرنا چاہتی ہوں۔ میں اپنے لوگوں کے درمیان ہوں، اصولی طور پر احمد یار خان صاحب کو آپ سے اجازت لینی چاہئے تھی۔ وہ یہاں گھر آتے، آنے کے بعد آپ سے بات کرتے اور مجھے ساتھ لے کر جاتے، ماموں جان ایسی صورت میں کیا مجھے اس طرح چلے جانا چاہئے؟'' احتشام الدین خوشی سے کھل اٹھے پر مسرت لہجے میں بولے۔ ''بالکل ٹھیک کہتی ہو بیٹی لیکن کبھی کبھی...... مصلحت سے کام لینا پڑتا ہے۔ میرے خیال میں تمہیں جانا چاہئے اور ایک بات میں تم سے اور کہنا چاہتا ہوں۔'' ''جی ماموں جان۔'' ''یہ مت بتانا کہ یہ ملاقات میرے علم میں ہے۔'' ''پھر کیا ہوگا۔'' ''یہی کہ سہیلی کے گھر کا بہانہ کر کے آئی ہوں۔'' ''لیکن کیوں ماموں جان۔'' ''مصلحت میری بچی، مصلحت، اس میں ایک رمز ہے۔'' ''جیسا آپ کا حکم۔''

☆......☆......☆

فزارو ایک شاندار ہوٹل تھا۔ احمد یار خان نے ہوٹل کے باہر ہی پاکیزہ کا استقبال کیا تھا۔ پاکیزہ بڑی گھبراہٹ کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ ''خدا کا شکر ہے آپ باہر ہی مل گئے۔'' ''کیوں؟'' احمد یار خان نے مسرت سے کپکپاتے لہجے میں کہا۔ ''میں کسی طور اندر نہ آ پاتی۔ زندگی میں پہلی بار کسی ہوٹل کے دروازے تک آئی ہوں۔'' ''آپ نے میرے لئے جس قدر زحمت کی ہے اور جس طرح مجھ پر اعتماد کا اظہار کیا ہے یہ بات میں زندگی کی آخری سانس تک نہیں بھول سکوں گا۔'' احمد یار خاں اسے اندر لے جاتے ہوئے بولا۔ میز پر ریزرویشن کی چٹ لگی ہوئی تھی، ان کے بیٹھتے ہی ویٹر نے وہ چٹ ہٹا دی۔ پاکیزہ سہمی سہمی نگاہوں سے ڈائننگ ہال کے ماحول کا جائزہ لے رہی تھی اور اس کا یہ سہما سہما پن احمد یار خاں کو بہت بھا رہا تھا، اس نے کہا۔ ''آپ کو حیرت ہوئی ہوگی کہ میں نے اس طرح آپ کو کیوں بلایا ہے۔ دراصل پاکیزہ میں امریکا میں ایک اہم عہدے پر ملازمت کرتا ہوں۔ میرے باپ کے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے اور میں ان کا سب سے بڑا بیٹا ہوں، جو کچھ ان کے پاس ہے وہ میرا ہی ہے لیکن والد صاحب ذرا الگ مزاج کے مالک ہیں، ان کا خیال ہے کہ انسان کو اپنے آپ پر اعتماد کرنا چاہئے، اس کے علاوہ میں خود بھی اس الجھی ہوئی سیاست سے دور رہنا چاہتا تھا اس لئے میں نے مستقل سکونت امریکا میں اختیار کر لی۔ خدا کے فضل و کرم سے وہاں میں ایک صاحب حیثیت انسان ہوں۔ یہاں کبھی کبھی آنا ہوتا ہے، پاکیزہ آپ ضرور یہ بات سوچیں گی کہ آخر میں کس حق کی بنا پر آپ سے یہ ساری باتیں کر رہا ہوں۔ آپ بے شک سوچئے، وقت چونکہ کم ہے اور میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا کہ وقت ضائع کئے بغیر آپ سے بات کروں۔ پاکیزہ! آپ میرے دل کی گہرائیوں میں اتر گئی ہیں۔ میں آپ سے زندگی بھر کا سودا کرنا چاہتا ہوں، میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں، شادی کر کے میں آپ کو امریکا لے جاؤں گا، ہم وہیں رہیں گے، ایک آزاد زندگی ہوگی ہماری، پاکیزہ میں آپ کے منہ سے ہاں سننا چاہتا ہوں، لیکن اگر آپ انکار بھی کریں گی تو میں وہ بھی اسی خندہ پیشانی سے سنوں گا، ہر شخص کو اپنی زندگی کے فیصلوں کا حق ہوتا ہے۔ یہ حق بھلا آپ سے کون چھین سکتا ہے، پلیز مجھے جواب ضرور دیجئے گا۔'' ویٹر آیا تو تھوڑی دیر کے لئے گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ مینو دیکھ کر ویٹر کو کھانے کا آرڈر دیا گیا اور اس کے بعد احمد یار خاں نے کہا۔ ''پاکیزہ اگر آپ نے مجھے جواب دے دیا تو میں اسے اپنی خوش قسمتی کی معراج سمجھوں گا۔ براہ کرم میری اس کاوش کو ناکام نہ کیجئے گا۔ آپ کا ہر طرح کا جواب میرے لئے قابل قبول ہوگا اور میں اس پر کوئی احتجاج نہیں کروں گا۔'' ''احمد یار خاں صاحب، ہر طرح سے رتبے میں آپ سے چھوٹے ہیں ہم لوگ۔ کہاں راجہ بھوج، کہاں گنگو تیلی۔ آپ کے دل میں میرے لئے جگہ بنی ہے۔ میں اسے اپنی خوش نصیبی سمجھتی ہوں، لیکن افسوس جس ماحول کی پروردہ ہوں اس کے خول سے نکلنا دو دن کی بات نہیں ہوتی اور میں نے اس خول سے نکلنے کے بارے میں سوچا بھی نہیں۔ ہمارے ہاں زندگی کے یہ فیصلے بزرگ کرتے ہیں اور میری زندگی کا فیصلہ بھی میرے بزرگ ہی کریں گے۔ میرے ماں باپ، میرے ماموں۔ یہی لوگ یہ طے کر سکتے ہیں کہ میرا مستقبل کیا ہوگا، براہ کرم آپ باقاعدگی کے ساتھ اپنے والد کے ذریعے میرے والدین اور ماموں سے رجوع کیجئے۔'' ''میں ایسا ہی کروں گا پاکیزہ، سو فیصد ایسا ہی کروں گا، لیکن دیکھئے نا ہر شخص کے دل میں ایک آرزو ہوتی ہے کہ جسے وہ اپنی زندگی کا ساتھی بنانا چاہتا ہے اس کے دل کا کچھ حال بھی تو پتہ چلے۔'' ''تو میں انتہائی معذرت کے ساتھ آپ سے یہ بات کہوں گی کہ میری آپ سے یہ دوسری ملاقات ہے، اس ملاقات میں نہ محبت کا کوئی عنصر ہے اور نہ ہی کسی ایسے جذبے کا جو انسان کو مجبور کر دیتا ہے، تاہم آپ مجھے ہر طرح سے قابل اعتماد لگے چنانچہ میں نے یہاں آنے میں کوئی عار نہ سمجھی۔ تجسس تو ہر انسان کی فطرت میں ہوتا ہے، میرے دل میں یہ تجسس تھا کہ آخر آپ نے مجھے اس طرح رازداری سے کیوں طلب کر لیا ہے؟'' پاکیزہ خاموش ہو گئی۔ احمد یار خاں نے متاثر لہجے میں کہا۔ ''درحقیقت آپ کا نام آپ کی شخصیت کے مطابق ہے، پاکیزگی آپ کی فطرت کا ایک حصہ ہے، چلئے پاکیزہ میں ایک آخری سوال اور کئے لیتا ہوں۔ جواب دینا پسند فرمائیں تو دے دیجئے گا ورنہ میری تقدیر۔'' ''جی جی فرمائیے۔'' ''میں اپنے والد کے ذریعے آپ کے والدین سے رجوع کروں اور وہ تیار ہو جائیں تو کیا آپ خوشدلی سے میری زندگی میں شامل ہونا پسند کریں گی؟'' ''ہاں یقیناً۔'' پاکیزہ نے جواب دیا۔ احمد یار خاں کا چہرہ فرط مسرت سے کھل اٹھا، اس نے آہستہ سے کہا۔ ''شکریہ پاکیزہ، بے حد شکریہ۔''

☆......☆......☆

رانا جبار کو کچھ اہم ذرائع سے یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ خاں صاحب نے خفیہ طریقے سے اسے بھرپور مدد دی ہے اور انہی کی مدد کی وجہ سے راؤ افتخار کو شکست اور اسے کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ شمشیر احمد خاں سے ہمیشہ ہی نسل در نسل رہی تھی اور اس نسل کے نتائج بھی رانا جبار کو بھگتنے پڑے تھے۔ ہر محاذ پر وہ خاں صاحب سے شکست کھا چکا تھا۔ خود بھی اپنے علاقے کا بہت بڑا آدمی تھا اور کبھی جھکا نہیں تھا، بلکہ ہمیشہ ہی خم ٹھونک کر سامنے آ کھڑا ہوتا تھا۔ اس بار بھی اسے ایک فیصد امید نہیں تھی کہ راؤ افتخار کے مقابلے میں وہ کامیابی حاصل کرے گا، لیکن بہر حال کوشش اور جدوجہد والی بات تھی۔ وہ کامیاب ہو گیا اور بعد میں جب اس نے تحقیقات کیں تو پتہ چلا کہ شمشیر احمد خاں نے در پردہ اس کی مدد کی ہے۔ بہر حال شکریہ تو ادا کرنا ہی تھا، چنانچہ اس نے فون پر شمشیر احمد خاں صاحب سے بات کی۔ ''آپ کا خادم رانا جبار بول رہا ہے۔'' ''ہاں بھئی رانا مبارک ہو، اس بار تم نے واقعی ہر محاذ پر کامیابی حاصل کی ہے۔'' ''آپ کی خدمت میں حاضری چاہتا ہوں۔'' ''جب دل چاہے آ جاؤ، تمہارے لئے میرے گھر کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔'' رانا جبار نیاز مندی سے شمشیر احمد خاں کی خدمت میں پہنچ گیا۔ ڈرائنگ روم میں شمشیر خاں نے ایک پرمحبت مسکراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کیا تھا، رانا جبار نے ان کے دونوں ہاتھ چومے اور سامنے بیٹھ گیا۔ ''پہلی بار اس علاقے میں مجھے کامیابی حاصل ہوئی ہے لیکن خاں صاحب اس قدر ناواقف نہیں ہوں کہ اپنی اس کامیابی کی وجہ نہ جان سکتا۔ سخت حیران ہوں کہ آپ نے راؤ افتخار کو چھوڑ کر میری مدد کیوں کی، آپ یقین کریں سخت الجھن کا شکار ہوں۔'' ''رانا جبار! راؤ افتخار کی موت کا مجھے گہرا صدمہ ہے۔ طویل عرصے سے میری جوتیاں اٹھا رہا تھا، در و دیوار سے بھی پیار ہو جاتا ہے، وہ تو خیر انسان تھا اور اقتدار کے لئے انسان جو کچھ کر ڈالتا ہے بعض اوقات وہ حد سے آگے کی بات ہوتی ہے۔ میں جیسا کہ تم جانتے ہو کہ دو ٹوک گفتگو کرنے کا عادی ہوں۔ کبھی لگی لپٹی نہیں رکھتا۔ میں تمہیں پیشکش کرتا ہوں کہ میری پارٹی میں آ جاؤ۔ تم آزاد امیدوار ہو اور تمہارے اوپر کوئی دباؤ نہیں ہے، ہم لوگ تمہیں اپنی پارٹی میں خوش آمدید کہنا چاہتے ہیں۔'' رانا جبار کی تیوریاں چڑھ گئیں، اس نے کہا۔ ''ہر شخص کا ایک معیار ایک مزاج ہوتا ہے۔ خاں صاحب، بے شک آپ نے اس بار مجھے سرخروئی بخشی ہے لیکن اگر ایسا کرنا ہوتا تو بہت سے ذرائع مجھے کامیاب کرانے کی ضمانت دے رہے تھے۔ میں نے کبھی ان کی پیشکش قبول نہیں کی۔ میرے لئے یہ انتہائی مشکل ہے کہ میں آپ کی پارٹی میں شامل ہو جاؤں۔ بہت مشکل ہے، بے شک میں آپ کا احسان مند ہوں لیکن اس احسان کا یہ صلہ نہیں دے سکتا، میں معذرت چاہتا ہوں۔'' ''براہ راست کہہ دیا تم سے، یہ غلطی کی، اگر دوسرے ذرائع سے بات تم تک پہنچتی تو ایک لمحے میں تم تیار ہو جاتے۔ وہ دوسرا ذریعہ قانون ہوتا کیونکہ قانون کسی بھی حیثیت کے مالک کسی بھی شخص کو قتل و غارت گری کے سلسلے میں معاف نہیں کر سکتا۔ تم نے میرے بہت ہی دیرینہ ساتھی کو قتل کرایا ہے۔ یہ تو میری مہربانی سمجھو کہ میں نے تمہیں پارٹی میں آنے کی پیشکش کر دی۔ ورنہ اصولی طور پر تمہیں راستے سے ہٹا دینا چاہئے تھا۔ خیر کوئی بات نہیں، میں نے تمہیں جو پیشکش کی ہے اس سے پہلے کبھی نہیں کی اور میں جب کسی انسان کو کچھ دینا چاہتا ہوں اور وہ قبول نہ کرے تو پھر مجھے اس کی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں رہتی البتہ اس کی موت میرا مقصد بن جاتی ہے۔'' رانا جبار کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔ یہ تو قتل کی صاف دھمکی دی جا رہی تھی۔ وہ حیران نگاہوں سے شمشیر احمد خاں کو دیکھنے لگا، شمشیر احمد خاں نے پھر کہا۔ ''راؤ افتخار کی گردن کچھ زیادہ اکڑ گئی تھی جس کی سزا اسے اس شکل میں مل گئی کہ وہ الیکشن ہار گیا، لیکن تم نے الیکشن جیتنے کے بعد جو کچھ اس کے ساتھ کیا اسے معاف نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے تمہیں پارٹی میں آنے کی پیشکش اس لئے کی کہ جوان آدمی ہو، ذہین بھی ہو اور صاحب حیثیت بھی۔ یہ عمر تمہاری موت کی عمر نہیں ہے، الیکشن جیتے ہو، اپنی زندگی کے لئے کچھ کر لو، لیکن سرکشی میں تم بھی راؤ افتخار کے برابر آ گئے۔ بات راؤ افتخار کی ہو رہی تھی، میں نہیں جانتا کہ الیکشن جیتنے کے بعد بھی تم نے اسے کیوں قتل کرا دیا؟'' ''جی......!'' رانا جبار اس بار کانپ کر رہ گیا تھا۔ ''ہاں رانا جبار! میں کوئی بھی بات بغیر کسی ٹھوس ثبوت کے نہیں کہتا۔ تم نے اس کے ملازم شرفو سے ساز باز کر کے اسے زہر دلوا دیا۔ میں تم سے اس کی وجہ ضرور پوچھنا چاہتا تھا، لیکن اب نہیں پوچھوں گا، میرا خیال ہے مجھے پولیس کو فون کر دینا چاہئے۔'' ''آپ کو کسی نے غلط اطلاع دی ہے خاں صاحب، بھلا میں یہ کیسے کر سکتا تھا اور مجھے اس کی ضرورت بھی کیا تھی۔'' ''شرفو! اندر آؤ۔'' خاں صاحب نے آواز دی اور راؤ افتخار کا خاص ملازم اندر داخل ہو گیا۔ اس کے ہاتھ سینے پر بندھے ہوئے تھے اور آنکھیں جھکی ہوئی تھیں۔ ''کتنی رقم دی تھی تمہیں رانا جبار نے؟'' ''بیس ہزار خاں صاحب، وہ بیس ہزار جو میں نے آپ کے سامنے رکھ دیئے تھے۔'' ''کیا کہا تھا انہوں نے؟'' ''انہوں نے مجھے ایک پڑیا دیتے ہوئے کہا تھا کہ اس کا پاؤڈر کسی چیز میں ملا کر راؤ افتخار کو دے دیا جائے، اس کے عوض انہوں نے مجھے بیس ہزار روپے دیئے تھے۔'' ''کیا تم یہ بیان عدالت میں دو گے؟'' ''جی سرکار دوں گا۔'' شرفو نے بدستور نگاہیں جھکائے جھکائے کہا۔ رانا جبار کے پورے بدن میں تھرتھری سی دوڑ گئی تھی۔ ''بک بک کیا...... کیا بکواس کر رہا ہے۔ تم...... میں تجھے جان سے مار دوں گا۔'' ''میاں...... ؟ میرے گھر میں تم ایسا کرو گے؟'' شمشیر احمد خاں نے تیوریاں چڑھا کر کہا۔ ''جھوٹ بول رہا ہے یہ خاں صاحب، خدا کی قسم جھوٹ بول رہا ہے۔'' ''ایک معصوم ملازم، جس نے زندگی میں کبھی بیس ہزار کی رقم اکٹھی نہیں دیکھی، اس رقم کے حصول کے لئے کچھ بھی کر سکتا ہے اور پھر گواہی میری ہوگی۔ کوئی اسے رد کرے گا......؟'' خاں صاحب نے رعونت بھرے لہجے میں کہا۔ ''کوئی نہیں کر سکتا۔'' رانا جبار نے ڈھیلے لہجے میں کہا۔ ''ہاں رانا جبار، واقعی کوئی نہیں کر سکتا خیر چھوڑو، میرے متعلق اور کوئی خدمت......؟'' ''میرے لئے کیا حکم ہے؟'' رانا جبار نے کہا۔ ''کوئی حکم نہیں ہے۔ میری طرف سے بات ختم ہو چکی ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو، تمہارے پارٹی میں شامل ہونے سے پارٹی کو، کوئی بہت مضبوط سہارا مل جائے گا، یہ غلط فہمی دل سے نکال دو، میں تو صرف راؤ افتخار کو اس کی اوقات بتانا چاہتا تھا، وہ اسے پتہ چل گئی اور تمہیں بھی۔ اس علاقے سے تم نے کتنی بار الیکشن لڑا، کبھی جیتے؟ میں نے چاہا تو جیت گئے۔ اب یوں ہوگا کہ تم گرفتار ہو گے۔ مقدمہ چلے گا اور یقیناً تمہیں سزائے موت ہوگی، تمہاری سیٹ تو کینسل ہو ہی جائے گی، میں اپنے ڈرائیور کو ٹکٹ دے کر الیکشن کرا دوں گا اور وہ جیت جائے گا۔'' ''نہیں خاں صاحب، میں جینا چاہتا ہوں۔'' ''ضرور جیو، اگر جی سکتے ہو تو......!'' شمشیر احمد خاں نے بے رحمی سے کہا۔ ''معاف کر دیجئے مجھے۔ براہ کرم مجھے رکنیت کا فارم دے دیجئے میں دستخط کر دوں گا۔'' ''اتنا بڑا احسان مت کرو مجھ پر...... اور یہاں سے دفع ہو جاؤ۔'' شمشیر احمد خاں نے درشت لہجے میں کہا۔ ''میں اپنی گستاخی کی معافی چاہتا ہوں، مجھے معاف کر دیجئے خاں صاحب، آئندہ کبھی سرکشی نہیں کروں گا!'' رانا جبار گڑگڑانے لگا۔ خاں صاحب اسے گھورتے رہے پھر بولے۔ ''پہلے کبھی اپنا فیصلہ واپس نہیں لیا لیکن پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ تمہاری عمر ابھی مرنے کی نہیں ہے، البتہ اب تمہیں تھوڑا سا گھومنا پڑے گا۔'' ''میں، میں سمجھا نہیں۔'' ''پہلے میں تمہیں فارم دیتا تم سے دستخط لیتا اور تم پارٹی ممبر بن جاتے لیکن اب یوں کرو، ہائی کمان کو درخواست دو کہ تم ہماری پارٹی میں آنا چاہتے ہو، ساری کارروائی اب اوپر سے ہوگی۔'' ''خاں صاحب......!'' ''میرا خیال ہے میری خواہش پر تمہیں میرے گھر سے چلے جانا چاہئے۔'' خاں صاحب اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔ اس کے بعد رانا جبار کے لئے وہاں رکنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔

☆......☆......☆

احمد یار خاں کا دل تو نہ جانے کیا کیا چاہتا تھا، لیکن دل کی باتیں دل ہی میں رہ گئیں۔ وہ واپس امریکا پہنچ گیا۔ ضروری امور نمٹانے کے بعد اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ شمشیر احمد خاں کو ایک خط لکھا، جس میں اس نے لکھا...... ''پاپا...... میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

(جاری ہے)

تتلی

(ایم اے راحت)

قسط 7

اگر پاکیزہ نے انکار کر دیا تو آپ بھی ہیں کہ خاں صاحب کس قسم کے آدمی ہیں۔'''' تو کیا وہ کوئی زیادتی کریں گے؟'''' نہیں کریں گے، لیکن ہمارے تعلقات ختم ہو جائیں گے، ایک فطری بات ہے۔ لیکن میں سوچتا ہوں کہ کیا کیا جائے اور پھر خاں صاحب کی بیگم موجود ہیں۔ ارے یہ تو بڑی بھیانک صورت حال ہو گئی۔'''' ان بیگم سے اولاد بھی نہیں ہے۔'''' ہاں ساری باتیں سوچ رہا ہوں میں۔'' اعتشام الدین نے کہا۔ ہاشم احمد کو بھی نیند نہیں آ رہی تھی۔ دونوں کے کمرے برابر برابر تھے۔ تیسرے کمرے میں تینوں لڑکیوں کو جگہ دی گئی تھی۔ ہاشم احمد اور سعدیہ بیگم نے اعتشام الدین کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا تو اعتشام الدین نے دروازہ کھول دیا۔

''کیا ہوا بھئی نیند نہیں آ رہی؟'''' یار نیند آئے گی آپ خود سوچئے یہ ہو کیا گیا ہے؟'' ہاشم احمد نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا اور دروازہ بند کر دیا گیا تھا۔'' ہاں واقعی ایک انوکھی بات ہوئی ہے۔'''' میں یہ پوچھتا ہوں کہ آخر شمشیر احمد خاں صاحب کے دل میں یہ خیال آیا کیسے؟'''' ہاشم بھائی، ہمارا خیال تھا کہ شمشیر احمد خاں صاحب اسے دوسری نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اپنی بہو کے طور پر منتخب کر رہے ہیں۔ وہ اپنے بیٹے احمد یار خاں کے لئے پاکیزہ کا رشتہ چاہتے ہیں، لیکن خاں صاحب کے ذہن میں کچھ اور تھا۔'''' سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کیا پاکیزہ اس بات کے لئے تیار ہو جائے گی۔'''' یہی تو دہشت دل و دماغ پر سوار ہے، اس سلسلے میں کیا کیا جائے۔'''' اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ پاکیزہ سے براہ راست پوچھ لیا جائے۔'' ہاشم احمد نے پرخیال انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا، پھر وہ تشویش بھرے لہجے میں بولے۔'' لیکن بات بڑی سنسنی خیز ہے۔ ویسے تو خاں صاحب کی حیثیت دیکھ کر آنکھیں بند کر کے سب کچھ کر دینے کو دل چاہتا ہے لیکن ان کی رنگین مزاجی کیا پاکیزہ تک ٹھہر جائے گی، کیا پاکیزہ کے بعد کوئی اور لڑکی ان کی نگاہوں میں جگہ نہیں حاصل کر لے گی۔'' ہاشم احمد کی بات پتے کی تھی۔ اعتشام الدین کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اعتشام الدین کی بیگم نے کہا۔'' اس کے علاوہ میرے ذہن میں ایک اور بات ہے، آپ کو معلوم ہے کہ احمد یار خاں نے پاکیزہ کو ڈنر پر مدعو کیا تھا۔'''' اس وقت یہی خیال میرے دل میں آیا تھا۔ وہاں پاکیزہ سے کیا گفتگو ہوئی، اس کا بھی کچھ پتہ نہیں چلا۔'''' اگر پاکیزہ کے دل میں احمد یار خاں کا خیال ہوا تو بات بالکل ہی نہیں بنے گی۔'''' پاکیزہ کو ڈنر پر بلایا تھا۔'' ہاشم احمد نے چونک کر پوچھا۔'' ہاں بس وہ الیکشن کی مہم چل رہی تھی پاکیزہ نے بھی اس میں بھرپور حصہ لیا تھا۔ یہ ذرا سی سلسلے میں تھا۔'' اعتشام الدین کو اچانک غلطی کا احساس ہوا تھا۔ بالآخر ہاشم احمد پاکیزہ کے باپ تھے ان کا چونکنا فطری تھا۔ اعتشام الدین نے فوراً ہی کہا۔'' میرے خیال میں بات کرنے کے سلسلے میں طے ہوئی ہے، جو جواب اس کا ہوگا اسی کی روشنی میں عمل کریں گے۔ خاں صاحب نے خود بھی فراخ دلی سے کہا ہے کہ اگر پاکیزہ نے یہ رشتہ پسند نہ کیا تو انہیں اعتراض نہیں ہوگا۔'' دوسرے دن اس سلسلے میں تیاریاں کی گئیں۔ پاکیزہ کو طلب کر لیا گیا۔ بے چاری رحمانی اور نادیہ کی کوئی حیثیت ہی نہیں تھی۔ انہیں کچھ نہیں بتایا گیا تھا۔ خاں صاحب صبح کے ناشتے پر ساتھ تھے۔ پھر یہ کہہ کر چلے گئے تھے کہ لنچ وہ ان کے ساتھ کریں گے۔ اس طرح پاکیزہ سے بات کرنے کا مناسب موقع مل گیا تھا۔'' کیا بات ہے، آپ لوگوں کے چہروں پر ایک تجسس ہے خیریت تو ہے؟'''' ہاں خیریت ہے۔ ایک مشکل مرحلہ آ گیا ہے ہمارے لئے۔ پاکیزہ تم صاف گو اور جرأت مند ہو، ہمارے ایک سوال کا جواب اسی جرأت مندی سے دینا۔'''' کوشش کروں گی۔'''' اس دن احمد یار خاں نے تمہیں ڈنر پر مدعو کیا تھا۔'''' جی!'''' کیا باتیں ہوئی تھیں ان کے اور تمہارے درمیان، بتانا پسند کرو گی۔'''' کیوں نہیں۔ انہوں نے مجھے شادی کی پیشکش کی تھی۔'' پاکیزہ نے شفاف لہجے میں کہا۔'' تم نے کیا جواب دیا؟'''' میں نے ان سے کہا کہ میں مشرقی اقدار کی حامل ہوں، خدا میرے ماں باپ اور بزرگوں کو سلامت رکھے، میرے مستقبل کا فیصلہ وہی کریں گے۔'''' جزاک اللہ......!'' اعتشام الدین نے کہا۔ ہاشم احمد بے اختیار ہو گئے اور بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔'' خدا کی قسم پاکیزہ، میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں تجھے سمجھنے میں ناکام رہا ہوں۔ کبھی نہیں سمجھ پایا میں تجھے۔ تو جس قدر خوبصورت ہے اس سے کہیں زیادہ خوبصورت تیرا کردار ہے۔'''' ہمیں تم پر ناز ہے پاکیزہ۔ اب ہم ایک اہم دوراہے پر کھڑے ہیں۔ ایک عجیب موڑ آیا ہے ہماری زندگی میں۔ ہمارا خیال تھا کہ خاں صاحب احمد یار خاں کے لئے تمہارا رشتہ مانگیں گے لیکن انہوں نے ایک انوکھی بات کہی ہے۔'''' کیا......؟'' پاکیزہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔'' وہ خود تم سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔'' اعتشام الدین نے بمشکل کہا اور پاکیزہ کے چہرے پر نگاہ ڈالی۔ انہیں پاکیزہ کا چہرہ بے تاثر نظر آیا تھا۔'' انہوں نے یہ بات آپ سے کہی ہے۔'''' ہاں بیٹے، کہی ہے اور ہمیں انہیں جواب دینا ہے۔ بیٹے اگر تم سے یہ سوال کیا جائے کہ تمہیں ان باپ بیٹوں کے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار ہو تو تم کس سے شادی کرنا چاہو گی...... احمد یار خاں سے یا...... شمشیر احمد خاں سے......!'''' شمشیر احمد خاں سے......!'' پاکیزہ نے جواب دیا۔ یہ جواب کسی بم کے دھماکے سے کم نہیں تھا۔ پہلے وہ لوگ حیرت سے منہ پھاڑے بیٹھے رہے پھر ان کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے۔ ہاشم احمد فرط مسرت سے اعتشام الدین سے لپٹ گئے۔ دیر تک وہ لوگ اسی کیفیت کا شکار رہے پھر اعتشام الدین نے مسکرا کر کہا۔

''یہ فیصلہ تم نے کس خیال کے تحت کیا۔'''' سچ سچ بتاؤں......؟'' پاکیزہ مسکرا کر بولی۔'' ہاں بیٹے...... ہمیں تم پر اعتماد ہے۔'''' آپ لوگوں کے چہروں پر یہی خوشی اور اطمینان دیکھنے کے لئے۔ جہاں آپ لوگ ہیں میرے سارے رشتے وہاں ہیں، میں انہیں چھوڑ کر امریکہ نہیں جانا چاہتی، غیروں کے دیس میں صرف ایک آدمی کیلئے میں کیوں جاؤں جبکہ مجھے یہ موقع مل رہا ہے۔ دوسری بات یہ کہ خاں صاحب ایک پروقار شخصیت کے مالک ہیں۔ صاحب اختیار ہیں ان کے ساتھ گزرنے والی زندگی بہت اچھی ہوگی۔ کیا اب آپ مجھے جانے کی اجازت دیں گے۔'''' جاؤ بیٹی، تم نے ہمیں نئی زندگی دی ہے۔'' بڑے مطمئن اور مسرور ہو گئے تھے پاکیزہ کے جواب سے وہ دونوں، لنچ پر جو اہتمام کیا گیا تھا وہ قابل دید تھا۔ طویل و عریض میز انواع و اقسام کے کھانوں سے بھری ہوئی تھی۔ خاں صاحب بھی حسب وعدہ پہنچ گئے تھے۔ کھانے سے فراغت ہوئی تو اعتشام الدین کے اشارے پر لڑکیاں اٹھ کر باہر نکل گئیں۔ اعتشام الدین نے بیگم کو اشارہ کیا تو وہ اپنی جگہ سے اٹھیں، میٹھی ڈش سے انہوں نے تھوڑی سی شیرینی لی اور خاں صاحب کے قریب آ کر بولیں۔'' ہم آپ کے قدموں کی دھول ہیں خاں صاحب، لیکن کیا کریں آپ نے اچانک اتنا قریب کر لیا ہے کہ یہ جرأت ہو گئی۔ منہ میٹھا کر لیجئے ہم نے آپ کی رشتے والی عنایت قبول کر لی ہے۔'' خاں صاحب نے منہ کھول دیا تھا۔

☆......☆......☆

جہاں آرا نے بھائی کی صورت دیکھی اور پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں۔ حیدر خاں پریشان ہو گیا تھا۔ بہن کو دلاسے دینے لگا، پھر بولا۔'' کچھ بتاؤ تو سہی جہاں...... کیا بات ہے؟'''' تقدیر کے امتحان کا وقت آ گیا حیدر بھائی۔ میرے دن تاریک ہونے والے ہیں۔'''' خدا کے لئے مجھے بتاؤ تو...... کیا ہوا......؟'''' شمشیر احمد نئی شادی کر رہے ہیں۔'' جہاں آرا نے روتے ہوئے کہا۔ حیدر خان بہن کی صورت دیکھتا رہ گیا۔ ماضی اس کی نگاہوں میں گردش کرنے لگا۔ شمشیر احمد خاں شادی شدہ تھے، اعلیٰ حیثیت کے مالک تھے، پہلی بیگم کا انتقال ہو چکا تھا، ان کا ایک بیٹا تھا جسے شمشیر احمد خاں نے بیرون ملک بھجوا دیا تھا، دوسری بیگم سے تین بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا۔ یہ بات جہاں آرا بیگم اور حیدر خاں کو معلوم تھی، ایک تقریب میں جہاں آرا کی ملاقات شمشیر احمد خاں سے ہوئی اور شمشیر احمد خاں نے اسے پسند کر لیا۔ حیدر خان ایک سرکاری محکمے میں ملازم تھا، شمشیر احمد خاں کی توجہ بہن کی طرف پائی تو خوابوں میں کھو گیا اور جب خاں صاحب نے اس سے دل کی بات کہی تو وہ ان کے قدموں میں بچھ گیا اور سب کچھ جاننے کے باوجود بہن خاں صاحب کے حوالے کر دی۔ جہاں آرا بیگم بھی ناخوش نہیں تھی۔ البتہ اس نے پہلی فرمائش یہی کی تھی کہ خاں صاحب اپنی دوسری بیوی کو طلاق دے دیں۔'' میں شرطیں منوانے والوں میں سے ہوں، کوئی شرط ماننا میری فطرت کے خلاف ہے۔ آپ اس کے بعد کوئی شرط مجھ پر مسلط نہ کیجئے گا کیونکہ اس کے سارے نقصانات آپ ہی کو ہوں گے۔'' کچھ اس سخت اور کھردرے لہجے میں یہ بات کہی گئی تھی کہ جہاں آرا بیگم کے حوصلے پست ہو گئے اور اس کے بعد انہیں دوبارہ یہ الفاظ کہنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ البتہ تقدیر نے ان کا ساتھ دیا۔ پہلی بیگم یعنی بیگم نمبر دو کے شکووں کا آغاز ہو گیا اور وہ جہاں آرا بیگم کے خلاف باتیں کرنے لگیں۔ خاں صاحب سے براہ راست انہوں نے کچھ نہیں کہا لیکن جہاں آرا بیگم کے بارے میں مختلف لوگوں سے بہت سی باتیں انہوں نے کیں اور یہ اطلاع خاں صاحب تک پہنچ گئی۔ خاں صاحب نے جب ان سے بات کی تو دوسری بیگم جو بھری ہوئی تھیں، ابل پڑیں۔'' آپ نے مجھ سے شادی سے پہلے کبھی یہ بات نہیں کہی تھی کہ آپ مجھ پر سوکن بھی لا سکتے ہیں، میں سوکن برداشت نہیں کر سکتی۔'''' تو آپ کیا چاہتی ہیں؟'''' کچھ نہیں۔ میں یہ چاہتی ہوں کہ آپ اسے کہیں اور لے جا کر رکھیں۔'''' کیوں ایسا کیوں چاہتی ہیں آپ۔ یہ حویلی آپ جہیز میں تو نہیں لائیں۔''

''کیا آپ کی کوئی چیز میری ملکیت نہیں ہے؟'''' نہیں کس نے کہا یہ آپ سے، میں آپ کو جو کچھ دینا چاہوں دے دوں اور جو نہ دینا چاہوں اسے بھلا آپ مجھ سے کیسے لے سکتی ہیں۔'''' تو پھر میں اپنے بچوں کو لے کر یہاں سے چلی جاؤں گی۔'' خاں صاحب ہنس دیئے پھر بولے۔'' بچوں کو کیا آپ اپنے بدن کا لباس بھی یہاں سے نہیں جا سکتیں میری اجازت کے بغیر، لیکن آپ کی اس تجویز کو میں پسند کرتا ہوں، دو گھنٹے کے اندر اندر آپ کی یہاں سے روانگی کا انتظام ہو جائے گا۔'' اور اس کے بعد دو گھنٹوں سے پہلے پہلے انہیں بچوں سمیت رخصت کر دیا گیا اور اس کے بعد سے آج تک وہ حویلی میں داخل نہیں ہو سکیں۔ خاں صاحب ان سے یا اپنے بچوں سے ملتے تھے یا نہیں ملتے تھے کچھ علم نہیں تھا، نہ ہی ان بیگم کا نام کسی بھی شکل میں کبھی سامنے آیا۔ جہاں آرا بیگم کو اب کوئی الجھن یا پریشانی نہیں تھی۔ وہ خوش تھیں کہ یہ مسئلہ خود بخود حل ہو گیا، غرضیکہ وہ وقت گزرتا رہا، بس غلط سوچ تھی، صحیح بات ذہن میں نہیں آ سکی تھی۔ ورنہ حقیقتوں کو وقت سے پہلے جان لیتیں۔ خاں صاحب کی رنگین مزاجی تو مثالی حیثیت رکھتی تھی اور اب وہ بُرا وقت آ گیا تھا۔ حیدر خان ان کا بھائی تھا، بہن کی مشکل کا کوئی حل اس کے پاس نہیں تھا۔ بہن تو عورت تھی، خاں صاحب کے ہاتھوں کی لمبائی کا اسے صحیح اندازہ نہیں تھا لیکن حیدر خان جانتا تھا کہ سرکاری محکمے میں ایک معمولی سے عہدے سے کس طرح کئی سیڑھیاں طے کر کے اتنی بلندی تک آ گیا تھا کہ اس بلندی سے نیچے گرنے سے خوف محسوس ہوتا تھا۔ بہن کا دکھ اپنے دل میں محسوس کر رہا تھا لیکن ابھی اس کا کوئی حل اس کے پاس نہیں تھا، بہن کو دلاسے دیئے اور بولا کہ صبر کرے اور انتظار کرے، اس نے کہا۔'' میں خاموش نہیں بیٹھوں گا، کچھ نہ کچھ سوچتا اور کرتا رہوں گا، لیکن ایک بات میں تمہیں صاف صاف بتائے دیتا ہوں۔ خاں صاحب کو اگر میں قتل بھی کرانا چاہوں تو اس کے لئے انتہائی مشکلات سے گزرنا ہوگا اور اگر اس سازش کا انکشاف ہو گیا تو پھر یہ سمجھ لو کہ تم تو خیر الگ بات ہے ہمارے اہل خاندان میں کوئی زندہ نہیں بچے گا، تاہم میں کچھ کرتا ہوں۔'' بظاہر تو یوں لگتا تھا جیسے حیدر خان نے بہن کو جھوٹا دلاسہ دیا تھا اور ایک طرح سے اپنی جان چھڑائی تھی کیونکہ وہ اس پائے کا آدمی نہیں تھا کہ خاں صاحب کے خلاف کچھ کر سکتا، البتہ بہن کے دکھ سے متاثر ضرور تھا۔ خاں صاحب کے راستے صاف ہو چکے تھے، کسی بھی کام میں وہ بہت زیادہ دیر کرنا پسند نہیں کرتے تھے، انہوں نے اعتشام الدین اور ہاشم احمد کے ساتھ مل کر سارے معاملات طے کئے۔ سادگی سے نکاح اور پھر انتہائی اعلیٰ درجے کے کسی ہوٹل میں ولیمہ ڈنر ہوا۔ البتہ پاکیزہ کی تمام آرزوئیں انہوں نے پوری کر دی تھیں۔ کیا کچھ نہیں تھا جو انہوں نے پاکیزہ کو نہیں دیا تھا اور پھر پاکیزہ کو اپنی حویلی میں لے آئے۔ پاکیزہ نہ صرف حویلی بلکہ فارم ہاؤس، زمینیں، باغات سب کچھ دیکھ چکی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اس سے پہلے وہ اپنی انا کی تسکین کے لئے صرف ایک شدت پسند لڑکی تھی لیکن صحیح معنوں میں اس نے اپنے حسن کی قیمت وصول کی تھی۔ خاں صاحب کو اس نے یہ یقین دلا دیا کہ ان کی معیت میں وہ بہت خوش ہے اور خاں صاحب نے ان لوگوں پر عنایتوں کی بارش کر دی۔ اعتشام الدین پہلے بھی ان کے دوست تھے اور ان کے لئے خاں صاحب نے بہت کچھ کیا تھا لیکن اب کیفیت یہ تھی کہ اعتشام الدین ہاتھ جوڑ جوڑ کر منع کرتے تھے کہ خاں صاحب بس آپ کی محبت کافی ہے میرے لئے، ہم دو میاں بیوی کو اور کیا درکار ہے، لیکن خاں صاحب انہیں مسلسل مراعات سے نوازتے رہے تھے۔ ہاشم احمد کے بھی وارے کے نیارے ہو گئے تھے اور ایسی حیثیت اختیار کر لی تھی انہوں نے کہ اب نادیہ اور رحمانی کے رشتے بڑی اچھی اچھی جگہوں سے آنے لگے تھے، جہاں آرا بیگم کو حویلی کے اسی گوشے میں رہنے دیا گیا تھا اور اس سے کہیں زیادہ خوبصورت جگہ خاں صاحب نے پاکیزہ کے لئے مخصوص کر دی تھی جہاں وہ رانیوں کی طرح رہتی تھی۔ خاں صاحب اسے اپنی زمینوں پر گھمانے لے جاتے تھے۔ زیادہ تر وہ ان کے ساتھ ہی رہا کرتی تھی اور جہاں آرا بیگم کے سینے پر سانپ لوٹتے تھے۔ وہ سب کچھ پاکیزہ کی تحویل میں چلا گیا تھا جو کبھی ان کی ملکیت تھا۔ حیدر خان اپنی کوششوں میں مصروف تھا۔ براہ راست تو بہن کے لئے کچھ نہیں کر سکتا تھا اور اب تو سب کچھ ہی ہاتھ سے نکل گیا تھا، لیکن پھر ایک امید کی کرن چمکی۔ یہ احمد اللہ بیگ تھے، احمد اللہ بیگ جو ایک درویش صفت آدمی تھے ایک دور دراز علاقے میں رہتے تھے۔ اندر باہر سے جو کچھ تھے اس کے بارے میں بہت کم لوگوں کو معلوم تھا۔ کسی زمانے میں ڈاکو رہ چکے تھے، کئی ڈاکے ڈالے لیکن تقدیر نے ساتھ نہیں دیا۔ گرفتار تو بے شک نہیں ہوئے، لیکن ڈاکہ زنی کے دوران لوٹ پھوٹ کافی گئے جو کچھ ہاتھ لگا اسے لے کر ایک گوشے میں آباد ہو گئے۔ لمبی سی داڑھی رکھ لی، کچھ کتابیں پڑھ لیں اور بہترین اداکاری کے نتیجے میں قرب و جوار میں مقبول ہو گئے۔ پھر ایک بار کسی سلسلے میں شمشیر احمد خاں سے ملاقات ہو گئی۔ تقدیر ہر شخص کو موقع دیتی ہے، بیگ صاحب نے شمشیر احمد خاں کے لئے کچھ کیا اور جو کیا تھا وہ ہو گیا۔ پھر اس کے بعد جو نہ ہوا تھا وہ کم تھا۔ شمشیر احمد خاں نے انہیں نہال کر دیا۔ ایک زبردست خانقاہ بنا دی گئی۔ احمد اللہ بیگ کبھی کبھی شمشیر احمد خاں کے پاس آتے رہتے تھے۔ بالکل اتفاق کی بات تھی کہ حیدر زمان کسی ذریعے سے ان تک جا پہنچا تھا احمد اللہ بیگ کا معتقد ہو گیا تھا، احمد اللہ بیگ نے بھی جہاں آرا بیگم ہی کے حوالے سے حیدر خان کی بہت سی خواہشیں پوری کر دی تھیں۔ حیدر خان جانتا تھا کہ احمد اللہ بیگ کی کمزوری کیا ہے۔ جب احمد اللہ بیگ اس کے ذہن میں آئے تو اس نے اسی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ احمد اللہ بیگ کے پاس پہنچ گیا احمد اللہ نے اس کا استقبال کیا۔'' کہو حیدر خان، بہت دن کے بعد آنا ہوا، سب خیریت ہے نا!'''' آپ جانتے ہیں مرشد آپ سے کیا چھپا ہوا ہے۔ مجھے یقین ہے آپ کو سب کچھ معلوم ہے۔'''' ہاں، ہم جانتے ہیں۔'' بیگ صاحب نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا پھر بولے۔'' پہلے کبھی افسوس ہوتا تھا اب نہیں ہوتا۔ دنیا میں ہر شخص غرض کا بندہ ہے۔ مشکل میں پھنستا ہے تو مشکل بانٹنے والے یاد آتے ہیں ورنہ کون کسی کو پوچھتا ہے۔'' حیدر خان اپنی چال چل رہا تھا اور بیگ صاحب اپنی۔ حیدر خان جانتا تھا کہ بیگ صاحب کو اپنی تعریفیں سننے کا شوق ہے۔ سو اس نے یہیں سے آغاز کیا تھا اور بیگ صاحب جانتے تھے کہ اس طرح کے لوگ کسی نہ کسی مشکل میں گرفتار ہو کر ان کی طرف رخ کرتے ہیں۔ حیدر خان نے جلدی سے کہا۔'' درست فرمایا، انسان بیمار ہو کر ہی حکیم یا ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے مجھے آپ کی مدد درکار ہے۔'''' پوری بات تفصیل سے بتاؤ۔'''' آپ کو علم ہے کہ شمشیر احمد خاں میرے بہنوئی ہیں۔'''' ہاں...... جانتے ہیں۔'''' خاں صاحب نے چوتھی شادی کر لی ہے۔'''' بولتے رہو۔'' بیگ صاحب نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔ آنکھیں بند کرنے سے بہت سے راز چھپے رہ جاتے ہیں۔ اس وقت آنکھیں کھلی ہوتیں تو حیرت کی چغلی کھا دیتیں جبکہ بیگ صاحب ہر شے سے واقفیت کا اظہار کرنا شان سمجھتے تھے۔'' جہاں آرا بیگم کو خطرہ پیدا ہو گیا ہے کہ کہیں خاں صاحب دوسری بیوی کی طرح انہیں بھی حویلی سے نہ نکال دیں اور ان کا سورج ڈوب جائے۔'''' سورج کو ڈوبنے سے کون روک سکا ہے، کیا شمشیر نے اس طرح کا کوئی اظہار کیا ہے۔'''' آپ سے زیادہ کون جان سکتا ہے بیگ صاحب۔'''' ہماری جانکاری کا امتحان لے رہے ہو...... اپنی چتا بیان کرو، ہم کیا جانتے ہیں کیا نہیں جانتے یہ تم نہیں جان سکتے، کمال کرتے ہو۔'' بیگ صاحب جلال میں آ گئے۔'' معافی چاہتا ہوں، گستاخی ہو گئی۔ آپ پر اتنا یقین ہے کہ آپ کو کچھ بتاتے ہوئے شرمندگی ہوتی ہے، تعمیل حکم کر رہا ہوں۔'' حیدر خان نے مختلف واقعات سنا دیئے۔ بیگ صاحب نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔'' جانا پڑے گا۔ شمشیر احمد خاں کی حویلی جانا پڑے گا۔ اصل میں خانقاہ کی توسیع کرا رہا ہوں، کچھ کمی پڑ رہی ہے اخراجات کی، ہر محبت کرنے والے کو زحمت دے رہا ہوں، اسی میں مصروف تھا۔'''' میں تو بے حیثیت آدمی ہوں بیگ صاحب۔'''' ہمیں الٹا ان بھی دیتے ہو اور ہمارے سامنے جھوٹ بھی بولتے ہو۔ شمشیر احمد خاں کو اپنی بہن کا نذرانہ دینے کے بعد تم بے حیثیت کہاں رہے ہو۔ کیا ہم تمہاری حیثیت کی تفصیل تمہیں بتائیں۔'' بیگ صاحب کڑک کر بولے۔'' حضور قبلہ نے میری پوری بات نہیں سنی۔ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ میں تو بے حیثیت انسان ہوں، عظیم خانقاہ کی ضروریات کہاں سے پوری کر سکتا ہوں لیکن اس کار عزیز میں میری طرف سے کوئی کاوش ہو جائے تو میری ہی بہتری کے لئے ہے۔ یہ ایک چھوٹی سی......'' حیدر خان نے جیب سے ہزار کے نوٹوں کی دو گڈیاں نکالیں اور بیگ صاحب کے سامنے ڈال دیں۔ بیگ صاحب نے ایک سرسری نگاہ ان پر ڈالی اور بولے۔'' کمال ہے حیدر خان، سارے ادب و آداب بھول گئے، یہ کاغذ کے ٹکڑے، ہم اپنے ہاتھ میں لیں گے کیا تم نذرانہ بکس کو بھول گئے۔'' بیگ صاحب نے ایک طرف رکھے ہوئے بڑے سے بکس کی جانب اشارہ کیا۔ حیدر خان اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ نوٹوں کی گڈیاں اس نے بکس میں ڈالیں۔ بیگ صاحب دزدیدہ نگاہوں سے اس طرف دیکھ رہے تھے، حیدر خان جیسے آدمی سے یہ بات بعید نہیں تھی کہ بیگ صاحب کو دو گڈیاں دکھا کر ایک گڈی بکس میں ڈال دے اور دوسری لباس میں چھپا لے، لیکن حیدر خان نے یہ جرأت نہیں کی تھی اور احمد اللہ بیگ صاحب مطمئن ہو گئے تھے۔ حیدر خان پھر اس کے سامنے آ کر دو زانو بیٹھ گیا۔'' حضور بڑی عاجزی کے ساتھ حاضری دی ہے، بہن کی تسلی کے لئے اس سے کیا کہوں؟'''' کہہ دینا ہم آ رہے ہیں۔'' احمد اللہ بیگ صاحب نے جواب دیا۔ شمشیر احمد خاں کی معیت پاکیزہ کے لئے بری نہیں تھی۔ شمشیر احمد خاں معمول کے مطابق اس کے قدموں میں بچھ گئے تھے، دوسری بیویوں نے جس قدر اپنے آپ کو منوانے کے لئے جتن کئے تھے، پاکیزہ نے ایسا کچھ نہیں کیا تھا۔ وہ مکمل طور پر اپنی خوشیوں کا اظہار کرتی تھی جبکہ شمشیر احمد خاں اپنے تمام تر تجربے کی بنیاد پر یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرتے تھے کہ پاکیزہ کی ذہنی کیفیت کیا ہے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ پاکیزہ انتہائی زیرک تھی اور بڑی سمجھداری سے کام لے رہی تھی۔ آج تک اس نے جہاں آرا بیگم کے بارے میں اپنی کسی رائے کا اظہار نہیں کیا تھا۔ شمشیر احمد خاں کبھی کبھی جہاں آرا بیگم کے پاس بھی جاتے تھے۔ ان سے گھنٹوں باتیں کرتے تھے۔ واپسی پر پاکیزہ نے کبھی کسی قسم کے ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔ یہاں تک کہ ایک بار شمشیر احمد خاں صاحب پوچھ بیٹھے۔'' ایک سوال کروں پاکیزہ، تم بہت زیادہ صاحب ظرف ہو یا درگزر سے کام لے رہی ہو یا پھر تمہارے ذہن میں کچھ اور ہے، تم نے آج تک کبھی جہاں آرا بیگم سے کسی رقابت کا اظہار نہیں کیا، مجھے بتاؤ اس بارے میں تمہارے ذہن میں کیا خیالات ہیں۔'' پاکیزہ نے سپاٹ نگاہوں سے شمشیر احمد خاں کو دیکھا اور بولی۔'' دیکھئے، میں نے سچے دل سے آپ کو اپنے شوہر کی حیثیت سے قبول کیا ہے، میں دقیانوسی خیالات کی حامل نہیں ہوں، اتنا جانتی ہوں کہ شوہر کو مجازی خدا کہا گیا ہے اور ایک شوہر پرست عورت کا ایمان ہوتا ہے کہ آنکھیں بند کر کے شوہر پر بھروسہ کرے، آپ جہاں آرا بیگم سے ملتے ہیں لیکن میں نے کبھی آپ کی محبت میں کوئی کمی نہیں پائی۔ آپ مجھے بھرپور محبت دیتے ہیں اس کے بعد آپ جو کچھ کرتے ہیں اس پر نکتہ چینی یا اعتراض کر کے میں آپ کے ذہن کو پریشان کیوں کروں؟ دوسری بات یہ کہ آپ نے اپنی محبت اور مہربانی سے کام لے کر مجھ سے شادی کی ہے، جہاں آرا بیگم مجھ سے پہلے آپ کی بیگم تھیں، میں اس بات کو مدنگاہ رکھتی ہوں اور ان کو جو حق آپ دینا چاہتے ہیں میں اس پر اعتراض نہیں کرتی۔'''' واہ حقیقت یہ ہے کہ تمہارے ان الفاظ نے ہماری تم سے محبت ہزار گنا بڑھا دی ہے۔ جس قدر شفاف تمہارا چہرہ ہے، اتنا ہی شفاف تمہارا دل ہے اور ہم تمہارے شفاف پیکر کی عزت و احترام کرتے ہیں۔'' زندگی کے شب و روز گزر رہے تھے، شمشیر خاں پاکیزہ کو نہ صرف اعتشام الدین بلکہ ہاشم احمد صاحب کے پاس بھی لے جاتے تھے، ہاشم احمد کا انہوں نے انداز زندگی ہی بدل دیا تھا۔ یہ ان کی عادت تھی۔ اصل میں اتنا پیسہ اور اتنی دولت تھی کہ اس کو خرچ کرنے کے ذرائع نہیں تھے، چنانچہ جس پر تھوڑی سی نظر عنایت ہوتی کم از کم اس کی زندگی بہتر ہو جاتی، اس کے علاوہ انہوں نے پاکیزہ کو اپنے سیاسی معاملات میں بھی شریک کر لیا تھا اور سیاسی جوڑ توڑ کے بہت سے گر اسے سکھانا شروع کر دیئے تھے۔

پاکیزہ نے یہ شعبہ بھی قبول کر لیا تھا اور بڑی ذمے داری کے ساتھ خاں صاحب کے دوسرے امور میں نہ صرف دلچسپی لیتی تھی بلکہ کام بھی کرتی تھی۔ سارے سیاسی جوڑ توڑ اس کے علم میں آتے جا رہے تھے۔ وہ خاں صاحب کو اپنی مٹھی میں رکھنا چاہتی تھی۔ بہنوں کے رشتے بھی خاں صاحب ہی کی وجہ سے آئے اور پھر ان کی شادی جس دھوم دھام سے ہوئی اعتشام الدین اور ہاشم احمد نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ خاں صاحب جیسی شخصیت کے داماد بننے کے بعد ہاشم احمد صاحب کا سماجی مرتبہ بے حد بلند ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ خاں صاحب کے عطیات نے ان کے طرز زندگی کو بھی مکمل طور پر تبدیل کر دیا تھا، یہ سارے معاملات چل رہے تھے اور جہاں آرا بیگم کانٹوں کے بستر پر لوٹ رہی تھیں۔ یہاں تک کہ ایک دن اچانک ہی احمد اللہ بیگ پہنچ گئے۔ خاں صاحب نے ان کا پرتپاک استقبال کیا تھا۔ احمد اللہ بیگ نے مسکراتے ہوئے کہا۔'' زندگی میں اپنی خوشیاں تنہا ہی سمیٹ لیتے ہو، کبھی ہمیں بھی ان میں شریک کرتے۔'''' بس میرے فیصلے اچانک ہی ہوتے ہیں بیگ صاحب، اگر آپ کا اشارہ میری نئی شادی کی طرف ہے تو آپ یقین کیجئے بہت زیادہ سوچ سمجھ کر یا کسی لمبے پروگرام کے تحت میں نے یہ شادی نہیں کی۔'''' بہت اچھا کیا، میری طرف سے مبارکباد۔'' بیگ صاحب نے کہا۔ بیگ صاحب کا تعارف بڑے احترام اور عزت کے ساتھ پاکیزہ سے بھی کرایا گیا اور پاکیزہ نے بیگ صاحب کا بھرپور احترام کیا۔ احمد اللہ بیگ نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا اور ان کے ذہن میں ایک لہر سی دوڑ گئی۔ بیگ صاحب جب بھی شمشیر احمد خاں کی حویلی میں آتے تھے ہفتہ بلکہ کبھی کبھی مہینوں قیام کیا کرتے تھے۔ شمشیر احمد خاں بھی اچھی خاصی عقیدت رکھتے تھے ان سے۔ بیگ صاحب جو کچھ بھی کہتے تھے شمشیر احمد خاں وہ سب کچھ کر دیا کرتے تھے۔ اس بار بھی شمشیر احمد خاں نے بیگ صاحب کو احترام سے ان کے کمرے تک پہنچا دیا اور ان پر ملازم تعینات کر دیئے کہ بیگ صاحب کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ تین دن تک بیگ صاحب ہر چیز سے لاتعلق رہے، تیسرے دن شمشیر احمد خاں خود ہی پاکیزہ کو لے کر زمینوں پر کسی کام سے چلے گئے۔ اب اکثر ہونے لگا تھا کہ وہ اپنے کسی بھی اہم کام پر جاتے، پاکیزہ ان کے ساتھ ہوا کرتی تھی۔ انہوں نے پاکیزہ کو اپنی زمینوں کے امور سے بھی اچھی طرح آگاہ کر دیا تھا اور وہ اپنی ذہانت و فراست سے انہیں بہترین مشورے دیا کرتی تھی۔ حیدر خان نے بیگ صاحب کو بتا دیا کہ وہ اگر خاں صاحب کی حویلی میں پہنچے گا تو سب کو علم ہو جائے گا، اس لئے وہ خود ہی جہاں آرا بیگم سے بات کر سکتے تھے، جہاں آرا بیگم کے دور اقتدار میں بیگ صاحب کئی بار وہاں جا چکے تھے اور جہاں آرا بیگم سے ان کی شناسائی تھی۔ البتہ ان تین دنوں میں انہوں نے جہاں آرا بیگم کی جانب کوئی توجہ نہیں دی تھی، ان کا نظریہ یہ تھا کہ پاکیزہ سے زیادہ التفات کا اظہار کریں تاکہ خاں صاحب کو کوئی شبہ نہ ہو سکے، لیکن خاں صاحب کے جانے کے بعد وہ جہاں آرا بیگم کے پاس پہنچ گئے، جہاں آرا بیگم نے آنسوؤں کی نمی میں ان کا استقبال کیا تھا۔'' میں جانتا ہوں تمہارے دل پر کیا بیت رہی ہے، لیکن وقت اپنی آواز خود ہی بلند کرتا ہے۔ تم خاموشی سے جو کچھ سہتی رہی ہو مجھے اس کا اندازہ ہے اب میں آ گیا ہوں، کچھ وقت یہاں رہ کر عملیات کروں گا اور بلاتکلف میں تمہیں یہ بات بتا دوں کہ اس سلسلے میں اخراجات ہوں گے۔'''' میرے پاس بہت کچھ ہے، خاں صاحب کے دور عنایت میں جو کچھ مجھے ملا ہے میں حاضر کئے دیتی ہوں۔'' بیگ صاحب کو جو کچھ ہاتھ لگا انہوں نے سمیٹا اور اسے اپنے پاس پوشیدہ کر لیا۔ شمشیر احمد خاں کی واپسی پر وہ آگے کا عمل دہرانا چاہتے تھے، سلسلہ جاری رہا اور جب تین چار دن کے بعد شمشیر احمد خاں واپس آ گئے تو انہوں نے کہا۔'' میں آپ کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا خاں صاحب، دیکھیں ہزار دوست ہزار دشمن بلکہ ہر صاحب حیثیت شخص کے دشمن زیادہ ہوتے ہیں اور دوستی کا اظہار صرف وہ کرتے ہیں جنہیں آپ سے مراعات حاصل کرنے کی حاجت ہو۔ یہاں آنے کے بعد اندازہ ہوا ہے کہ دشمن اس وقت کچھ زیادہ ہی سرگرم عمل ہیں اور یہ کہوں گا کہ آپ کی محبت یہاں کھینچ لائی ہے، چلہ کشی کرنا چاہتا ہوں، باغ کے ایک گوشے میں وہاں کسی کے آنے کی منادی کرا دی جائے۔'''' آپ جس طرح مناسب فرمائیں بیگ صاحب۔'' خاں صاحب نے کہا۔ بڑی عجیب بات ہے، بڑے بڑے زیرک اور ہوشیار لوگ بعض اوقات ایسی کمزوریوں کا شکار ہو جاتے ہیں کہ یقین نہیں آتا۔ بہرحال بیگ صاحب نے چلہ شروع کر دیا اور خاں صاحب کی حویلی کا ایک گوشہ ان کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔ پاکیزہ کو اس وقت تک کوئی احساس نہیں تھا جب تک کہ اس نے جہاں آرا بیگم اور بیگ صاحب کے گٹھ جوڑ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ اور کانوں سے نہ سن لیا، تقدیر نے شاید اس کا ساتھ دیا تھا۔

(جاری ہے)

تتلی

(ایم اے راحت)

قسط:8

بالکل اتفاق تھا۔ بیگ صاحب چلہ گاہ میں آکر بیٹھے تھے کہ جہاں آرا بیگم ان کے پاس پہنچ گئیں۔ پاکیزہ بالکل اتفاقیہ طور پر اس وقت چلہ گاہ کے عقبی حصے میں اپنے پسندیدہ پھولوں کے کنج کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ چمپا کی مدھم مدھم خوشبو اسے بے پناہ پسند تھی۔ ایک بار اسی چمپا کے قدموں میں اس نے ایک خوبصورت سانپ دیکھا تھا۔ چاندی کی طرح چمکتا ہوا۔ نجانے کیوں اسے سانپ کا یہ رنگ و روپ اپنا جیسا محسوس ہوا تھا۔ سانپ کا تذکرہ اس نے کبھی کسی سے نہیں کیا، لیکن اب وہ اکثر اس کنج کے پاس آکر بیٹھ جاتی تھی۔ نجانے کیوں اسے اس سانپ کی تلاش تھی۔ وہ خود اپنے آپ کو اس سوال کا جواب نہیں دے سکی تھی۔ اس وقت بھی وہ کھوئی کھوئی بیٹھی تھی کہ اسے دوسری جانب مدھم مدھم سرگوشیوں جیسی آواز سنائی دی اور وہ چونک پڑی۔ اس بات کا اسے علم تھا کہ تھوڑے فاصلے پر بیگ صاحب چلہ کشی کررہے ہیں لیکن یہ سرگوشی کیسی ہے۔ تجسس اس کی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، چنانچہ دبے قدموں اس باڑھ کے پاس آ بیٹھی جس سے اگر جھانک کر دیکھا جاتا تو احمد اللہ بیگ نظر آجاتے جو ایک بڑی سی دری بچھا کر بیٹھ جاتے تھے، ان کے پاس پانی کی مٹکی، مٹی کا آبخورہ اور ایسی ہی چند چیزیں رکھی ہوا کرتی تھیں۔ پاکیزہ نے پرتجسس انداز میں جھانک کر دوسری طرف دیکھا اور اس کے چہرے پر حیرت کے نقوش ابھر آئے۔ جہاں بیگم دری پر بیگ صاحب کے سامنے بیٹھی ہوئی تھیں، بیگ صاحب ہزارہ تسبیح پر کچھ پڑھ رہے تھے۔ کچھ لمحوں کے بعد انہوں نے تسبیح کو پھونک ماری اور اسے گلے میں ڈال کر جہاں آرا بیگم کی جانب متوجہ ہوگئے، پھر بولے۔ "وظیفے کے دوران بولا نہیں جاسکتا جہاں آرا بیگم، اب بتایئے آپ کیا کہہ رہی تھیں؟" "آپ سے اپنی بے چینی کا اظہار کرنے آئی تھی بیگ صاحب، میں کانٹوں کے بستر پر جی رہی ہوں۔ ایک ایک لمحہ زندگی عذاب بن کر گزر رہی ہے مجھ پر۔ کبھی کبھی تو دل چاہتا ہے کہ خودکشی کرلوں۔ خان صاحب کی بے التفاتی مجھ سے برداشت نہیں ہوتی میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس کمبخت کو اپنے ہاتھوں سے زہر دے دوں، لیکن بزدل ہوں ایسا بھی نہیں کرسکتی۔" جہاں آرا بیگم چپ ہوئیں تو بیگ صاحب بولے۔ "بولتی رہو، کم از کم دل کا بوجھ تو نکل جائے۔" "میں نے حیدر خان سے فون پر بات کی تھی، کہنے لگے کہ صبر کروں اور انتظار کروں، احمد اللہ بیگ صاحب پوری تیاریوں کے ساتھ یہاں پہنچے ہیں۔ ان کی خدمت کرتی رہو، مجھے بتایئے بیگ صاحب میں آپ کی اور کیا خدمت کروں۔" "دیکھو جہاں آرا بیگم دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں، ہرچند کہ یہاں دیواریں نہیں ہیں، لیکن احتیاط کرنا بڑا ضروری ہے۔ تم اس طرح میرے پاس نہ چلی آیا کرو، کسی کو بھی شک ہوسکتا ہے کہ میں پاکیزہ کا کانٹا صاف کرنے کے لئے یہاں آیا ہوں، میں بڑی احتیاط سے کام لے رہا ہوں، لیکن تم اس بے چینی کا اظہار کرکے کہیں کوئی نقصان نہ اٹھا لینا۔" "کم از کم اور کچھ نہیں تو مجھے دلی سکون کے لئے کچھ دیجئے۔ انسان ہوں، عورت ہوں، سب کچھ برداشت کرسکتی ہوں، اپنی ملکیت میں کسی کا حصہ ناقابل برداشت ہے، اس کمبخت عورت کو جتنی جلدی ہوسکے راستے سے ہٹا دیجئے۔" "یہی تو کررہا ہوں مجھے سکون سے کام کرنے دو، ہر بڑے کام میں کچھ نہ کچھ وقت لگتا ہے۔ تم جلد بازی کروگی تو میں کچھ نہیں کرسکوں گا۔ لو یہ پانی پی لو۔" بیگ صاحب نے مٹی کے آبخورے میں مٹکی سے پانی نکالا اور جہاں آرا بیگم کو پیش کردیا۔ جہاں آرا بیگم نے دونوں ہاتھوں سے آبخورہ پکڑ کر بڑی عقیدت سے اسے ہونٹوں سے لگالیا پھر بولی۔ "معافی چاہتی ہوں بیگ صاحب، بس اس وقت خاں صاحب حویلی میں موجود نہیں تھے، میں اپنے دل کی لگی کو لے کر آپ کے پاس آگئی۔" "ٹھیک ہے جاؤ، اب آرام کرو، سکون مل جائے گا تمہیں اور تمہارا کام بھی ہوجائے گا۔" پاکیزہ حیرت سے منہ کھولے یہ ساری باتیں سن رہی تھی۔ جہاں آرا بیگم چلی گئیں۔ پاکیزہ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹتے رہے پھر ایک جھٹکے سے وہ سنبھل گئی جیسے کوئی خواب دیکھ رہی ہو۔ اس طرف اس کی کبھی توجہ نہیں ہوئی تھی، کبھی پیری فقیری کے بارے میں نہیں سوچا تھا، بیگ صاحب آئے تھے تو خاں صاحب کے ایماء پر اس نے ان کا احترام کیا تھا لیکن یہ ڈرامہ جہاں آرا بیگم کا بے لیا ہے آج ہی معلوم ہوا تھا، وہ اپنی جگہ سے ہٹ آئی، اپنی آرام گاہ میں اپنے بستر پر بیٹھ کر اس نے کہا۔ "جہاں آرا بیگم! کھیل تم نے شروع کیا ہے یاد رکھنا تم پاکیزہ کے مقابلے پر آئی ہو اور پیر صاحب آپ مجھے خاں صاحب کی نگاہوں سے گرانے میں لگے ہوئے ہیں، اس زندگی کو حاصل کرنے کے لئے بڑی قربانی دی ہے میں نے اور آپ اسے مجھ سے چھیننا چاہتے ہیں، کبھی یہ بات میرے ذہن میں نہیں تھی کہ اپنے آپ کو کسی کی حکومت میں دوں گی، اقتدار حاصل کرنے کے لئے ایک مقام حاصل کرنے کے لئے میں نے اپنے پندار کی قربانی دی ہے اور آپ اسی قربانی کو ضائع کردینا چاہتے ہیں، آپ بھی کیا یاد کریں گے کہ کس سے پالا پڑا تھا۔ آپ سے مقابلہ کرکے مجھے خوشی ہوگی کیونکہ آپ ٹھہرے زمانے بھر کے گھاگ اور میں ہوں ایک معصوم لڑکی، آپ کی موت میرے ہاتھوں ہو تو کیا ہی پرلطف بات ہوگی۔" اب یہ تو اس کے معیار کے خلاف تھا کہ خاں صاحب کو ان دونوں کی حقیقت بتادے پھر تو کوئی کھیل نہ ہوا، خاں صاحب یقین کریں یا نہ کریں، خاں صاحب اس کی ہر بات آنکھیں بند کرکے مان لیا کرتے تھے، لیکن یہ عاملوں کا چکر ذرا مختلف ہوتا ہے۔ انسان اس کے جال میں پھنستا ہے تو بہت سی چیزوں کو فراموش کردیتا ہے کوئی ترکیب، کوئی آئیڈیا، ایسا جو منفرد ہو وہ اسی سوچ میں ڈوب گئی تھی۔ ذہن تو بے مثال پایا تھا، سوچ کے سمندر سے آخر ایک موتی نکال ہی لائی۔ پاکیزہ خاں صاحب کے بیڈروم میں حسین ترین مسہری پر گہری نیند سو رہی تھی۔ خاں صاحب اکثر راتوں کو جاگ جاگ کر اس کا چہرہ دیکھا کرتے تھے اور سوچتے تھے کہ یہ گوہر بے بہا ان کی ملکیت ہے۔ اس وقت بھی وہ اس کا سوتا ہوا چہرہ دیکھ رہے تھے کہ اچانک انہوں نے پاکیزہ کے چہرے پر خوف کے آثار ابھرتے ہوئے دیکھے، اس کی چمکدار پیشانی شکن آلود ہوگئی تھی، ہونٹ کھل گئے تھے اور موتیوں جیسے دانت چمکنے لگے تھے، لیکن چہرے پر خوف کا ایک انداز تھا اور پھر خوف کا یہ انداز ایک دہشت زدہ چیخ میں تبدیل ہوگیا اور خاں صاحب اچھل کر اس کے پاس پہنچ گئے۔ "پاکیزہ کیا ہوا، کیا ہوگیا، کیا بات ہے پاکیزہ، پاکیزہ جاگو۔" انہوں نے اسے جھنجوڑ ڈالا اور پاکیزہ سہمے ہوئے سانس لیتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر اس نے اپنا سر خاں صاحب کے سینے سے لگا دیا اور زار و قطار رونے لگی۔ خاں صاحب حتی الامکان اسے دلاسے دیتے رہے۔ اسے اٹھ کر پانی پلایا اور پھر اسے تسلیاں دیتے رہے، پاکیزہ بمشکل تمام خاموش ہوئی تھی۔ اس نے خاں صاحب کو دیکھا اور ایک بار پھر ان کے سینے سے سر لگا دیا۔ "ہوا کیا پاکیزہ، خواب دیکھا ہوگا، کیا خواب دیکھا ہے؟" پاکیزہ کچھ لمحے خوف سے ان کا چہرہ دیکھتی رہی پھر بولی۔ "کیا آپ مجھ سے دور چلے جائیں گے؟" "خواب دیکھا ہے نا پاکیزہ، خوابوں پر بھروسہ نہیں کرتے، میں تم سے دور کیوں چلا جاؤں گا۔ اس کا کیا سوال ہے؟" "وہ کانٹوں بھرا ہاتھ، وہ کانٹوں بھرا ہاتھ جو آپ کو میرے قریب سے کھینچ لیتا ہے اور پھر آپ خلا میں تحلیل ہوتے چلے جاتے ہیں اور ایک نقطے میں تبدیل ہوجاتے ہیں، کس کا ہے وہ کانٹوں بھرا ہاتھ، وہ ہاتھ کس کا ہے؟" خاں صاحب ہنسنے لگے پھر بولے۔ "کسی کا نہیں ہے، یہ صرف تمہارا خواب ہے۔" "نہیں، نجانے کیوں میرا دل یہ کہتا ہے کہ یہ خواب نہیں ہے، آہ کچھ کیجئے، کچھ ہو رہا ہے، میں نے ایک بزرگ خاتون سے سنا تھا کہ ایسے ویسے خواب اچھے نہیں ہوتے۔ ان کا کچھ نہ کچھ سدباب کرنا ہوتا ہے۔" "کرلیں گے، اوہاں اس وقت تو ہمارے پاس ایک بہترین موقع ہے، بیگ صاحب آئے ہوئے ہیں، وہ ہماری بہتری کے لئے چلہ کشی کررہے ہیں، ہاں، تم ٹھیک کہتی ہو پاکیزہ، کچھ گڑبڑ تو ہے انہوں نے کچھ دشمنوں کا تذکرہ کیا ہے خیر تم فکر مت کرو، صبح کو بیگ صاحب کے پاس چلیں گے، تم انہیں اپنا پورا خواب سنانا، وہ ضرور ہمارے لئے کوئی دعا تعویذ کریں گے۔" خاں صاحب نے تسلی دی اور پاکیزہ کو بستر پر لٹا دیا۔ دل ہی دل میں پاکیزہ مسکرا رہی تھی، جو آغاز اس نے کیا تھا وہ بہرحال بھرپور ذہانت کے ساتھ کیا تھا۔ دوسری صبح ناشتے کے بعد خاں صاحب پاکیزہ کو لے کر بیگ صاحب کے پاس پہنچ گئے۔ احمد اللہ بیگ نے گہری نگاہوں سے دونوں کو دیکھا تھا۔ "آپ نے ہمارے دشمنوں کی نشاندہی کی ہے بیگ صاحب۔ میرے خیال میں آپ کی یہاں آمد اور ہماری بہتری کے لئے کام کرنے کی خبر ہمارے دشمنوں تک پہنچ گئی ہے اور انہوں نے اپنی شیطانی کارروائیاں تیز کردی ہیں، میں آپ کو پاکیزہ کے خواب کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔"

"میں ان کے چہرے پر تردد دیکھ رہا ہوں۔" بیگ صاحب نے پاکیزہ کے چہرے پر نگاہ ڈال کر کہا۔ یہ لمحات بہت کم آئے تھے کہ بیگ صاحب نے پاکیزہ کا چہرہ غور سے دیکھا ہو۔ ایک نگاہ ضرور ڈالی تھی اور انگشت بدنداں رہ گئے تھے لیکن جس مقصد کے لئے آئے تھے اس کی تکمیل کے لئے انگلی دانتوں سے نکالنی ضروری تھی۔ ہاں اس وقت انہوں نے ضرورت کے تحت اس چہرے کو دیکھا تھا اور پھر بھٹک گئے تھے۔ "پاکیزہ آپ بیگ صاحب کو اپنا خواب سنایئے۔" پاکیزہ نے نہایت معصومیت سے خوفزدہ آواز اور خوفزدہ چہرے کے ساتھ بیگ صاحب کو خواب سنایا۔ اس دوران بیگ صاحب نے بار بار پاکیزہ کا چہرہ دیکھا تھا اور ان کے خیالات بھٹکتے رہے تھے۔ دشمن کو اتنا حسین نہیں ہونا چاہئے کہ دشمنی کا سارا مزہ ہی جاتا رہے۔ انہوں نے سوچا تھا بے اختیار ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ حسن کی اس مورت کو تو زیادہ سے زیادہ ان کی قربت میں ہونا چاہئے، جعلسازی سے بہت کچھ کمایا تھا لیکن کبھی کسی کے حسن کا شکار نہیں ہوئے تھے۔ بہرحال سنبھل کر بولے۔ "خواب واقعی اچھا نہیں ہے، حالانکہ خوابوں کو برا نہیں کہنا چاہئے، ایک زحمت کرنا ہوگی چھوٹی بیگم صاحبہ کو۔" "جی جی فرمایئے۔" "تین دن تک انہیں ہمارے پاس آنا ہوگا، جہاں ہم چلہ کشی کرتے ہیں وہاں یہ ہمارے سامنے بیٹھیں گی اور ہم ایک عمل کریں گے۔ کوئی ایک گھنٹہ انہیں ہمارے ساتھ گزارنا ہوگا ہم یہ کہنے کی جسارت تو نہیں کرسکتے کہ آپ بھی ان کے ساتھ آجایا کریں لیکن جو ضرورت ہم محسوس کررہے ہیں وہ یہی ہے کہ انہیں کم از کم تین دن اور ہوسکتا ہے کہ یہ عرصہ سات دن ہوجائے، انہیں ہمارے سامنے رہنا ہوگا۔ ہم ان پر پڑھ کر پھونکیں گے، لیکن ایک بات کا خیال رکھئے کہ اس جگہ کسی اور ذی روح کو نہیں ہونا چاہئے ورنہ عمل کے بگڑ جانے کا خدشہ ہوگا۔" "آپ آغاز کیجئے قبلہ، ہمارے لئے تو آپ ایک بزرگ ہیں، ہمارے رہنما، ہمارے سرپرست اور ہمارے لئے پناہ کا حصار قائم کرنے والے، آپ جب حکم دیں پاکیزہ آپ کی خدمت میں حاضری دے دیا کریں گی۔" "کل مبارک دن، مبارک ساعت ہے، رات کو جب حویلی میں سناٹا ہوجائے، آپ انہیں ہمارے پاس آنے کی زحمت دیں، ہم عمل کا آغاز کردیں گے۔" پاکیزہ خاں صاحب کے ساتھ واپس آگئی۔ تمام باتیں اس نے سنی تھیں، پھر وہ بولی۔ "عجیب نہیں لگے گا، میں نے تو اپنی زندگی میں یہ سب کچھ نہیں دیکھا۔" "اصل میں احمد اللہ بیگ صاحب جس قدر معتبر انسان ہیں ہمارے لئے اور جس طرح ہم ان کی عنایتوں کے زیر بار رہے ہیں اس کے تحت میں ان کی بے پناہ عزت کرتا ہوں، تم بالکل بے فکر ہوکر وہاں جاؤ، بلکہ میں خود تمہیں چھوڑ دیا کروں گا اور جب تم وہاں سے فراغت حاصل کرلوگی تو میں تمہیں لے لیا کروں گا، حالانکہ اس کی ضرورت نہیں ہے، یہ صرف میں تمہاری وجہ سے کہہ رہا ہوں۔" "آپ کو میری وجہ سے اپنی نیندیں خراب کرتا ہوں گی، چھوڑیئے اللہ مالک ہے، سب کچھ کرنے والا تو وہی ہے، بلاوجہ ہم لوگ وہم کیوں کریں۔" "پاکیزہ، جب ہم نے بیگ صاحب سے مدد لینے کا وعدہ کرلیا ہے تو ہمیں منحرف نہیں ہونا چاہئے، ویسے بھی اللہ والوں سے کئے ہوئے وعدے کا پاس بہت ضروری ہے ورنہ نقصانات بھی ہوسکتے ہیں۔" پاکیزہ خاموش ہوگئی، لیکن اس کا دل چاہ رہا تھا کہ قہقہے لگائے، اب اتنی بھی دنیا سے ناواقف نہیں رہی تھی کہ نگاہوں کی چمک کو نہ پہچان سکے اور پھر یہ تو اس کا محبوب مشغلہ تھا اور کیا ہی کیا تھا اس نے زندگی میں۔ احمد اللہ بیگ صاحب سے اس کی کوئی نسل نہ ہوتی اگر اسے یہ پتہ نہ چل جاتا کہ احمد اللہ بیگ صاحب دراصل جہاں آرا بیگم کی خواہش پر یہاں آئے ہیں اور اس کے خلاف کام کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے مقابلوں کی تو وہ منتظر رہا کرتی تھی۔ دوسرے دن خاں صاحب خود اسے احمد اللہ بیگ صاحب کے پاس چھوڑ کر آئے، بیگ صاحب کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں، مصلہ بچھائے بیٹھے ہوئے تھے، کچھ خاص چیزوں کا اضافہ کردیا گیا تھا جو عمل کے لئے ضروری تھیں۔ خاں صاحب سے بولے۔ "کسی انسان کے سانس کی خوشبو تک ہمارے پاس نہیں پہنچنی چاہئے، آپ براہ کرم اس کا انتظام فرما دیجئے گا۔" "آپ بالکل بے فکر رہیں، دور دور تک کوئی نہیں آئے گا، میں بھی جارہا ہوں۔ پاکیزہ! جس وقت بیگ صاحب آپ کو واپسی کی اجازت دیں آپ آجایئے گا۔" "ٹھیک ہے۔" پاکیزہ نے کہا۔ شمشیر احمد خاں چلے گئے اور بیگ صاحب نے پاکیزہ کو دوزانو بیٹھنے کے لئے کہا اور پھر خود بھی اس کے سامنے بیٹھ گئے۔ "ہم عمل پڑھیں گے اور ہماری نگاہیں آپ کے چہرے پر ہوں گی، آپ چاہیں تو نگاہیں جھکا سکتی ہیں۔" پاکیزہ نے گردن ہلا دی اور بیگ صاحب حسن بے مثال سے سیراب ہونے لگے۔ ان کی نگاہیں پاکیزہ کا طواف کررہی تھیں اور کوئی وظیفہ پڑھنے کے بجائے وہ دل ہی دل میں پاکیزہ کی مدح سرائی کررہے تھے کہ کیا حسن پایا ہے، کتنی ہی بار انہوں نے سوچا کہ کاش عمر رفتہ واپس آجائے اور اس گوہر نایاب کی قربت زندگی کو جلا بخش دے، نگاہیں سیراب ہوجاتیں تو آنکھیں جھکا لیتے۔ پھر کچھ اور سوچا، آبخورے میں پانی لیا اور پاکیزہ سے بولے۔ "اپنے دونوں ہاتھ سامنے کردیجئے۔" پاکیزہ نے ہاتھ سامنے کئے تو بیگ صاحب نے ان ہاتھوں پر پانی کا چھڑکاؤ کیا اور پھر انہیں اپنے کاندھے پر پڑے ہوئے رومال سے صاف کیا۔ وقت اس طرح گزر گیا کہ احساس بھی نہ ہوا، پاکیزہ کہنے لگی۔ "میں جاؤں۔" "ایں..... ہاں جایئے، کل آنا نہ بھولیے۔" پاکیزہ چلی گئی، بیگ صاحب کی بدحواسیوں کو وہ اچھی طرح محسوس کرتی رہی تھی اور دل ہی دل میں مسکراتی رہی تھی۔ یہ جنگ دو دشمنوں کے درمیان تھی۔ بیگ صاحب تو کیا کرتے لیکن پاکیزہ پہلے مرحلے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ دوسرے دن وہ بیگ صاحب کے سامنے پہنچی اور ان کی ہدایت پر دوزانو بیٹھ گئی لیکن آج اپنے نئے منصوبے کے تحت اس نے اپنی کیفیت میں کچھ غنودگی سی پیدا کرلی تھی اور بار بار اس کی آنکھیں جھک جایا کرتی تھیں۔ وہ بیگ صاحب کو مزید ترغیب دے رہی تھی، لیکن بیگ صاحب بس اس لکیر کے پیچھے تھے جو ان کے اور پاکیزہ کے درمیان بنی ہوئی تھی زیادہ آگے بڑھنے کی جرأت وہ کبھی نہیں کرسکتے تھے۔ البتہ اس غنودگی کو دیکھ کر ان کے دل میں کئی بار سفلی خیالات پیدا ہوئے۔ وہ اپنے آپ کو سنبھالنے کی لاکھ کوششیں کرتے تھے لیکن دل وحشی بار بار مچل جاتا تھا، پھر انہوں نے خود ہی پاکیزہ کو ہوشیار کیا اور بولے۔ "آپ شاید دن میں سونے کی عادی ہیں، آج جاگتی رہی ہیں کیونکہ اس وقت آپ پر غنودگی کا انتہائی غلبہ ہے۔" "یہ بات نہیں ہے، نجانے کیوں آپ کے سامنے آکر مجھ پر یہ غنودگی طاری ہوتی ہے اور ذہن خیالات سے خالی ہوجاتا ہے۔" "ایں..... ایسا کیوں ہوتا ہے؟" بیگ صاحب کے منہ سے آہستہ سے نکلا، لیکن پھر انہوں نے خود کو سنبھال لیا۔ پاکیزہ واپس چلی گئی تھی۔ بیگ صاحب سوچ میں ڈوبے رہے اور طرح طرح کے خیالات ان کے دل میں رقص کرتے رہے، کیا پاکیزہ بھی ان سے متاثر ہوگئی ہے۔ ان کی علمیت اور روحانیت یا پھر ان کی شخصیت سے۔ پاکیزہ تیسرے دن بھی آئی اور آنے کے بعد اس نے اسی طرح کا اظہار کیا۔ وہ کہنے لگی کہ جب بھی میرے قدم آپ کی جانب اٹھتے ہیں تو میں کھو جاتی ہوں۔ بہرحال تین دن گزر گئے، چوتھے دن اتفاق سے خاں صاحب کو کہیں جانا پڑ گیا۔ چار دن کے بعد واپس آئے تھے، لیکن پاکیزہ کی یہ کیفیت تھی کہ وہ ہر رات کو اٹھ کر اس انداز میں چلتی ہوئی بیگ صاحب کے پاس پہنچ جاتی تھی جیسے نیند میں چل رہی ہو، پوری پلاننگ تھی اس کے ذہن میں اور وہ اپنے منصوبے میں کامیاب ہوتی جارہی تھی۔ ادھر کئی بار جہاں آرا بیگم بھی بیگ صاحب سے ملاقات کرچکی تھی، اس کو بھی یہ بات پتہ چل گئی تھی کہ پاکیزہ رات کو بیگ صاحب کے پاس جاتی ہے، اس نے اس سلسلے میں بیگ صاحب سے سوالات کئے تھے۔ "عجیب انسان ہو تم جہاں آرا بیگم، میں تمہارے لئے ہر طرح کا خطرہ مول لئے ہوئے ہوں، عمل کررہا ہوں اس پر تاکہ وہ خود تمہارا راستہ چھوڑ دے اور تم عجیب سے سوالات کررہی ہو مجھ سے۔" "میری کیا مجال حضور، میں تو بس اس تشویش کا شکار ہوں، آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ اس قدر زخم خوردہ ہوگئی ہوں ہر وقت دل جیسے کوئی مٹھی میں لے کر مسلتا رہتا ہو۔" خاں صاحب واپس آگئے، بہت سی محبت بھری باتیں پاکیزہ سے کیں، کہنے لگے۔ "حقیقت یہ ہے پاکیزہ کہ میں زندگی میں پہلی بار کسی سے اتنا متاثر ہوا ہوں، تمہارے بغیر ایک لمحے کے لئے جی نہیں لگتا اور اب میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ تمہارے بغیر گھر سے باہر نکلوں گا ہی نہیں۔" پاکیزہ ہنس دی تھی۔ رات کے کوئی سوا بارہ بجے تھے، خاں صاحب تمام امور سے فراغت حاصل کرکے بیڈروم میں جاچکے تھے، پاکیزہ بھی سونے کے لئے لیٹ گئی۔ سوا بارہ یا ساڑھے بارہ بجے ہیں پر پاکیزہ اپنی جگہ سے اٹھی اور ایک مخصوص انداز میں چلتی ہوئی دروازے تک پہنچی۔ خاں صاحب چونک کر اسے دیکھنے لگے تھے پاکیزہ کے چلنے کے انداز پر انہیں کچھ شبہ سا ہوا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے، انہیں یاد بھی نہیں رہا تھا کہ پاکیزہ بیگ صاحب کے پاس جاتی رہی ہے۔ پاکیزہ جس انداز میں چل رہی تھی اس سے یہی احساس ہوتا تھا کہ وہ سوتے میں چل رہی ہے اور پھر جب وہ عقبی باغ کے حصے میں داخل ہوئی تو خاں صاحب کو ایک دم یاد آگیا وہ حیران رہ گئے۔ پاکیزہ کے چلنے کے انداز پر انہیں شدید حیرت ہورہی تھی۔ یہ "سب کیا ہے؟" وہ سوچ رہے تھے۔ ان کے ذہن میں شدید تجسس جاگ اٹھا تھا۔ وہ احتیاط سے پاکیزہ کا پیچھا کرتے ہوئے اس باڑھ کے عقب میں پہنچ گئے، جس کے دوسری طرف بیگ صاحب ڈیرہ جمائے ہوئے تھے۔ اس بات سے بے خبر کہ وہ جس کا پیچھا کررہے ہیں وہ ان کے قدموں کی ایک ایک جنبش سے باخبر ہے۔ ایک انتہائی چالاک عورت جس کی پلاننگ باقی سب لوگوں سے زیادہ کامیاب تھی۔ اس نے بھرپور منصوبہ بندی کی تھی۔ کئی دن سے یہ انداز اختیار کرکے اس نے بیگ صاحب کے گرد جال تیار کیا تھا اور اب اس ڈرامے کا کلائمکس تھا۔ وہ جان بوجھ کر اس طرح آہٹیں پیدا کرکے اپنی جگہ سے اٹھی تھی کہ خاں صاحب اگر سو بھی رہے ہوں تو جاگ جائیں۔ وہ خاں صاحب کو یہ سارا ڈرامہ دکھانا چاہتی تھی۔ بہرحال وہ ایسی چال چلتی ہوئی باغ کے اس گوشے میں پہنچ گئی جہاں بیگ صاحب اس کا انتظار کررہے تھے وہ قریب پہنچ کر بیگ صاحب کے سامنے دوزانو بیٹھ گئی۔ اصل میں جب کسی کا برا وقت آتا ہے تو حالات اس کے لئے بھرپور جال بن دیتے ہیں۔ بیگ صاحب بھی آج کچھ زیادہ ہی بے اختیار ہوگئے تھے، بڑے رومانی لہجے میں بولے۔ "آہ میں کیا کروں تیرے لیے پاکیزہ، اگر تو اتنے بڑے آدمی کی بیوی نہ ہوتی تو خدا کی قسم میں تجھے یہاں سے لے کر فرار ہوجاتا۔ تو نے اس عمر میں میرے دل و دماغ پر قبضہ کرلیا ہے، میں اب یہ محسوس کرتا ہوں کہ میں تیرے بغیر رہ ہی نہیں سکتا، وہ کونسی ترکیب ہو جو میں تجھے یہاں سے لے کر نکل جاؤں۔"

پاکیزہ خاموش بیٹھی ہوئی تھی، اس کی گردن جھکی ہوئی تھی اور سر سینے پر ٹکا ہوا تھا، اس نے گردن اٹھائی اور بولی۔ "میرے لئے کیا حکم ہے میرے آقا؟" خاں صاحب کی آنکھیں شدت حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے پاکیزہ اور احمد اللہ بیگ صاحب کو دیکھ رہے تھے، احمد اللہ بیگ نے کہا۔ "ابھی میں تیرا آقا کہاں ہوں، میرا دماغ تو دن رات اسی ادھیڑبن میں لگا رہتا ہے کہ تجھے کیسے حاصل کروں، حالانکہ آیا تھا میں جہاں آرا بیگم کی فرمائش اور اس کے طلب کرنے پر، وہ تجھ سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہے اور اسی کے لئے اس نے اپنے بھائی حیدر خان کے ذریعے مجھے یہاں طلب کیا ہے، آرزو تو اس کی بھی پوری ہوجاتی ہے، میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اس کے بھائی سے مشورہ کروں اور تجھے چپکے سے لے کر یہاں سے نکل جاؤں، اس طرح جہاں آرا بیگم کی خواہش بھی پوری ہوجائے گی اور میں تیرا مالک بھی بن جاؤں گا، وہی لوگ مجھے نکالنے اور چھپانے کا بندوبست بھی کریں گے، واہ ری تقدیر بڑھاپے میں وہ کارروائی کرنے کو ملی جو جوانی کا کھیل ہوتی ہے۔" "میرے لئے کیا حکم ہے میرے آقا؟" پاکیزہ نے بدستور اسی مشینی انداز میں کہا۔ "کوئی حکم نہیں ہے، بیٹھ میرے سامنے کہ میں چاند کی اس روشنی میں تیرے حسین سراپے کو اپنی آنکھوں کے راستے دل میں اتار لوں۔" بیگ صاحب باقاعدہ رومانی ڈائیلاگ بول رہے تھے۔ غالباً انہوں نے بڑی محنت سے جوانی کی کتاب کے اوراق میں یہ الفاظ اور ان کی ادائیگی کا طریقہ تلاش کیا تھا۔ ہوسکتا ہے ماضی میں انہوں نے کبھی کسی کے سامنے یہ مکالمے بولے ہوں۔ شمشیر احمد خاں پر قیامتیں ٹوٹتی رہیں، کبھی ان کے پورے بدن میں آگ سی لگ جاتی اور ان کا دل چاہتا کہ وہ یہاں سے باہر نکلیں اور بیگ صاحب کی گردن دبا دیں لیکن اس وقت کے اس ڈرامے کا ڈراپ سین دیکھنا چاہتے تھے اور اس کا دانٹ ڈاپ کوئی خاص نہیں تھا تھوڑی دیر کے بعد اچانک ہی جیسے پاکیزہ کے بدن کو جھٹکا سا لگا اور وہ ایک دم حیران پریشان ہوگئی۔ "بب..... بیگ، بیگ صاحب، بیگ صاحب مم..... میں۔" "ہاں ہاں پاکیزہ سب ٹھیک ہے، اب تمہارے جانے کا وقت ہوگیا ہے، جاؤ احتیاط سے سنو اور تھوڑا وقت گریز کرنا کیونکہ خاں صاحب واپس آچکے ہیں، ان کی موجودگی میں تمہارا اس طرح آنا مناسب نہیں ہے۔" "مم..... مگر میں یہاں پہنچی کیسے ہوں۔ مجھے تو کچھ اندازہ نہیں ہوتا کہ میں کب اپنے کمرے سے نکل کر یہاں تک آئی۔" "یہ میری محبت کے تار ہیں جو تمہارے سراپے سے لپٹ کر تمہیں یہاں تک لے آتے ہیں۔" بیگ صاحب نے پھر بھی رومانی ڈائیلاگ بولنے کی کوشش کی، اس بات سے بے خبر کہ ان کا یہ بوڑھا رومان ان کے لئے عذاب جاں بننے والا ہے۔ پاکیزہ واپس پلٹی تو اب اس کے قدموں میں ذرا بھی لڑکھڑاہٹ نہیں تھی، خاں صاحب ایک دم چونکے اور پھر انہوں نے پھرتی سے دوڑ لگا دی۔ وہ ایسے راستے سے اندر کی جانب بھاگے تھے جس کے ذریعے وہ پاکیزہ سے پہلے بیڈروم میں پہنچ گئے۔ اپنے بستر پر لیٹ کر انہوں نے آنکھیں بند کرلیں، سانس تیز رفتاری سے چل رہا تھا۔ ان کے اندازے کے مطابق پاکیزہ جس وقت اپنے بیڈروم میں واپس پہنچی ان کا سانس درست ہوچکا تھا۔ چنانچہ انہوں نے پلٹ کر آنکھیں کھول دیں۔ پاکیزہ نے اندر داخل ہوتے ہوئے ان پر نگاہ ڈالی تو خاں صاحب مسکرا دیئے اور پھر اٹھ کر بیٹھ گئے۔ "خیریت پاکیزہ! کہاں سے آرہی ہو؟" "بیگ صاحب کے پاس گئی تھی۔" پاکیزہ نے جواب دیا۔ "مگر کیوں پاکیزہ! ان کے پاس کیوں گئی تھیں۔" پاکیزہ نے چہرے پر حیرت کے نقوش پیدا کئے پھر بولی۔ "آپ کی ہدایت کے مطابق میں ان کے پاس جاتی ہوں۔" "لیکن پاکیزہ، انہوں نے تو صرف تین دن کے لئے کہا تھا اور اب بہت سے دن ہوگئے۔" پاکیزہ جیسے کسی سوچ میں ڈوب گئی پھر اس نے کہا۔ "ہاں..... ہو تو بہت دن گئے، مم..... مگر میں اب کیوں وہاں جاتی ہوں؟" اس کے چہرے پر سوچ کے گہرے آثار نمودار ہوگئے۔ خاں صاحب اس کا چہرہ دیکھتے رہے، یہ اداکاری بے مثال تھی اور اس بے مثال اداکاری سے پاکیزہ اپنے بہت سے کھیل کھیل چکی تھی۔ اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔ "نجانے کیا ہوتا ہے، تین دن تک میں آپ کی ہدایت کے مطابق وہاں گئی، چوتھے دن کیونکہ جانا ضروری نہیں تھا اس لئے میں بستر پر لیٹ گئی۔ پھر مجھے یوں لگا جیسے کسی نے میرا پاؤں پکڑ کر جھنجوڑا ہو۔ آپ موجود نہیں تھے، میں جاگی تو میری آنکھوں کے سامنے ایک نیلی دھند پھیل گئی اور پھر مجھے کچھ یاد نہیں رہا۔ ہاں جب مجھے اچانک ہوش آیا تو میں بیگ صاحب کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی اور وہ مجھے دیکھ رہے تھے مسکرا رہے تھے، میں نے اس دن حیرت کا اظہار کیا اور کہا کہ بیگ صاحب آج تو میرا یہاں آنا ضروری نہیں تھا، پھر میں یہاں کیسے آگئی تو وہ عجیب سے لہجے میں بولے کہ میرے جذبے تمہیں یہاں تک کھینچ لائے ہیں۔ میں تمہیں دیکھتے رہنا چاہتا ہوں اور اس کے بعد سے مجھے کچھ یاد نہیں، واپسی میں ہوش میں ضرور ہوتی ہوں لیکن کس طرح ان کے قریب پہنچتی ہوں اس کا مجھے اندازہ نہیں ہے۔" خاں صاحب تھوڑی دیر تک سوچتے رہے، پھر مسکرا کر بولے۔ "چلو سو جاؤ، سب ٹھیک ہوجائے گا سو جاؤ۔" پاکیزہ آہستہ قدموں سے چل کر اپنے بستر پر پہنچی اور پھر تھوڑی دیر کے بعد سچ مچ گہری نیند سو گئی۔ خاں صاحب اپنی جگہ سے اٹھے اس کے قریب پہنچے اسے دیکھتے رہے، پھر ان کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا۔ ہوں، بیگ صاحب، بڑے انکشافات کئے ہیں آپ نے مجھ پر، جہاں آرا بیگم کی خواہش پر آپ یہاں آئے ہیں۔ حیدر خان آپ کو لے کر آیا ہے، واہ گویا میری ناک کے نیچے سازشیں ہورہی ہیں اور مجھے علم نہیں ہے، جہاں آرا بیگم بولو، کیا سلوک کرنا ہے مجھے تمہارے ساتھ، وہی جو میں نے خورشید بیگم سے کیا تھا یا پھر اس سے کچھ مختلف، دیکھوں گا سوچوں گا تمہارے بارے میں، پہلے ذرا بیگ صاحب کا عشق ہوا کردوں۔ خاں صاحب بستر پر لیٹ کر بہت دیر تک سوچوں میں ڈوبے رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

احمد اللہ بیگ بڑی بے چینی محسوس کررہے تھے۔ آج صبح ہی سے طبیعت پر کچھ اداسی سی طاری تھی، دوپہر کے کھانے کا ارادہ ملتوی کردیا، شام کو طبیعت کچھ بہتر ہوگئی تھی بہرطور ان دنوں عجیب سی کیفیت کا شکار ہوگئے تھے، نجانے کیوں انہیں محسوس ہوا تھا کہ خود پاکیزہ دل و جان سے ان کی طرف مائل ہے۔ اب انہوں نے تو کچھ نہیں کیا تھا جو کچھ ہوا تھا خود بخود ہی ہوا تھا۔ پتہ نہیں کیا قصہ تھا، پاکیزہ کی کیفیت سے یوں لگتا تھا جیسے اس پر ان کے سامنے آکر کوئی تنویمی عمل طاری ہوجاتا ہے۔ حالانکہ بیگ صاحب کا اس سے دور کا واسطہ بھی نہیں تھا۔ بہرحال وہ پاکیزہ کی آمد کے عادی ہوگئے تھے اور صحیح معنوں میں ہوش و حواس سے بیگانہ۔ وہ بھول گئے تھے کہ پاکیزہ کوئی نوخیز کنواری لڑکی نہیں ہے بلکہ شمشیر احمد خاں جیسے شخص کی عزت و آبرو ہے۔ اس کی طرف نیم ہی نگاہ سے دیکھنا بھی بینائی کھونے کے مترادف ہے۔ لیکن اب یہ اندازہ ہورہا تھا کہ عشق و محبت کے معاملات کا عمر سے کوئی تعلق نہیں ہے اور انسان ہر عمر میں ہوش و حواس سے بیگانہ ہوسکتا ہے۔ بہرحال اس وقت بھی وہ شدت کے ساتھ پاکیزہ کا انتظار کررہے تھے۔ ان کی نگاہیں بار بار اس راستے کی جانب اٹھ جاتیں جہاں سے پاکیزہ انہیں آتی ہوئی نظر آتی تھی اور پھر انہیں کچھ آہٹیں محسوس ہوئیں۔ سامنے تو کچھ بھی نہیں تھا، لیکن آہٹیں ضرور سنی تھیں انہوں نے اور پھر باڑھ کے عقب سے شمشیر احمد خاں نمودار ہوئے اور نجانے کیوں احمد اللہ بیگ کی چھٹی حس نے انہیں کسی خطرے کی دستک دینا شروع کردی۔ شمشیر احمد خاں صاحب احمد اللہ صاحب کے سامنے آکر بیٹھ گئے۔ ان کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی، ایک سفاک مسکراہٹ، لیکن جب وہ بولے تو لہجہ انتہائی نرم تھا اور انہیں بہت ہی قریب سے جاننے والے یہ بات جانتے تھے کہ جب اس لہجے میں وہ کسی سے مخاطب ہوتے ہیں تو سامنے والے کے لئے اس سے برا وقت اور کوئی نہیں ہوتا۔ "میں نے آپ کی چلہ کشی میں مداخلت کی ہے بیگ صاحب، اس کے لئے معافی چاہتا ہوں۔ ظاہر ہے آپ کا عمل متاثر ہوا ہوگا؟" "کچھ زیادہ نہیں، لیکن آپ کی آمد ہمارے لئے اس وقت حیران کن ہے۔" "ہونی بھی چاہئے، انتظار آپ پاکیزہ کا کررہے ہوں گے؟" خاں صاحب نے کہا اور بیگ صاحب انہیں دیکھنے لگے۔ "ایک سوال کرنا چاہتا ہوں آپ سے بیگ صاحب، وہ یہ کہ آپ نے پاکیزہ کے اس خواب کے اثرات زائل کرنے کے لئے تین دن کے عمل کا اظہار کیا تھا، یہ دورانیہ بڑھ کیسے گیا؟" "ہم سمجھے نہیں۔" "میرا مطلب ہے کل رات تک پاکیزہ آپ کے سامنے تھی۔" "وہ..... ہاں ہمارا خیال تھا کہ محترمہ پاکیزہ کے ذہن سے وہ اثرات تین دن میں زائل ہوجائیں گے لیکن عمل کرنے سے پتہ یہ چلا کہ دشمنوں نے سفلی کا سہارا لیا ہوا ہے اور سفلی کے اثرات کو زائل کرنے میں وقت لگ جاتا ہے۔" "اچھا اچھا یہ بات تھی، لیکن کیا آپ اس کے لئے پاکیزہ کو ہپناٹائز کرتے تھے؟" "نن..... نہیں یہ بات آپ سے کس نے کہی؟" "کہی نہیں اصل میں، میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔" خاں صاحب نے جواب دیا۔ "آنکھوں سے دیکھی تھی؟" بیگ صاحب کی چھٹی حس اب انہیں کسی خطرے کا احساس دلانے لگی تھی۔ دن بھر کی کیفیت انہیں یاد آئی، جب کوئی حادثہ ہونا ہوتا ہے تو آثار بہت پہلے سے اس کی نشاندہی کرنے لگتے ہیں۔ بیگ صاحب نے عجیب نگاہوں سے خاں صاحب کو دیکھا پھر بولے۔ "میں خود نہیں سمجھ پارہا کہ میرے سامنے آکر محترمہ پر ایک غنودگی سی کیوں طاری ہوجاتی تھی، مگر میں نے زیادہ غور نہیں کیا کیونکہ ان کی کیفیات بدلتی رہتی تھیں۔" "چلیں اب یہ چوہے بلی کا کھیل ختم کرتے ہیں، بیگ صاحب ساری تفصیل میرے علم میں آچکی ہے اور وہ بھی کسی اور کی نہیں آپ کی زبانی۔ میں نے آپ کے منہ سے جو الفاظ سنے ہیں، انہیں دہراتا ہوں۔ آپ فرمارہے تھے کہ آہ میں کیا کروں تیرے لئے پاکیزہ، اگر تو اتنے بڑے آدمی کی بیوی نہ ہوتی تو خدا کی قسم میں تجھے یہاں سے لے کر فرار ہوجاتا۔ تو نے اس عمر میں میرے دل و دماغ پر قبضہ کرلیا ہے۔ میں اب یہ محسوس کرتا ہوں کہ اب تیرے بغیر رہ ہی نہیں سکتا۔ اس کے علاوہ آپ نے فرمایا بیگ صاحب کہ میرا دماغ تو دن رات اسی ادھیڑبن میں لگا رہتا ہے کہ تجھے کیسے حاصل کروں، حالانکہ آیا تھا میں جہاں آرا بیگم کی فرمائش اور اس کے طلب کرنے پر، وہ تجھ سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہے اور اس کے لئے اس نے اپنے بھائی حیدر خان کے ذریعے مجھے یہاں طلب کیا ہے، میں سوچ رہا ہوں کہ اس کے بھائی سے مشورہ کروں اور تجھے چپکے سے لے کر یہاں سے نکل جاؤں۔ بیگ صاحب یہ آپ ہی کے الفاظ ہیں جو میں نے آپ کی زبان سے اس باڑھ کے پیچھے بیٹھ کر سنے ہیں اور میں نے پاکیزہ کی کیفیت بھی اچھی طرح نوٹ کی ہے۔ آپ صاحب علم ہیں، بڑی دانائی کے مالک ہیں، آپ سب کچھ کرسکتے ہیں، کوشش کریں کہ مجھے بھی اپنے ٹرانس میں لے لیں کیونکہ یہ آپ کی زندگی کے آخری لمحات ہیں، جان بچانے کی کوشش کرسکتے ہیں آپ۔" "ہوں۔" احمد اللہ صاحب کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی، پھر انہوں نے کہا۔ "شمشیر احمد خاں، مان گئے بھئی، اب تک تو صرف کتابی علم تھا ہمیں اور اس میں یہ حکایت بھی شامل تھی کہ ایک حسین عورت نے سکندر اعظم کے استاد ارسطو کو گھوڑا بنادیا تھا اور ارسطو نے تسلیم کیا تھا کہ ایک عورت کا حسن مجھ جیسے بوڑھے شخص کو گھوڑا بنا سکتا ہے تو تو جوان ہے، ایک حسین عورت تجھے گدھا بنانے میں ذرا بھی دقت محسوس نہیں کرے گی۔ تو شمشیر احمد خاں میرے ساتھ تو اب جو کچھ ہونا ہے وہ ہوگا ہی، لیکن تریا چلتر کو مان گیا میں، یہ مت سمجھنا کہ وہ میرے ٹرانس میں تھی، میں تو ہپناٹزم جانتا ہی نہیں، لیکن یقینی طور پر یہ پاکیزہ کی منصوبہ بندی تھی۔ تو نے سونے کی زنجیر جیسی باریک سنہری ناگنوں کو نہیں دیکھا ہوگا، جدھر سے گزر جاتی ہیں فضا مسموم ہوجاتی ہے، ایسی کہ اگر کوئی سانس بھی لے تو زندہ نہ رہ سکے۔" "آپ کو نہیں کہنا چاہئے بیگ صاحب، بہرحال بڑی عزت بڑا احترام کرتا ہوں میں آپ کا، چلو بھئی آجاؤ، ہمارے تمام ڈائیلاگ ختم ہوگئے، اب اس ڈرامے کا ڈراپ سین ہے، یہ ہمارے بیگ صاحب ہیں۔" شمشیر احمد خاں نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور چار بھیگے کئے آدمی جو شمشیر احمد خاں ہی کے ہرکارے تھے۔ شمشیر احمد خاں کے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے گردنیں جھکا دیں۔ "تو میں تمہیں بتا رہا تھا کہ یہ انتہائی محترم اور بزرگ ہستی ہے ان کی، اپنے حلقے میں کسی بزرگ کی طرح پوجے جاتے ہیں، اس لئے ان کی عزت ان کے احترام میں کمی نہ ہو جو تم انہیں بیٹھیں باندھ لو، منہ میں کپڑا ٹھونس دو تاکہ چیخ چلا نہ سکیں، حالانکہ مجھے اس کی کوئی پروا نہیں ہے لیکن پھر بھی، تم ایسا کرو کہ انہیں باندھ کرلے جاؤ اور کسی مناسب جگہ ان کی تدفین کردو، یہ زندہ رہیں یا مرجائیں، مقصد انہیں قبر میں اتارنا ہے۔ دیکھ لینا گردن دبا کر مار دینا اور پھر انہیں قبر میں دفن کردینا لیکن ایسی جگہ جو سڑک سے زیادہ فاصلے پر نہ ہو، ان کی تدفین کرنے کے بعد وہاں باقاعدہ تھوڑی سی دیوار وغیرہ اٹھا دینا اور اس پر جھنڈا لگا دینا تاکہ لوگوں کو علم ہوجائے کہ کسی بزرگ کا مزار اچانک نمودار ہوا ہے، میں یہ چاہتا ہوں کہ جب لوگ ادھر سے گزریں تو عقیدت سے میرے پیر کے مزار کی طرف دیکھیں اور پھر فاتحہ خوانی کریں، اب کم از کم میرا ان پر اتنا حق تو بنتا ہی ہے، چلو لے جاؤ۔" وہ چاروں آگے بڑھے، احمد اللہ بیگ صاحب خود اٹھ کھڑے ہوئے تھے، جانتے تھے کہ زندگی کی انتہا یہی تھی۔

☆.....☆.....☆

بہت کم ایسے مواقع آئے تھے جب شمشیر احمد خاں نے خود حیدر خاں کو بلایا ہو۔ حیدر خان بہن سے ملنے آجایا کرتا تھا، کبھی خاں صاحب سے ملاقات بھی ہوجاتی تھی، لیکن اس بار خاں صاحب نے اسے خاص طور سے بلایا تھا اور حیدر خان کے پورے بدن میں کپکپی دوڑ گئی تھی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ ان دنوں احمد اللہ بیگ صاحب وہاں معروف ہیں، دونوں صورتیں ہوسکتی تھیں۔ کوئی خوشخبری منتظر تھی یا پھر کوئی خطرناک بات ہے۔ وہ حویلی پہنچ گیا۔ شمشیر احمد خاں موجود نہیں تھے۔ بھاگم بھاگ جہاں آرا بیگم کے پاس پہنچا اور جہاں آرا بیگم اسے دیکھ کر خود حیران رہ گئیں۔ "بغیر کسی اطلاع کے آئے آپ حیدر بھائی؟" "خاں صاحب نے بلایا ہے، خیریت تو ہے؟" "میرے علم میں نہیں، ہوسکتا ہے کوئی کام پڑ گیا ہو۔" "ہوا نہیں ہے ایسا آج تک، بیگ صاحب کیا کررہے ہیں؟" "چلہ کشی کررہے ہیں، مگر تین دن سے غائب ہیں، بتائے بغیر واپس تو نہیں جاسکتے، میں کتنی ہی بار تلاش کراچکی ہوں، مل ہی نہیں رہے۔" "خدا خیر کرے۔" "ابھی یہ الفاظ منہ سے ادا ہوئے ہی تھے کہ خاں صاحب مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوگئے۔ "خدا خیر ہی کرتا ہے حیدر خان، کہو کیسے مزاج ہیں۔" حیدر خان نیازمندی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ "آپ کی دعاؤں کے سائے میں جی رہا ہوں۔" "اماں کیا بات کرتے ہو، ہم نے کبھی اپنے آپ کو دعا نہیں دی تو تمہیں ہماری دعاؤں کا سایہ کہاں سے مل گیا؟" خاں صاحب مسکرا کر ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

"بعض درخت اس قدر تناور اور سایہ دار ہوتے ہیں کہ ان کے سائے سے ہر شخص فیض یاب ہوتا ہے۔" "ہاں یہ تو ہے، لیکن بعض بدنصیب ایسے ہوتے ہیں کہ انہی سایہ دار درختوں کو کاٹنا شروع کردیتے ہیں، اصل میں کاٹنا ان کی فطرت میں شامل ہوتا ہے، اسے کیا کیا جائے۔" "جج..... جی ہاں، درست فرمایا آپ نے ایسا ہوتا ہے۔" "ہوتا ہے نا۔" خاں صاحب نے کہا اور ہنس پڑے، پھر جہاں آرا بیگم کی طرف دیکھ کر بولے۔ "کیوں جہاں آرا بیگم ہے نا یہی بات؟" جہاں آرا بیگم پھیکے انداز میں مسکرا دی تھیں۔ "ویسے بھائی، بے چارے احمد اللہ بیگ مرتے مرتے ایک بات کہہ گئے تھے، وہ یہ کہ تریا چلتر نے ارسطو جیسے ذہین انسان کو گھوڑا بنادیا تھا، کتنا پیار کتنی محبت دی ہم نے آپ کو جہاں آرا بیگم، کبھی کوئی تکلیف نہ ہونے دی۔ آپ نے خورشید بیگم کے بارے میں کسی خواہش کا اظہار کیا، اصل میں ہم جس سے پیار کرتے ہیں اس کی بات مانتے ضرور ہیں لیکن اپنے فہم و ادراک کو چھوڑتے نہیں ہیں۔ آپ دیکھ لیجئے ہم نے خورشید بیگم کو کس طرح راستے سے ہٹا دیا حالانکہ وہ ہمارے بچوں کی ماں ہیں اور بہرحال بچوں سے کسے پیار نہیں ہوتا لیکن آپ کی بات مان لی ہم نے، پاکیزہ ایک ایسی شخصیت ہے جس سے کبھی شاید کسی کو کوئی نقصان پہنچا ہو، آپ یقین کریں اس نے کبھی آپ کو یہاں سے نکالنے کی بات نہیں کی، نہ ہی اس نے کبھی آپ کو چھوڑنے کا مطالبہ کیا لیکن آپ سازشوں پر اتر آئیں، جہاں آرا بیگم آپ کو اور آپ کے اس بھائی کو بھی یہ بات معلوم ہے کہ سازشیں ہمارے ہاں اولاد کی طرح پیدا ہوتی ہیں، بھلا ہم سے بڑا سازشی اس ملک میں اور کون ہے، لوگ ہمارے پاس آتے ہیں، اپنی مشکلوں کا حل معلوم کرنے، یہ پوچھنے کہ سیاست میں کوئی مقام حاصل کرنے کے لئے کیا کرنا ہوتا ہے اور ہم نے اگر کسی کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا تو سمجھ لیں اس کی نیا پار ہوگئی۔ جہاں آرا بیگم، اب ہمارے ہی خلاف سازشیں ہونے لگیں تو آپ بتایئے کہ سازشیں کرنے والوں کو ہم کیا کہیں۔" جہاں آرا بیگم اور حیدر خان کے اوسان خطا ہوگئے تھے، خاں صاحب کی یہ معنی خیز گفتگو یقیناً کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ تھی۔ دونوں اندر ہی اندر کپکپا کر رہ گئے۔ "ارے ہاں، تم لوگ احمد اللہ بیگ کے بارے میں پریشان ہورہے تھے۔ یار کمال کی بات ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے اعمال اچھے نہیں ہیں لیکن ہماری تقدیر کا کوئی جواب نہیں ہے۔ سارے راستے خود ہموار کردیتی ہے ہم کوشش بھی نہیں کرتے۔ ہمیں پتہ چل گیا کہ احمد اللہ بیگ تمہارے ایماء پر یہاں آئے جہاں آرا بیگم کا راستہ صاف کرنے، لیکن..... خود بے چاروں کا پتہ صاف ہوگیا۔ اب رہ گئے تم دونوں۔ چلو وقت ضائع کرنے کے بجائے وقت کی قدر کرتے ہیں۔ کیا سلوک کیا جائے تمہارے ساتھ اس سازش کے نتیجے میں۔" حیدر خان کے تو پیروں کی جان نکل گئی۔ لڑکھڑایا اور زمین پر بیٹھ گیا۔ خاں صاحب نے کہا۔ "حیدر خان، ہم نے تمہاری بہن کی پوری پوری قیمت دے دی ہے۔ تم جو کلرکی کے قابل بھی نہیں تھے آج کیا ہو، خود جانتے ہو۔ اپنی اسی نوکری سے تم نے کوئی دس کروڑ کی جائدادیں بنالی ہیں، بینک بیلنس اس کے علاوہ ہیں۔ مگر تم نے ہمارے ساتھ وفاداری نہیں کی۔" حیدر خان پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا۔ جہاں آرا بیگم کے بدن کا لہو بھی خشک ہوگیا تھا۔ "دل تو چاہتا ہے کہ تمہاری ننھی ننھی قبریں بنادی جائیں لیکن جاؤ..... معاف کرتے ہیں تمہیں، اپنی خوبصورت کوٹھیوں میں سے ایک کوٹھی جہاں آرا بیگم کو دے دو، ان کے لئے کچھ ماہانہ مقرر کردو تاکہ ان کے اخراجات پورے ہوجائیں اور ان کی مکمل دیکھ بھال کرو تم جانتے ہو حیدر خان کہ ہمارے پاس سب کچھ ہے، ہم انہیں زمینیں جائدادیں بخش سکتے تھے لیکن انہوں نے اپنی مشکل ہم سے نہیں بیان کی بلکہ ہمارے خلاف سازش کی۔ بہت خدمت کی ہے انہوں نے ہماری، جس کے صلے میں ہم انہیں ان کی اور ان کے بھائی کی زندگی دے رہے ہیں۔ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر جہاں آرا بیگم آپ یہاں سے چلی جائیں، ورنہ اس کے بعد آپ کو سزائے موت دے دی جائے گی۔ یہ چوبیس گھنٹے بھی ہم آپ کو اس لئے دے رہے ہیں کہ ہم پاکیزہ کو لے کر فارم ہاؤس جارہے ہیں، کچھ کام ہے ہمیں وہاں، واپسی میں آپ ہمیں یہاں نہ ملیں، خدا حافظ۔" جہاں آرا بیگم کی جان سمٹ کر آنکھوں میں آگئی تھی، زبان کچھ کہنے کے لئے بے چین تھی، لیکن خاں صاحب کو جانتی تھیں، وقت ہاتھ سے نکل گیا، اب کچھ نہیں رکھا تھا۔

☆.....☆.....☆

خاں صاحب پاکیزہ کو لے کر فارم ہاؤس پہنچ گئے۔ حسین ترین جگہ تھی۔ پاکیزہ یہاں آکر بہت خوش ہوتی تھی۔ اس نے اپنی پسند کی کچھ تبدیلیاں بھی کرائی تھیں، یہاں پہنچنے کے بعد خاں صاحب نے کہا۔ "حقیقتاً یہ جگہ ہمارے لئے بڑی سکون بخش ہوتی ہے اور پاکیزہ تمہاری قربت نے اسے اور حسین بنادیا ہے ہم نے خوابوں میں اپنے آپ کو اور تمہیں کتنی ہی بار یہاں دیکھا تھا۔ ہمارے اندر خوابوں کو حقیقت بنانے کی صلاحیت موجود ہے۔" پاکیزہ مسکرا دی۔ بہرحال خاں صاحب سے شادی کرکے اس کی انا کو جو تسکین ملی تھی اس نے اسے پرسکون کررکھا تھا۔ خاں صاحب تو خیر اس کے منظور نظر کیا ہی ہوتے، لیکن خاں صاحب کی دولت، عیش و عشرت بہرحال اس کی زندگی میں نئی چیزیں تھیں، کیونکہ خود اس کا تعلق کسی ایسے گھرانے سے نہیں تھا۔ ہاں اس بات پر وہ بہت خوش تھی کہ اس کی وجہ سے اس کے چھوٹے سے خاندان والے بڑی حیثیت اختیار کرگئے تھے۔ فارم ہاؤس پر کافی گھنٹے گزارے گئے، خاں صاحب پاکیزہ سے ہر موضوع پر گفتگو کیا کرتے تھے۔ رات کو انہوں نے کہا۔ "پاکیزہ، جہاں آرا بیگم کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟" پاکیزہ نے چونک کر خاں صاحب کو دیکھا۔ چہرے کے جذبات اور چہرے کے تاثرات چھپانے میں وہ ماہر تھی، اس نے کہا۔ "میں نے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا؟" "پاکیزہ! آپ نے ہمیشہ ہمارے ساتھ بھرپور تعاون کیا ہے، لیکن آپ اس بات سے انکار نہیں کرسکتیں کہ عورت بہرحال عورت ہی ہوتی ہے اور ہمارا تجربہ ہے کہ عورت شوہر کی ہر بات برداشت کرلیتی ہے لیکن کسی سوکن کو برداشت کرنا اس کے لئے دنیا کا سب سے مشکل کام ہوتا ہے۔" پاکیزہ کے چہرے پر ایک سنجیدگی طاری ہوگئی، خاں صاحب بغور اس کا چہرہ دیکھ رہے تھے، کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد پاکیزہ نے کہا۔ "جو کچھ میں کہوں گی آپ اسے سچ تسلیم کرلیں گے خاں صاحب؟" "تو اتنے خوبصورت ہونٹوں سے جھوٹ نہیں نکل سکتا، ہمیں اس بات کا یقین ہے۔" "شکریہ، آپ نے مجھ سے میرے بارے میں پوچھا ہے، بات اصل میں یہ ہے کہ اعتماد زندگی کے راستے کشادہ کرتا ہے اور بے اعتمادی زندگی کو تنگ تر بنا دیتی ہے، میرے اور آپ کے درمیان ابھی تک بے اعتمادی نہیں پیدا ہوئی، آپ نے ہمیشہ مجھ سے سچ بولا اور میں نے آپ سے۔ ضرورت ہی نہیں پیش آئی کہ کوئی بات آپ سے چھپائی جائے یا کوئی ایسی بات سوچی جائے جس میں آپ کی پسند کے خلاف کوئی بات ہو۔ خاں صاحب جہاں آرا بیگم پر میں نے اس لئے غور نہیں کیا کہ جب آپ نے مجھے اپنے قدموں میں عزت عطا کی تو میں نے پورے اعتماد اور خلوص کے ساتھ آپ کو اپنی زندگی کا مالک سمجھا۔ جب مجھے آپ پر اعتماد ہے تو پھر قرب و جوار کی باتوں کے بارے میں سوچنا کیا معنی رکھتا ہے، میں آپ پر مکمل بھروسہ کرتی ہوں۔" خاں صاحب اسے پیار بھری نگاہوں سے دیکھتے رہے، پھر انہوں نے کہا۔ "تمہاری بات کو ہم نے سچ تسلیم کرلیا ہے۔ ہم بھی اپنے تجربے کی بنا پر یہ بات کہتے ہیں کہ تم ایک مخلص اور سچی لڑکی ہو، بہرحال جہاں آرا بیگم کو ہم نے تمہارے راستے سے ہٹا دیا ہے، اب جب ہم واپس جائیں گے تو وہ حویلی میں موجود نہیں ہوں گی۔" پاکیزہ نے اب بھی اپنے تاثرات کا اظہار نہیں کیا اور مدھم لہجے میں بولی۔ "میں آپ سے اس بارے میں اور کوئی سوال نہیں کروں گی کیونکہ بہرحال آپ بہت بڑے آدمی ہیں اور میں اپنی اسی خوش نصیبی پر ہمیشہ ناز کرتی ہوں کہ اتنی بڑی شخصیت سے میری زندگی منسلک ہوئی ہے۔" "ایک اور بات سوچ رہے تھے ہم پاکیزہ۔" "کیا؟" "کیوں نہ ہم تمہیں سیاست سکھادیں۔ تمہارے لئے ایک مشغلہ بھی ہوجائے گا اور تمہیں وہ مقام ملے گا جو ہونا چاہئے بلکہ اس دوران ہم تمہیں سیاست کے داؤ پیچ سکھائیں گے اور اگلے الیکشن میں تمہیں کھڑا کردیں گے، تمہارا منتخب ہونا تو خیر لازمی امر ہے، لیکن ہم کوشش کریں گے کہ تمہیں اس اعتماد اور محبت کے صلے میں اتنے بڑے عہدے پر پہنچا دیا جائے کہ تم تصور بھی نہ کرپاؤ۔" "مجھے بس اتنا موقع ضرور دیجئے گا خاں صاحب کہ آپ کی خدمت میں کبھی کوتاہی نہ ہو۔" خاں صاحب ہنسنے لگے تھے، واپس آئے تو جہاں آرا بیگم جاچکی تھیں، پاکیزہ کے ہونٹوں پر ایک لمحے کے لئے مدھم سی مسکراہٹ ابھری تھی اور اس کے بعد اس نے اس مسکراہٹ کو ہونٹوں میں دبا لیا تھا۔ کامیابی اس کے نام کے ساتھ تھی۔ جس چیز میں ہاتھ ڈالتی تھی اس میں کامیابی اس کے ہاتھ چومتی تھی۔ خاں صاحب نے اسے سیاست سکھانے کی بات بے مقصد نہیں کی تھی، وہ خود بھی نچلے بیٹھنے کے عادی نہیں تھے۔ الیکشن ہوچکے تھے، وزیر اور دوسرے عہدیداران کی قدم بوسی کے لئے آتے رہتے تھے۔ کسی کو بھی وزارت بدلنے کی حاجت ہوتی تو خاں صاحب اس پر غور کرتے اور اس کے بعد اسے کوئی ترکیب بتا دیتے۔ انہوں نے خفیہ طور پر پاکیزہ کو اپنی ان کاوشوں میں شریک رکھا تھا اور اسے بتاتے رہتے تھے کہ ان کے کونسے عمل سے کیا نتائج برآمد ہونے کی توقع ہے، اس طرح سے انہیں خود جو فائدے حاصل ہوتے تھے۔ اب وہ پاکیزہ سے وہ فائدے پوشیدہ نہیں رکھتے تھے۔ البتہ پاکیزہ کو یہ زندگی پسند نہیں آئی تھی۔ اسے تو اپنے حسن کی سیاست سے دلچسپی تھی، اپنے سینے میں وہ جو خواہش سجائے ہوئے تھی اس خواہش کی تکمیل ہوتے رہنا ہی اس کے لئے زندگی کی علامت تھی۔ خاں صاحب سے شادی کا فیصلہ اس نے نادانی یا معصومیت میں نہیں کیا تھا بلکہ بہت اچھی طرح سوچا سمجھا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ اس کی تمام سوچیں یہاں بھی کارآمد رہی تھیں۔ خاں صاحب جیسی شخصیت ہاتھ میں آجائے تو اس سے بڑی بات اور کیا ہوسکتی ہے، لیکن اپنی ذہانت سے خاں صاحب کی فطرت کو پڑھتی رہتی تھی اور اس کے نتیجے میں اسے جو تجربات ہوئے تھے وہ یہی ظاہر کرتے تھے کہ خاں صاحب نے اپنے وجود کے پچھتر فیصد حصے کو ان دیکھی پردوں میں چھپا رکھا ہے۔ پچیس فیصد ان کی شخصیت دنیا کے سامنے تھی اور اس میں بھی دس فیصد دوسروں کے لئے اور پندرہ فیصد اس کے لئے جو ان کے بہت قریب ہو یعنی پاکیزہ جیسی کوئی شخصیت۔ لیکن ان کے اندر کیا ٹوٹ پھوٹ ہورہی ہے، کیا سوچ رہے ہیں اس کا کسی کو علم نہیں ہوتا تھا، بہرحال پاکیزہ اپنی تمام تر ذہانت کے ساتھ ابھی تک خاں صاحب کو اپنے اعتماد میں لئے ہوئے تھی اور خاں صاحب بار بار حیران ہوکر کہتے تھے کہ پاکیزہ تمہیں تو واقعی ملک کا وزیراعظم ہونا چاہئے، تم اس قدر سوجھ بوجھ اور سیاسی سوچ رکھتی ہو کہ کبھی کبھی تو تمہارے جوابات پر میں خود دنگ رہ جاتا ہوں، بس یوں سمجھ لو کہ وزیراعظم یا وزیراعلیٰ نہ سہی، لیکن تمہیں کوئی اتنا بڑا مقام دلواؤں گا میں کہ تم تصور بھی نہیں کرسکتیں۔" "اس سے بڑا مقام میرے تصور سے ہمیشہ باہر رہے گا خاں صاحب کہ میں آپ کے قدموں کی دھول ہوں۔" پاکیزہ نے جواب دیا اور خاں صاحب ایسے جوابات سے ہمیشہ سرشار ہوجایا کرتے تھے۔ ان دنوں پاکیزہ پر بڑی اکتاہٹ سوار تھی اور وہ سوچ رہی تھی کہ کیا کیا جائے۔ کیا ترکیب کی جائے جس سے یہ جمود ٹوٹے۔ اس نے آج تک کبھی خاں صاحب سے فرمائش نہیں کی تھی کہ اسے ماموں احتشام الدین کے گھر یا اس کے اپنے گھر لے جایا جائے جبکہ خاں صاحب خود کئی بار اسے لے کر گئے تھے۔ بہرحال صرف خاں صاحب کی نظروں کا مرکز بنی رہنے سے اب اس پر اکتاہٹ سی سوار ہونے لگی تھی۔ کوئی ایسا عمل، کوئی ایسا شکار دام میں آئے جو بہرحال اس کے حسن کے زہر کا طلبگار ہو اور یہ زہر پی کر وہ بے شک موت کی آغوش میں جا سوئے لیکن ہو تو سہی۔

(جاری ہے)

تتلی

(ایم اے راحت)

قسط 9

[illegible]

"نگاہ رکھے کہ کہاں سے اسے فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔" پاکیزہ خاموش نگاہوں سے خاں صاحب کو دیکھ رہی تھی۔ فارم ہاؤس پر کافی دن گزارے گئے، جب تک موسم اچھا رہا خاں صاحب فارم ہاؤس سے نہ ہلے اور پھر جب سورج نے سر ابھارا تو وہ وہاں سے واپس چل پڑے، حویلی کے شب و روز جوں کے توں تھے، پاکیزہ خوش تھی، لیکن ذہن میں یہ خنور پڑتے رہتے تھے، زندگی ساکت ہو گئی ہے، کوئی ہنگامہ خیزی نہیں ہے۔ ایک دن رانا جبار، خاں صاحب کے پاس پہنچ گیا، چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔ "مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ پر قاتلانہ حملہ ہوا ہے خان جی، آپ ہمارے لئے سرپرست ہیں، آپ کی زندگی اور آپ کی حفاظت بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔" "آؤ رانا آؤ بیٹھو، تم سناؤ سب ٹھیک چل رہا ہے نا۔" خاں صاحب نے پرمحبت لہجے میں کہا اور رانا بیٹھ گیا۔ "جی دعاؤں کا سہارا ہے خان جی، آپ ہیں تو پھر ہمیں پرواہ کس بات کی ہے۔" "ہاں یہ تو ہے، پر ایک بات بتاؤ تمہیں کیسے پتہ چلا کہ ہمارے اوپر قاتلانہ حملہ ہوا ہے، ہم نے تو کسی سے تذکرہ تک نہیں کیا۔" "نہیں خان جی وہ آپ کے کھوجی پہنچے تھے، کھوج لگاتے ہوئے، ہم نے ان سے کہا کہ خیر تو ہے کیا بات ہے، ہم جانتے تھے خان جی کہ وہ آپ کے کھوجی ہیں، انہوں نے ہمیں بتایا کہ خان جی پر قاتلانہ حملہ ہوا ہے اور وہ نشانات تلاش کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے ہیں، خان جی ہم تو پریشان ہو کر رہ گئے۔ ہم نے اپنے طور پر بھی بڑی کوششیں کیں کہ آخر وہ کون لوگ ہو سکتے ہیں جن کا تعلق ہمارے ڈیرے سے ہو، پر بعد میں پتہ چلا کہ وہ صرف کھوجیوں کا خیال تھا، نشانات تو ادھر ادھر بھی گئے ہوئے تھے۔" "ہاں ہاں...... کوئی بات نہیں ہے رانا، سو دوست سو دشمن یہ کھیل تو ہوتے رہتے ہیں۔ ہم اپنے دشمن کو پکڑ کر اس کی گردن آسانی سے کاٹ سکتے ہیں، ہمیں اس کا اختیار ہے، لیکن وہی بات ہے رانا جبار کہ دشمن دوست سے بہتر ہوتے ہیں، یہ ہمارا فلسفہ ہے، دشمن ہوشیار اور چوکنا رکھتے ہیں اور دوست محبت کی میٹھی نیند سلا دیتے ہیں، دشمنوں کا کام زیادہ چوکس ہوتا ہے، ہمیں دشمنی کا مزا لینا آتا ہے اور جب ہم اپنے دشمن کی گردن پر انگوٹھا رکھتے ہیں تو اسے بتا دیتے ہیں کہ ہم اسے کب سے جانتے ہیں؟" "جی خان جی، دماغ ہی تو ہے آپ کا جو بڑے بڑوں کو نیچا دیکھنے پر مجبور کر دیتا ہے۔" "ایسی ہی بات ہے رانا جبار، جس نے بھی یہ حملہ ہم پر کرایا ہے، تم یقین کرو، وہ ہماری انگلیوں کے شکنجے میں ہے، جب چاہیں اسے مسل کر ختم کر سکتے ہیں، پر ابھی جلدی کیا ہے، اسے بھی کھانے کھیل لینے دو، مار دیا ہم نے اسے تو کیا فائدہ؟" رانا جبار بہت دیر تک بیٹھا رہا، اس کے بعد اجازت لے کر چلا گیا۔ شمشیر احمد خان دیر تک سوچتے رہے۔ پھر انہوں نے خیبر خان اور زاہد شاہ کو بلا لیا، ساتھ ہی اپنے دو خاص آدمیوں کو طلب کر لیا تھا۔ خیبر خان اور زاہد شاہ خاں صاحب کے سامنے پہنچ گئے، خاں صاحب غور سے ان کا چہرہ دیکھتے رہے تھے، پھر انہوں نے کہا۔ "تم دونوں رانا جبار کی انتخابی مہم میں شریک تھے۔" دونوں آدمی چونک کر خاں صاحب کو دیکھنے لگے، پھر انہوں نے گردن جھکا کر کہا۔ "جی خان وہ رانا جبار صاحب نے ہمیں دیکھ لیا تھا، پوچھنے لگے تو ہم نے بتا دیا۔" "میری اجازت کے بغیر۔" خاں صاحب نے کہا۔ "خان جی غلطی ہو گئی، معافی چاہتے ہیں۔" "میں تو عام طور سے معاف کر دینے کا عادی ہوں اور کیا بتایا تم نے رانا جبار کو۔" "ہم جی اور کیا بتاتے ایک ہی غلطی پر شرمندہ ہیں۔" "اصل میں بندہ اپنا مجرم کھو بیٹھے تو پھر فیصلہ کرنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے کہ اس کیلئے کیا کیا جائے اور ہم زیادہ لمبے جھگڑے پالنے کے عادی نہیں ہیں۔ ولادر! یہ دونوں ہمارے غدار ہیں اور تمہیں معلوم ہے غداروں کے ساتھ ہم کیا سلوک کرتے ہیں، لے جاؤ انہیں دعوت کھلاؤ۔" دونوں کھوجی گڑگڑانے لگے۔ چیخ چیخ کر رونے لگے۔ خان صاحب نے رخ تبدیل کر لیا تھا۔ ولادر اور اس کے آدمی ان دونوں کو کھینچتے ہوئے باہر لے گئے تھے۔ زندگی کا معمول تھا، اس میں کوئی اہم بات نہیں تھی۔ خاں صاحب کی پیشانی بالکل صاف و شفاف تھی۔ پاکیزہ نے جب ان سے سوال کیا کہ اب رانا جبار کے لئے کیا کیا جائے گا تو وہ ہنس کر بولے۔ "بعض لوگ سانپ پالنے کے شوقین بھی ہوتے ہیں۔ اصل میں خوبصورت چڑیاں، طوطے اور پرندے تو سبھی پالتے ہیں۔ خونخوار اور موذی جانور پالنے سے اپنے آپ پر ایک اعتماد پیدا ہوتا ہے، زندہ رکھیں گے اسے اور جب وہ زیادہ زہریلا ہو جائے گا تو ختم کر دیں گے۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔" خاں صاحب تو یہ جملے کہہ کر خاموش ہو گئے، لیکن پاکیزہ کی آنکھوں میں ایک تیز چمک لہرانے لگی تھی۔ بعد میں خاں صاحب نے اس مسئلے کو بالکل ہی نظرانداز کر دیا اور اپنی دیگر سرگرمیوں میں معروف ہو گئے۔ پاکیزہ زیادہ تر ان کے ساتھ ہی رہتی تھی۔ اس کی تمام تر کوششیں اس بات پر مرکوز رہتی تھیں کہ خاں صاحب کو کبھی اس کی عدم دلچسپی کا احساس نہ ہو، لیکن اس کی نگاہیں بدستور ایسی شخصیت کی تلاش میں لگی رہتی تھیں جو اس کا نیا شکار بن سکے۔ ایک پریس کانفرنس ہوئی، ایک سیاسی ایشو نکلا تھا جس پر کافی دنوں سے لے دے ہو رہی تھی۔ پریس کے افراد اس سلسلے میں شمشیر احمد خاں کی رائے معلوم کرنے کیلئے جمع ہوئے اور خاں صاحب سے اس سلسلے میں سوالات کئے جانے لگے۔ اس لڑکی کا نام ہارونہ شاہ تھا، بڑے خوبصورت نقوش کی مالک، چہرے پر ذہانت رچی ہوئی، ہونٹوں پر ایک قدرتی شوخ سی مسکراہٹ، یہ ایک پریس رپورٹر تھی۔ اس نے بڑی بے باکی سے خاں صاحب سے پوچھا۔ "یہ خاتون آپ کی مسز ہیں؟"

"جی...... ان کا نام پاکیزہ ہے۔" "معاف کیجئے گا، آپ کی بیگمات میں ان کا نمبر کونسا ہے؟" خاں صاحب نے چونک کر اسے دیکھا۔ ایک لمحے کیلئے چہرے پر سختی کے آثار ابھرے تھے، لیکن پھر انہوں نے سر سے پاؤں تک لڑکی کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "چوتھا نمبر ہے، آپ سیاسی سوالات کے بجائے میری ذاتیات پر کیوں آ گئیں؟" "نہیں اصل میں بہت عرصے سے آپ سے ملنے کی خواہش مند تھی۔" "اگر آپ میری ذات میں دلچسپی رکھتی ہیں تو کسی وقت میرے گھر آیئے، میرے ساتھ چائے پیجئے۔" "میں دل و جان سے یہ دعوت قبول کرتی ہوں، کیا آپ سے ملاقات کا وقت لوں۔" "زیادہ بہتر رہے گا کیونکہ میں معروف بھی رہتا ہوں۔" "پھر میں آپ کے پاس ضرور آؤں گی، اصل میں ایک سحر ہے آپ کی شخصیت کا اور میں ہی نہیں بہت سے لوگ آپ کی ذاتی زندگی کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں۔" "نہیں...... کیا نام ہے آپ کا؟" "ہارونہ شاہ۔" "نہیں مس شاہ، اگر ایسی بات ہے تو میں اپنی ذاتی زندگی عوام کے سامنے لانے کا شوقین نہیں ہوں، پھر آپ زحمت نہ کیجئے گا۔" "اور اگر میں آپ سے کہوں کہ آپ کی ذاتی زندگی میری ذات تک محدود رہے گی تو......؟" "تو میری دعوت بدستور۔" خاں صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

لڑکی نے لگاوٹ بھری نگاہوں سے خاں صاحب کو دیکھا اور خاں صاحب کی نگاہ بھی اس پر جم کر رہ گئی۔ بہت دلکش تھی، بھرے بھرے بدن کی مالک۔ سب سے زیادہ حسین اس کی مسکراہٹ تھی جو صرف ہونٹوں تک محدود نہیں رہتی تھی، بلکہ اس کا سارا وجود مسکراتا تھا۔ پسند آئی تھی خاں صاحب کو۔ ادھر پاکیزہ کی گہری نگاہ ان دونوں پر جمی ہوئی تھی اور وہ ایک لمحے کیلئے کھوسی گئی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ خاں صاحب کو زندگی کا ساتھی بنا کر عیش و آرام اور آسائشیں تو انتہا کو پہنچ گئی تھیں، پورے گھر کو، احتشام الدین کو، سبھی کو اس کی اس حیثیت سے زبردست فائدے حاصل ہوئے تھے۔ لیکن اب وہ شدت سے محسوس کر رہی تھی کہ زندگی گھٹ کر رہ گئی ہے، ویسے تو وہ بڑے بڑوں کو خاطر میں نہیں لاتی تھی، لیکن خاں صاحب جیسے شاطر آدمی کے ساتھ کوئی کھیل کھیلنا مشکل ترین کام تھا۔ ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھنا ضروری تھا، ورنہ کسی بھی لمحے زندگی تک جا سکتی تھی۔ اب تک وہ کامیابی سے شکار کرتی رہی تھی لیکن عظیم الشان شکارگاہ میں اس کا کوئی اسکور نہیں ہو سکا تھا، خاں صاحب کی فطرت کا اس نے بخوبی جائزہ لیا تھا، خود کو بہت زیادہ تجربے کار تو نہیں کہہ سکتی تھی، لیکن یہ اندازہ اسے بخوبی ہو گیا تھا کہ خاں صاحب گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے والوں میں سے ہیں، بے شک اس وقت اس کی پتنگ چڑھی ہوئی ہے، لیکن یہ پتنگ کسی بھی وقت کٹ سکتی ہے۔ اس لڑکی سے خاں صاحب کی لگاوٹ بھری باتیں پاکیزہ کو کافی مشکوک محسوس ہوئی تھیں اور پھر چند ہی روز کے بعد خاں صاحب نے اس سے کہا۔ "میں ایک اہم مسئلے پر صحافیوں کو دعوت دینا چاہتا ہوں اور اس کیلئے میں نے فارم ہاؤس ہی منتخب کیا ہے۔ اس جگہ میں ایسی مقناطیسیت ہے کہ میرے دشمن بھی میرے دوست بن جاتے ہیں۔ کیا خیال ہے؟" "بہت اچھا خیال ہے یقیناً کسی اہم مسئلے پر ہی آپ نے انہیں مدعو کیا ہوگا۔" "ہاں ایسی ہی بات ہے۔" خاں صاحب نے مدہم لہجے میں کہا۔ پہلا موقع تھا یہ جب خاں صاحب نے اسے اصل بات بتانے کے بجائے گول مول الفاظ میں ٹال دیا تھا اور پاکیزہ کا شبہ یقین کی منزل کی جانب چل پڑا تھا۔ صحافیوں کو دعوت نامے بھجوا دیئے گئے اور خاں صاحب نے فارم ہاؤس پر انتظامات کرانے شروع کر دیئے۔ پھر پاکیزہ کو لے کر وہ فارم ہاؤس چل پڑے۔ یہاں صحافیوں کیلئے بڑے خوبصورت خیمے لگوائے گئے تھے۔ یہ ایک ندرت تھی، حالانکہ فارم ہاؤس میں اتنی جگہ تھی کہ جتنے بھی صحافی بلائے جائیں ان کے قیام کا بندوبست ہو سکے لیکن بہرحال مختلف رنگوں کے خیمے اور ان کے درمیان جگمگاتی روشنیاں، درمیان میں بہت چوڑی جگہ جہاں سرسبز و شاداب گھاس اور اس پر پھولوں کے قطعات تھے، مثالی جگہ بن گئی تھی بالآخر پاکیزہ نے سوال کر ہی ڈالا۔ "کیا آنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگی؟" "بہت زیادہ تو نہیں، پھر بھی تیس پینتیس افراد ہوں گے۔" "انہیں تو ہم اندر بھی ٹھہرا سکتے تھے۔" "خیموں کا یہ شہر برا لگ رہا ہے؟" "نہیں میں نے ایسے ہی پوچھ لیا تھا۔" "مجھے حسن سے پیار ہے اور دیکھو یہ سب کچھ کتنا خوبصورت لگ رہا ہے۔" خاں صاحب نے جواب دیا۔ پاکیزہ خندہ پیشانی سے مسکرا کر خاموش ہو گئی تھی۔ صحافیوں کی آمد کا وقت آ گیا، وہ اس فارم ہاؤس کی شان و شوکت دیکھ کر دنگ رہ گئے تھے، خاں صاحب اپنی کاوشوں میں معروف تھے اور پاکیزہ اپنے لئے شکار تلاش کر رہی تھی۔ صحافی بیچارے اپنے ہی مسائل کا شکار ہوتے ہیں، پاکیزہ کو ان میں کوئی ایسی شخصیت نہ مل سکی جس کی جانب توجہ دے کر وہ اپنے محبوب مشغلے کو جاری رکھ سکتی، لیکن خاں صاحب کو ہارونہ شاہ مل گئی تھی جو اس فارم ہاؤس کے ایک ایک چپے کو دیکھ کر حیرت سے منہ کھولے ہوئے تھی۔ "بات اصل میں یہ ہے خاں صاحب کہ کتابی باتیں اور کہانیاں مختلف ہوتی ہیں، انسان کو جب حقیقت سے واسطہ پڑتا ہے تب اسے پتہ چلتا ہے کہ دنیا کیا ہے، یہ فارم ہاؤس مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میرے کسی خواب کی تعبیر ہو۔" "آپ کی عمر خواب دیکھنے کی ہی ہے مس شاہ، اس عمر میں خواب دیکھے جاتے ہیں، لیکن بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں ان خوابوں کی تعبیر ملتی ہے اور بعض لوگوں کو اس طرح مل جاتی ہے جیسے آپ کو۔" "مجھے میرے خوابوں کی تعبیر! نہیں جناب ہمیشہ قسمت کو آزمایا ہے، کبھی اسے اپنا ساتھی نہیں پایا۔" "کیا مطلب؟" "میرا مطلب ہے کہ میں ایک معمولی سے گھرانے کی لڑکی ہوں، اخبار میں ملازمت کرتی ہوں اور بس، اور اخبار بھی معافی چاہتی ہوں بہت بڑا نہیں ہے، ہمارا اخبار مالی مشکلات کا شکار ہے اور ہم وہ مقام نہیں حاصل کر پائے جس کے آرزومند تھے۔" "ہر چیز کا ایک وقت متعین ہوتا ہے، آپ چاہیں تو اپنے اخبار کی تقدیر بدل سکتی ہیں۔" "میں...... ایک معمولی سی صحافی!" "جو لوگ شمشیر احمد خاں کی قربت اس طرح حاصل کر لیتے ہیں جیسے آپ نے حاصل کی ہے وہ معمولی نہیں رہتے۔" ہارونہ شاہ نے گہری مسکراہٹ کے ساتھ شمشیر احمد خاں کو دیکھا تھا، شمشیر احمد خاں نے کہا۔ "کیا نام ہے آپ کے اخبار کا؟" ہارونہ نے اسے اپنے اخبار کا نام بتایا تو اس نے کہا۔ "اس اخبار کو تمام سرکاری اشتہارات مل جائیں گے۔ میں اس کی ہدایت کر دوں گا۔ اس کے علاوہ اس کی جو مشکلات ہیں اس میں اس کی مالی مدد بھی کی جا سکتی ہے، جس کسی سے بھی کہہ دوں گا وہ میری ہدایت پر اخبار کی تمام ضرورتیں پوری کرنے کیلئے تیار ہو جائے گا۔ آپ اس پر ہماری پارٹی کا لیبل بے شک نہ لگائیں، لیکن ہمیں بھرپور کوریج دیں۔" "میرے ایڈیٹر صاحب تو خود آپ کی پارٹی کی جانب مائل ہیں، اگر آپ ہمارے اخبار کا جائزہ لیں تو فوراً آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ ہم زیادہ تر آپ کی پارٹی کو ہی فلیش کرتے ہیں۔" "تو پھر مس ہارونہ شاہ، آپ اس وقت بلکہ اسے میری پارٹی نہ کہیں اپنی پارٹی بھی کہہ سکتی ہیں، کیا سمجھیں۔" "یہ تو وہی مثال ہوئی کہ آگ لینے کو گئے پیغمبری مل گئی، آپ کا ہر لفظ قیمتی ہوتا ہے خاں صاحب، کم از کم اتنی معلومات مجھے حاصل ہیں کہ آپ کسی سے جو کچھ کہتے ہیں وہ کر دیا کرتے ہیں۔" "آپ اب اگر یقین کرنا چاہیں تو کر لیں کہ یہ دعوت آپ ہی کی وجہ سے ہے، آپ پہلی ہی نظر میں مجھے پسند آ گئی تھیں۔" ہارونہ مسکرا دی۔ دور دور سے پاکیزہ خاں صاحب کی لگاوٹ کو دیکھ رہی تھی۔ خاں صاحب ہارونہ سے باتیں کرتے رہے، انہوں نے اس سے کہا۔ "اخبار سے چھٹی تو مل جاتی ہوگی آپ کو کبھی کبھی۔" "اپنی مرضی کی مالک ہوں، میرے ایڈیٹر صاحب جانتے ہیں کہ میں ایک بے باک صحافی ہوں۔" "تو پھر میرے اس فارم ہاؤس پر آیئے، آپ کو شکار کھلائیں گے۔" "میں تو اس کے اطراف کو دیکھ کر ہی ششدر ہوں، واقعی آپ نے زمین پر جنت بنا ڈالی ہے۔" خاں صاحب ہنسنے لگے تھے۔ بہرحال جب تک یہ کانفرنس جاری رہی۔ خاں صاحب ہارونہ شاہ کے ساتھ رہے۔ کسی چیز سے خوفزدہ ہونے والوں میں سے تو تھے ہی نہیں۔ پاکیزہ بے شک اب تک اپنا مقام حاصل کئے ہوئے تھی، لیکن اس نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ اس کے بعد بھی ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں اور اب اسے بہت دور کی کہکشاں نظر آ رہی تھی۔ لیکن پاکیزہ کو اس بات کی ذرہ برابر فکر نہیں تھی بلکہ بارہا اس نے سوچا تھا کہ خاں صاحب کی گرفت سے کیسے نکلا جا سکتا ہے، البتہ وہ اس اقتدار کو نہیں چھوڑنا چاہتی تھی جو خاں صاحب کے ذریعے اسے حاصل ہوا تھا۔ کوئی ایسی ترکیب ہو، کوئی ایسا عمل ہو جس سے اقتدار بھی اس کے پاس رہے اور خاں صاحب کے چنگل سے نجات بھی مل جائے۔ خاں صاحب نے ہارونہ شاہ کو تحائف بھجوانا شروع کر دیئے تھے اور اس کے اخبار کو فوری طور پر بڑی مراعات سے نوازا جانے لگا۔ پارٹی کے تمام اشتہارات ادھر جا رہے تھے۔ ذاتی طور پر ہارونہ شاہ کو جو تحائف مل رہے تھے وہ اس کیلئے بڑی اہمیت کے حامل تھے۔ خاں صاحب نے اسے فارم ہاؤس پر بلایا اور یہ پہلا موقع تھا کہ فارم ہاؤس پر جاتے ہوئے انہوں نے پاکیزہ کو نہیں پوچھا تھا۔ "اصل میں ان دنوں ذرا حالات کافی گڑبڑ ہو گئے ہیں، کچھ ایسے سیاسی معاملات الجھے ہیں جنہیں بڑی مہارت کے ساتھ سرچ کیا جا رہا ہے۔ تھوڑا سا معروف ہوں پاکیزہ محسوس نہ کرنا۔" "نہیں آپ یہ کیوں سوچ رہے ہیں، میں تو صرف یہ کہہ رہی ہوں کہ میری اگر کہیں ضرورت ہو......" "ایک بات سوچ رہا ہوں میں۔" خاں صاحب نے کہا۔ "کیا؟" "ظاہر ہے جو کچھ میں تمہیں بتا رہا ہوں وہ تم نے بڑی خوش اسلوبی سے پک کر لیا ہے۔ احتشام الدین کو یہ بات میں نے بتا دی ہے کہ میں تمہیں سیاست کی دنیا میں لانا چاہتا ہوں۔ میرا خیال ہے کچھ عرصے کیلئے ان کے پاس چلی جاؤ اور ان سے گر کی باتیں سیکھو۔ میں انہیں ہدایات دے دوں گا۔" پاکیزہ ایک لمحے کے اندر اندر سمجھ گئی کہ یہ راستہ خالی کرنے کی کوشش ہے، لیکن جانتی تھی کہ ذرا سی لغزش بہت کچھ کر سکتی ہے چنانچہ اس نے گردن خم کر کے کہا۔ "جیسا آپ پسند کریں۔" اور پھر وہ ماموں جان کے گھر چلی آئی۔ خاں صاحب خود اسے چھوڑنے آئے تھے اور انہوں نے احتشام الدین کو ہدایات دی تھیں۔ احتشام الدین نے مسکرا کر گردن ہلائی اور بولے۔ "آپ سے زیادہ اسے اور کون سکھا سکتا ہے تاہم میرا تو کام ہی آپ کے حکم کی تعمیل کرنا ہے۔" خاں صاحب مسکرا کر خاموش ہو گئے تھے۔ بہرحال پاکیزہ گہری سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی اور بہت سے فیصلے کر رہی تھی۔ شمشیر احمد خاں پہلے دن سے اس کیلئے قابل قبول نہیں تھے۔ پاکیزہ کا انداز فکر بالکل مختلف تھا۔ جہاں آرا بیگم یا اس سے پہلے خورشید بیگم اگر سوکن کی رقابت کا شکار ہوئی ہوں تو ہوئی ہوں لیکن پاکیزہ کے اندر رقابت کا نام و نشان ہی نہیں تھا۔ وہ تو بس اپنے طور پر یہ سوچ رہی تھی کہ اقتدار کس طرح حاصل ہو سکتا ہے اور پھر ایک دن احتشام الدین کی ٹیلیفون ڈائریکٹری میں اسے رانا جبار کا نمبر مل گیا اور ایک دم اس کے ذہن میں ایک عجیب سی بات آئی۔ اس نے احتیاط کے ساتھ رانا جبار کو فون کیا۔ فون خود رانا جبار ہی نے موصول کیا۔ "ہیلو رانا جبار بول رہا ہوں۔" "رانا صاحب میرا نام پاکیزہ ہے، آپ کو ضرور یاد ہوگا۔" "او ہو بیگم صاحبہ، بھلا آپ کا نام ہمیں یاد نہیں رہے گا، ہم جو آپ کے نیازمندوں میں سے ہیں۔"

"رانا صاحب میں ان دنوں احتشام الدین صاحب کے پاس آئی ہوئی ہوں۔ آپ کے پاس اگر کچھ وقت ہو تو آپ یہاں آ کر مجھ سے ملاقات کریں۔ لیکن خفیہ طور پر میں یہ ملاقات کسی کے علم میں نہیں لانا چاہتی۔ شمشیر احمد خاں یا ماموں احتشام الدین کے علم میں بھی نہیں۔" رانا جبار کچھ لمحے خاموش رہا۔ پھر بولا۔ "جیسا حکم، لیکن کب اور کیا احتشام صاحب کے گھر میں۔" "میں اس وقت یہیں ہوں، لیکن آپ کو ذرا احتیاط برتنا ہوگی، آپ کا موبائل نمبر تو ہوگا ہی؟" "ہاں کیوں نہیں۔" "آپ جب یہاں آ جائیں تو مجھے موبائل پر رنگ کر دیں میں آپ کو وقت اور جگہ بتا دوں گی۔" "بہت بہتر، لیکن......" "نہیں رانا صاحب، اس وقت کسی لیکن کی گنجائش نہیں، میں ابھی چند روز یہاں ہوں آپ کے فون کا انتظار کروں گی، خدا حافظ۔" یہ کہہ کر پاکیزہ نے فون بند کر دیا۔ رانا جبار نے دوسرے ہی دن اسے فون کیا۔ "میں یہاں پہنچ گیا ہوں بیگم صاحبہ۔" "آپ یہاں کسی ایسی جگہ کے بارے میں جانتے ہیں جہاں ہم ایک محفوظ ملاقات کر سکیں۔" "میرا گھر ہے یہاں۔" "او گڈ کہاں؟" "میں خود آپ کو لینے حاضر ہو جاؤں گا، بیگم صاحبہ۔" "گڈ۔ گویا عقل کی کچھ کمی ہے۔ کوئی بات نہیں آپ مجھے پتہ بتایئے میں خود آ جاؤں گی۔ آپ خود سوچیں میں اس ملاقات کو خفیہ رکھنا چاہتی ہوں اور آپ مجھے لینے آ رہے ہیں۔" رانا جبار شرمندہ ہو گیا تھا۔ پھر اس نے خجل لہجے میں اپنے گھر کا پتہ بتایا۔ "شام کو پانچ بجے میں پہنچ جاؤں گی۔" حالانکہ اب احتشام الدین کے ہاں بھی دو قیمتی کاریں موجود تھیں، ایک احتشام الدین کی دوسری خود پاکیزہ کی۔ لیکن پاکیزہ ایک رکشہ سے مطلوبہ پتے پر پہنچی تھی۔ رانا جبار نے حیرت زدہ سی کیفیت میں اس کا استقبال کیا تھا۔ "اب یہ نہ کہیں کہ میں گاڑی بھیج دیتا۔" پاکیزہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ رانا اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔ پھر وہ بڑے احترام سے پاکیزہ کو اندر لے گیا۔ مشروب وغیرہ سے تواضع کرنے کے بعد پاکیزہ نے کہا۔ "میں زندگی میں تمہید کو ایک بے مقصد چیز سمجھتی ہوں۔ کنجوس نہیں ہوں لیکن لفظوں کی فضول خرچی بھی مجھے پسند نہیں ہے۔ یعنی جو کہنا ہے فوراً کہہ دو۔" "جی بیگم صاحبہ۔" "رانا میں جانتی ہوں کہ آپ ہمیشہ آزاد زندگی بسر کرتے رہے ہیں، گو خاں صاحب کی وجہ سے آپ ان علاقوں میں کبھی الیکشن نہیں جیتے لیکن آپ نے کبھی ہمت نہیں ہاری۔ آپ بھی جانتے ہیں اور میں بھی کہ یہ الیکشن خاں صاحب نے آپ کو جتایا ہے۔" "جی میں جانتا ہوں۔" "وجہ جانتے ہیں؟" "تھوڑی بہت۔" "بتانا پسند کریں گے۔" پاکیزہ نے کہا۔ "جی! راؤ افتخار پچھلے کچھ عرصے سے خاں صاحب سے سرکشی کرنے لگا تھا۔" "بالکل یہی بات ہے، خاں صاحب نے آپ کو الیکشن جتایا اور اس کے بعد راؤ افتخار میدان سے ہٹ گیا۔ اس کی موت کا الزام آپ پر لگایا گیا۔ اس طرح خاں صاحب نے آپ کو اپنی پارٹی میں شامل ہونے پر مجبور کر دیا اور واقعی ان کیلئے یہ مشکل کام نہیں تھا کہ وہ آپ کو راؤ افتخار کے قتل کا ملزم قرار دے دیتے۔" "میں جانتا ہوں۔" رانا جبار پھسپھسے لہجے میں بولا۔ "اصل میں خاں صاحب کا اپنا ایک مزاج ہے اور وہ اسی انداز میں داؤ پیچ کرنے کے عادی ہیں، لیکن آپ مجھے ایک بات بتایئے، آپ سب لوگوں نے چوڑیاں پہن رکھی ہیں۔" رانا جبار نے کسی قدر سہمی ہوئی نگاہوں سے پاکیزہ کو دیکھا تھا۔ "چوڑیاں تو نہیں پہن رکھیں بیگم صاحبہ، لیکن ہم خاں صاحب کے خلاف کچھ کر بھی تو نہیں سکتے۔" "یہی تو میں جاننا چاہتی ہوں کہ کیوں؟" "سیدھی سی بات ہے وہ صاحب اختیار ہیں، بادشاہ گر ہیں، ان کی پہنچ دور دور تک ہے۔" "ٹھیک ہے، لیکن کوئی ایک شخص ایسا تو ہو سکتا ہے جو ان کے اختیارات کی کہانی ختم کر سکے۔" "بیگم صاحبہ، ہاتھ جوڑ کر درخواست کرتا ہوں کہ جو کچھ آپ کہنا چاہتی ہیں خدا کیلئے کہہ دیجئے مجھے بخار آ جائے گا۔" پاکیزہ ہنس پڑی پھر بولی۔ "بتاتی ہوں آپ کو، خاں صاحب مجھے سیاست سکھا رہے ہیں، میں ان کی بیوی کی حیثیت سے خوش و خرم زندگی گزار رہی تھی اور مجھے کسی بھی قسم کی سیاست سے دلچسپی نہیں تھی، لیکن مجھے سیاسی طور پر معروف کر دینا خاں صاحب کے مفادات میں ہے۔ وہ دوہرے مزاج کے انسان ہیں، ایک طرف وہ اپنے خلوت کدے کو حسین چہروں سے آباد رکھنا چاہتے ہیں تو دوسری طرف وہ سیاسی طور پر بھی اپنے اقتدار کے خواہش مند ہیں، میں ان کی اس خواہش سے منحرف نہیں ہوں، ظاہر ہے وہ میرے شوہر ہیں، لیکن ان کے اندر جو جذبہ ہے وہ مجھے پسند نہیں ہے، سیاست داں نہیں بننا چاہتی تھی، خاں صاحب نے کہا تو میں نے ان کی پیشکش قبول کر لی، لیکن اس کے پس منظر میں خاں صاحب مجھ سے آزادی چاہتے ہیں اور میں پورے اعتماد اور وثوق کے ساتھ یہ بات کہتی ہوں کہ کوئی مرحلہ ایسا بھی آ سکتا ہے جب خاں صاحب مجھے اپنے سیاسی حریف کے طور پر اسی طرح موت کے گھاٹ اتروا دیں جس طرح راؤ افتخار کو زندگی سے محروم ہونا پڑا ہے اور اس کی موت کا الزام کسی پر بھی لگا دیں۔" رانا جبار کے بدن میں نمایاں طور پر تھرتھراہٹ پیدا ہو گئی تھی، اس نے لرزتی آواز میں کہا۔ "آپ یہ بات تسلیم کرتی ہیں کہ میں نے راؤ افتخار کو نہیں مروایا۔" "میرے تسلیم کرنے یا نہ کرنے سے کچھ نہیں ہوتا، آپ نے خود یہ بات تسلیم کر لی کہ ایسا ہوا ہے اور آپ خاں صاحب کی پارٹی میں شامل ہو گئے۔" "زندہ رہنا چاہتا ہوں اور یہ بھی چاہتا ہوں کہ اقتدار میں رہوں اور یہ جانتا ہوں کہ اگر میں پارٹی میں شامل نہ ہوتا تو نہ زندہ ہوتا اور نہ اقتدار میں رہتا۔" "ایک بات بتایئے رانا جبار، سیاست کیا صرف شمشیر احمد خاں کے گھر کی غلام ہے، کیا کوئی اور دماغ یہاں تک نہیں پہنچ سکتا؟" "پہنچ سکتا ہے بیگم صاحبہ۔" "کون ہے وہ؟" "آپ؟" رانا جبار نے کہا۔ "ٹھیک کہتے ہیں آپ رانا صاحب، میں کوئی عام عورت نہیں ہوں شمشیر احمد خاں صاحب نے جب تک مجھے ہاؤس وائف رکھا میں نے کوشش کی کہ ایک اچھی بیوی ثابت ہو سکوں، اور جب انہوں نے میرے ساتھ بھی سیاسی داؤ پیچ کھیلنے شروع کئے تو پھر اب میری کوشش ہے کہ ایک اچھی سیاستداں بھی ثابت ہوں اور سیاست کے بہت سے اصولوں سے اب مجھے واقفیت حاصل ہو چکی ہے، مثلاً یہ ہے کہ اگر اقتدار میں آنا ہے یا رہنا ہے تو سب سے پہلے اپنے سیاسی حریفوں کو اس قدر پست اور کمزور کر دوں کہ کبھی وہ تمہارے خلاف آواز نہ اٹھا سکیں۔ یا آواز اٹھانے کے قابل نہ رہیں، رانا جبار! جیسا کہ میں نے تم سے کہا کہ میں تمہید کی قائل نہیں ہوں، ہر کام ٹو دی پوائنٹ کرنا چاہتی ہوں تو میں تمہیں پیشکش کرتی ہوں کہ میرے دست راست بن جاؤ، ہم لوگ یہ کوشش کریں گے کہ کسی بھی طرح خاں صاحب اپنی قوت کھو بیٹھیں، زندہ رہ کر یا مر کر، لیکن جانتے ہو یہ کام اتنا آسان نہیں ہے، مشکل کام کو ہم بڑی ذہانت اور ذمہ داری کے ساتھ پورا کریں گے، کیا تم میرا ساتھ دو گے؟" رانا جبار سہمی ہوئی نگاہوں سے پاکیزہ کو دیکھتا رہا، پھر اس نے کہا۔ "بیگم صاحب! میں بحالت مجبوری پارٹی میں شامل ہوا ہوں اور اس میں میرا سارا کیریئر داؤ پر لگ گیا ہے، جن لوگوں نے مجھے ووٹ دیئے تھے یہی سوچ کر دیئے تھے کہ میں ایک باہمت انسان ہوں، لیکن جب سے میں نے پارٹی کی رکنیت قبول کی ہے، میرا احترام کرنے والے مجھے ناپسندیدہ نگاہوں سے دیکھنے لگے ہیں اور اس بات سے میں خوش نہیں ہوں۔ لیکن بیگم صاحب یہ بات میں جانتا ہوں کہ خاں صاحب بھی اس بات سے لاعلم نہیں ہیں کہ میں دل سے انہیں پسند نہیں کرتا، بیگم صاحب میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہو سکتا ہے آپ کے ذریعے وہ میرا امتحان لینا چاہتے ہوں۔" پاکیزہ نے پہلی بار مسکراتی نگاہوں سے رانا جبار کو دیکھا اور بولی۔ "گڈ، جب تم نے کہا تھا کہ کیا میں آپ کو لینے آ جاؤں تو میں نے سوچا تھا کہ یہ آدمی زیادہ عقل مند نہیں ہے، لیکن آپ کے ان الفاظ نے میری نگاہوں میں آپ کی شخصیت بدل دی۔ آپ کو تحقیقات کرنے کا پورا پورا حق ہے، میں خاں صاحب کے جاسوس کی حیثیت سے یہ بات نہیں کر رہی بلکہ خود میرے دل میں بھی یہ خواہش موجود ہے، سنئے میں اپنی مرضی یا اپنی پسند سے خاں صاحب کی بیوی نہیں بنی، وہ کتنے ہی بڑے آدمی ہوں، آپ میری اور ان کی عمر کا تضاد دیکھئے، بہرحال دل تو ہمیشہ میرا ان کو انکل کہنے کو چاہتا تھا اور چاہتا ہے، لیکن یہاں میری مجبوری میرے ساتھ ہے، اگر بات سمجھ میں آ جائے تو ٹھیک ہے۔ نہیں تو آپ اپنی مرضی کے مالک ہیں، ہاں میری اس خواہش کا اظہار اگر کبھی خاں صاحب پر ہوا تو یہ بات میں سمجھ لوں گی کہ وہ آپ کی زبانی ان تک پہنچی اور اس کے بعد میں آپ کی دشمن بن جاؤں گی۔ بہرحال شمشیر احمد خاں کی بیوی ہوں، آپ سے انتقام لینے میں مجھے زیادہ وقت نہیں ہوگی۔" رانا جبار سنسنی خیز نگاہوں سے پاکیزہ کو دیکھتا رہا تھا، پھر اس نے کہا۔ "ٹھیک ہے بیگم صاحب میں کسی نہ کسی طریقے سے آپ سے ملاقات کرتا رہوں گا، آپ یہ سمجھ لیجئے کہ نوے فیصد میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں اور آپ کی بات ماننے کو تیار ہوں، دس فیصد میں صرف میرا خوف ہے، آپ مجھے تھوڑا سا موقع ضرور دیں گی۔" "ٹھیک ہے۔" پاکیزہ نے کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ "رکشہ سے واپس جائیں گی؟" "ہاں۔" پاکیزہ نے جواب دیا۔ "مجھے اچھا نہیں لگے گا۔" "اور کچھ۔" پاکیزہ نے مسکرا کر کہا۔ رانا خاموش ہو گیا تھا۔ اس نے رکشہ کیلئے پاکیزہ کے ساتھ باہر آنا چاہا، لیکن پاکیزہ اس کیلئے بھی تیار نہیں ہوئی تھی۔ اس کے جانے کے بعد رانا جبار بہت دیر تک بیٹھا سوچتا رہا تھا۔ اسے اب بھی شبہ تھا کہ پاکیزہ اس سے مخلص ہے یا یہ واقعی شمشیر احمد خاں کی کوئی چال ہے۔ وہ جاننا چاہتے ہیں کہ رانا ان سے مخلص ہے یا نہیں۔ لیکن اس شبے کی تردید خود اس کا ذہن کر رہا تھا۔ شمشیر احمد اس قدر صاحب اختیار ہے کہ جو چاہے کر سکتا ہے، اسے یہ سب کچھ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ تاہم ابھی احتیاط لازم تھی۔ ادھر پاکیزہ سوچ رہی تھی کہ اس کا یہ قدم بہتر بھی ہوگا یا نہیں۔ رانا جبار ابن الوقت ہے وہ اپنے اقتدار اور اختیارات کو وسیع کرنے کیلئے تو سب کچھ کر سکتا ہے لیکن اگر اس راز کو طشت از بام کرنے سے اسے کچھ حاصل ہونے کی امید ہو جائے تو وہ گریز نہیں کرے گا۔ اس کے ساتھ ہی اسے ایک اور احساس ہوا تھا وہ یہ کہ رانا جبار عمر رسیدہ نہیں تھا لیکن اس نے اس تنہا ملاقات کے باوجود اس سے متاثر ہونے کا اظہار نہیں کیا تھا اور خاصی حد تک سپاٹ رہا تھا...... کیوں؟ ایسا اکثر ہوتا نہیں تھا۔ اس احساس نے پاکیزہ کو کسی حد تک اداس کر دیا۔ اسے کوئی اقتدار نہیں چاہئے تھا، کوئی حیثیت نہیں چاہئے تھی، اسے تو بس مملکت حسن کی شہنشاہیت درکار تھی۔ یہ کیا ہوا۔ کیا خان صاحب کی قربت نے اس کے حسن میں گھن لگا دیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو بہت برا ہوا۔ گھر واپس جا کر وہ نہ جانے کب تک آئینے میں خود کو دیکھتی رہی تھی۔ پھر وہ دیر تک بستر پر لیٹی سوچتی رہی تھی۔ خاں صاحب سے چھٹکارا اب بہت ضروری تھا۔ لیکن کیا رانا جبار سے یہ کام لیا جا سکتا ہے۔ لیکن صرف رانا جبار کافی نہیں ہے۔ حویلی میں اس کے کچھ اور راز دار بھی ہونے چاہئیں، کچھ ایسے لوگ جو نچلی سطح کے ہوں اور رقم کے لالچ میں اس کا ساتھ دیں۔ ایسے کون لوگ ہو سکتے ہیں اور پھر حویلی سے دور رہ کر یہ کام کیسے ہو سکتا ہے۔ اسے حویلی واپس جانا ہوگا۔ لیکن کیسے؟

☆......☆......☆

ہارونہ شمشیر احمد خاں کی حویلی میں داخل ہو گئی۔ خاں صاحب نے اس کا خیر مقدم کیا تھا۔ "آپ تنہا آئی ہیں۔" "آپ نے تنہا ہی بلایا تھا۔" "کیا بات ہے۔ آپ بہت زیادہ خود اعتماد ہیں یا پھر آزاد خیال۔" "براہ کرم آپ میرے آئیڈیل کی توہین نہ کریں۔" "سوری میں سمجھا نہیں۔" "آپ میرا آئیڈیل ہیں۔ آپ کا حکم ملا کہ میں آ جاؤں اور میں آ گئی۔ نہ میں زیادہ خود اعتماد ہوں اور نہ آزاد خیال۔ میں بس یہ جانتی تھی کہ مجھے کس نے بلایا ہے، اس کے بعد میں نے اور کچھ نہیں سوچا۔" خاں صاحب غور سے اسے دیکھنے لگے تھے۔ پھر انہوں نے کہا۔ "اس اعزاز کا صلہ کیا دوں تمہیں مس شاہ۔" "دیں گے؟" ہارونہ نے پوچھا۔ "منہ مانگا۔" "وہ پھول توڑ کر میرے بالوں میں سجا دیجئے۔" ہارونہ نے ایک طرف اشارہ کیا۔ اور خاں صاحب حیران رہ گئے۔ پھر انہوں نے اس کی خواہش کی تکمیل کر دی اور بولے۔ "اس کے علاوہ۔" "بس۔" "کتنا وقت دے سکتی ہو مجھے؟" "آخری سانس تک۔" ہارونہ بولی۔ "آؤ۔ پھر فارم ہاؤس چلتے ہیں۔" فارم ہاؤس پہنچ کر خاں صاحب نے ہارونہ سے پوچھا۔ "گھر میں اور کون ہے۔" "دو پریشان حال ماں باپ۔ تین بہنیں اور میں۔" "پریشان حال کیوں۔" "دو بہنیں مجھ سے بڑی ہیں۔ ایک چھوٹی۔ چار بیٹیوں کا بوجھ ہے ان پر۔ وہ معمولی سی ملازمت کرتے ہیں۔ ایک گارمنٹ اسٹور پر سیلز مین ہیں۔" "اخبار کو ملنے والے اختیارات وغیرہ سے آپ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔" "میری تنخواہ میں ایک ہزار کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔" "بس۔" "نہیں جناب۔ یہ معمولی اضافہ نہیں ہے۔" "چلیں پھر یہ اخبار خرید لیتے ہیں۔ آپ اس کی مالک ہوں گی اور وہ سارے آپ کے ملازم، اخبار کے مالک سمیت کیا خیال ہے۔" "زیدی صاحب یہ اخبار کبھی نہیں بیچیں گے۔ وہ اس سے جذباتی رشتہ رکھتے ہیں۔" "اور ہم آپ سے جذباتی رشتہ رکھتے ہیں۔ اول تو زیدی صاحب کی یہ مجال نہیں کہ وہ ہمارے حکم کو ٹال سکیں۔ اور پھر دوسرا اخبار بھی نکالا جا سکتا ہے۔ زیدی صاحب کا سارا اسٹاف آپ اچھی تنخواہوں پر اٹھا لیں۔" "آہ کاش۔" ہارونہ نے کہا۔ "سمجھ لیں ایسا ہو گیا۔ لیکن۔" خاں صاحب رک گئے اور ہارونہ سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔ "لیکن اس کے بعد آپ ہماری ہوں گی۔"

ہارونہ نے زیادہ تجاہل برتنا مناسب نہیں سمجھا۔ زیادہ اداکاری کبھی کبھی بات بگاڑ دیتی ہے کچھ دیر تک وہ خاموش رہی پھر نگاہیں جھکائے جھکائے بولی۔ "میرے گھر آیئے پلیز۔ میرے ماں باپ آپ کی پذیرائی کریں گے اور آپ۔" "ٹھیک ہے۔" خاں صاحب نے کہا۔ ہارونہ کو اس کے گھر چھوڑ کر خاں صاحب واپس حویلی پہنچے تو پاکیزہ نے ان کا استقبال کیا تھا۔

(جاری ہے)

تتلی

(ایم اے راحت)

آخری قسط

خان صاحب، پاکیزہ کو دیکھ کر حیران ہو گئے تھے۔ ایک لمحے تک ان کے چہرے پر حیرانی کے آثار قائم رہے اور پھر پاکیزہ نے بے بسی کی درشتگی ان کے نقوش میں پائی۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا تھا، خان صاحب کی آنکھوں کو وہ اچھی طرح پہچانتی تھی اور اس وقت اسے وہ آنکھیں بدلی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ وہ مسکراتی ہوئی آگے بڑھی تو خان صاحب نے کہا۔ "ہمیں کسی قسم کی اطلاع دیئے بغیر تم کیسے واپس آ گئیں پاکیزہ؟" "بس دل چاہا۔" پاکیزہ نے محبوبیت سے کہا۔ "نہیں پاکیزہ! ابھی تو کمزوری ہے ہماری نفرت ہے، بہت چھوٹی سی عمر میں ہمارے اندر یہ برائی پیدا ہوئی تھی کہ جو کچھ ہم چاہتے تھے اس کا ہونا ضروری ہو جاتا تھا، نافرمانی ہمیں بالکل پسند نہیں تھی اور آج بھی یہی بدبخت عادت دل و دماغ پر سوار ہے، ہمارے خیال میں تم نے نافرمانی کی داغ بیل ڈال دی ہے اور ہم تمہیں اپنی کمزوری بتا چکے ہیں۔" پاکیزہ دو قدم آگے بڑھی اور پھر پوری اداکاری کرتی ہوئی بولی۔ "میں اپنی اس جرأت کیلئے سخت شرمندہ ہوں اور معافی کی خواستگار ہوں، مگر کیا کروں عورت ہوں اور عورت اپنے سہاگ کو اپنی زندگی سے زیادہ عزیز سمجھتی ہے، ایک خواب مجھے یہاں لے آیا ہے ورنہ آپ کی اجازت کے بغیر میں ایک قدم نہ اٹھاتی۔" "خواب؟" "ہاں، حالانکہ یہ بھی جانتی ہوں کہ خواب دماغ کی اختراع ہوتے ہیں۔ معدے کی خرابی سے جنم لیتے ہیں، لیکن انسان کمزوریوں کا پتلا ہے۔" "ہاں۔" "میں نے آپ کو مشکل میں گھرے ہوئے دیکھا، میں نے دیکھا کہ آپ کے چاروں طرف پانی ہی پانی ہے، یہ پانی بلند ہو رہا ہے اور آپ اس میں ڈوبتے جا رہے ہیں، میں بڑے جتن کرتی ہوں کہ کسی طرح آپ کو پانی سے نکال لوں، مگر پانی آپ کے کندھوں سے اوپر پہنچ چکا ہوتا ہے۔ میری آنکھ کھل جاتی ہے۔ آپ یقین کریں کہ میرا سارا بدن پسینے میں اس طرح بھیگا ہوا تھا جس طرح کوئی پانی میں ڈوب کر نکلتا ہے۔ بس اس وقت سے تڑپ رہی تھی آپ تک آنے کیلئے اور پھر بے اختیار چلی آئی۔ معافی چاہتی ہوں، سخت شرمندہ ہوں۔" خان صاحب اسے دیکھتے رہے پھر بولے۔ "اس کے باوجود تمہیں ہم سے ٹیلیفون پر رابطہ قائم کرنا چاہئے تھا، یہاں آنے کی اجازت لینی چاہئے تھی۔" "اپنے گھر میں بھی؟" [illegible]

☆.....☆.....☆

مرزا احمد، رانا جبار کا بچپن کا دوست تھا۔ رانا اس کی ذہنی صلاحیتوں کو جانتا تھا، اسے پتہ تھا کہ مرزا احمد بہت ذہین اور چالاک آدمی ہے۔ [illegible]

☆.....☆.....☆

خان صاحب، ہارونہ شاہ کے گھر پہنچ گئے۔ اس معمولی سے گھرانے میں اتنی بڑی شخصیت کا جس قدر شاندار استقبال ہو سکتا تھا، ہر شخص خان صاحب کے قدموں میں بچھ گیا۔ [illegible]

شمشیر احمد خان عادی مجرم تھے اور آخر کار انہوں نے جرم کر ڈالا تھا۔ [illegible]

ہوں۔" شمشیر احمد خاں نے ایک لمحے تک غور کیا، وہ ان الفاظ سے متاثر ہوئے تھے، پھر انہوں نے کہا۔ "ہاں پاکیزہ! تم ٹھیک کہتی ہو، بہت شکریہ کہ تم نے عام عورت ہونے کا ثبوت نہیں دیا اور میں یقین کرو تمہارے بارے میں، میں نے جب بھی سوچا یہی سوچا کہ تم کوئی عام عورت نہیں ہو۔ بہت اچھا فیصلہ کیا ہے تم نے اور تمہاری جو خواہش ہے تم سمجھ لو میں نے اسے دل سے قبول کر لیا ہے۔ اب ایک دوستانہ مشورہ دوں، تم احتشام احمد کے پاس ہی رہو، تمہیں زندگی بھر کیلئے جو چیز درکار ہو سمجھو تمہیں مل گئی۔ اپنے نام کے ساتھ تم میرا نام استعمال کر سکتی ہو۔ احتشام احمد تمہیں سیاست سکھا رہے ہیں، یہ میرا وعدہ ہے کہ میں تمہیں کوئی بڑا عہدہ دلواؤں گا۔ آئندہ الیکشن میں تم کامیاب ہو گی اور اس کے بعد تمہیں عہدہ دلوایا جائے گا، سمجھ رہی ہو نا تم، یہ تمہارے لئے میرا انعام ہو گا۔"

☆.....☆.....☆

رانا جبار نے پاکیزہ کو فون کیا اور بولا۔ "میڈم! آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔" "ہاں رانا! بتاؤ مجھے کہاں آنا ہے؟" "میری رہائش گاہ آپ کو یقیناً یاد ہو گی اور وہ جگہ زیادہ محفوظ ہے کیونکہ خان صاحب اپنی نئی نویلی دلہن میں مصروف ہیں۔" "کب پہنچوں تمہارے پاس؟" پاکیزہ نے سوال کیا۔ "رات آٹھ بجے۔" "میں پہنچ جاؤں گی۔" پاکیزہ بولی۔ رانا کا وہ واقعی بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔ شمشیر احمد خاں کے پاس سے آئے ہوئے کئی دن گزر چکے تھے اور اس کا سیاسی ذہن سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا اور وہ کوئی فیصلہ کرنا چاہتی تھی، پھر شاید کوئی منصوبہ اس کے ذہن میں آ گیا تھا اور اس کی تکمیل کیلئے وہ رانا ہی کا سہارا لینا چاہتی تھی۔ بہرحال مطلوبہ وقت پر وہ رانا کی اس رہائش گاہ پر پہنچ گئی۔ رانا نے پہلے سے بھی زیادہ عزت و احترام سے اس کا استقبال کیا تھا۔ پاکیزہ مسکرا کر بولی۔ "تم بہت اچھے انسان معلوم ہوتے ہو رانا جبار، ورنہ لوگ اقتدار کی پوجا کرتے ہیں، چڑھتے سورج کی مثال بالکل صحیح ہوتی ہے، تمہارے انداز میں اس وقت بھی وہی احترام ہے۔" "اس لئے کہ میں آپ کو اپنا بہت قریبی دوست اور ساتھی سمجھتا ہوں اور آپ کی حیثیت بہرحال میرے لئے اب بھی پہلے سے کم نہیں ہے، براہ کرم آج میرے ساتھ چائے پی لیجئے مجھے خوشی ہو گی۔" "ٹھیک ہے رانا انتظام کر لیں۔" رانا نے بڑا پرتکلف اہتمام کیا تھا۔ چائے کے دوران پاکیزہ نے کہا۔ "رانا! اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ خان صاحب کے شادی کے اس اقدام سے مجھے کوئی ذہنی صدمہ ہوا ہے تو یقین کرو اس کا ذرہ برابر بھی شائبہ نہیں ہے۔ میرے اور خان صاحب کے درمیان عمر کا جو فرق ہے اس کا تمہیں اندازہ ہو گا، کسی بھی ایسی لڑکی کے دل میں جھانک کر دیکھ لو بہت ہی وفا پرست اور وفا شعار ہو گی تو صرف سماج اور خاندانی شرافت کے حوالے سے۔ وہ عمر کے آخری لمحے تک نبھا دے گی، ورنہ یہ فرق قدرتی فرق ہے۔ اس میں دلوں کی ہم آہنگی کبھی نہیں ہو سکتی۔ میرے اور شمشیر احمد خاں کے درمیان یہ فرق موجود ہے، بے شک ان کی قربت میں مجھے بہت کچھ ملا ہے، لیکن رانا جبار میں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ میں ایک عام انسان نہیں ہوں۔ خیر میرا خیال ہے میں بات کو طول دے رہی ہوں۔ خان صاحب نے دوسری شادی کر لی اور میں نہیں جانتی کہ اس کے بعد میرا کیا مقام ہو گا کیونکہ اس سے پہلے کی بیگمات بھی لاپتہ ہو چکی ہیں، ہو سکتا ہے خان صاحب نے انہیں کوئی مقام دے دیا ہو، لیکن حیثیت کا چھن جانا بہت بڑی بات ہوتی ہے وہ تو خیر شوہر پرست تھیں، گزارہ کر گئیں، میں احمق نہیں ہوں کچھ چاہتی ہوں۔ سنو، رانا جبار! ایک پیشکش کرتی ہوں تمہیں، میرا ساتھ دو، خان صاحب کو کسی مناسب طریقے سے راستے سے ہٹانا ہے۔ اتنے مناسب طریقے سے کہ ہمارا کیا دھرا مٹی میں نہ مل جائے۔ اب میں نے تم سے صاف لہجے میں یہ بات کہہ دی ہے تو سمجھ لو میں نے تمہیں اپنے دوستوں میں اعلیٰ مقام دیا ہے، معاف کرنا رانا جبار جو کچھ میں کہوں اس کا برا مت ماننا، تم پہلے ایک ناکام کوشش کر چکے ہو، دوسری کوشش اتنی ناکام نہیں ہونی چاہئے جتنی پچھلی بار ہو گئی تھی اور اگر تم سمجھتے ہو کہ خان صاحب کی نگاہ تم پر نہیں ہے تو یہ تمہاری بیوقوفی ہے، خان صاحب اچھی طرح جانتے ہیں کہ فارم ہاؤس کے راستے میں ان پر قاتلانہ حملہ کس نے کرایا تھا۔ خان صاحب نے اسی وقت تمہارا نام لے دیا تھا۔ پھر کھوجی بھی جس جگہ کا پتہ چلاتے ہوئے وہاں تک پہنچے تھے وہ تمہاری ہی طرف اشارہ کرتے تھے۔ مجھ سے بات ہوئی تو خان صاحب نے کہا کہ انہیں کتے پالنے کا شوق نہیں ہے، لیکن وہ دشمن پالنا اس سے افضل سمجھتے ہیں لیکن وہ یہ کہتے ہیں کہ بات جب اپنے ہاتھ سے نکل جائے تب اس کے بارے میں سوچنا پڑتا ہے، ورنہ ایسے مہرے ہونے چاہئیں، اس سے آدمی ذرا چوکس رہتا ہے۔" رانا جبار کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا، وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے پاکیزہ کو دیکھتا رہا، پاکیزہ نے پھر کہا۔ "خیر میرا مطلب یہ ہے کہ خان صاحب چھ شادیاں اور کر لیں تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن میں اتنا چاہتی ہوں کہ دوسرے معاملات میں مجھے نقصانات ہو جائیں گے۔ خان صاحب مجھ سے دور ہوتے چلے جائیں گے اور پھر میری وہ حیثیت نہیں رہے گی، رانا بہت بڑا بھروسہ کر لیا ہے میں نے تم پر میرا مکمل منصوبہ یہ ہے کہ خان صاحب کو بہت عمدگی کے ساتھ راستے سے ہٹا دیا جائے اور میں اعلان کر دوں کہ خان صاحب نے مجھے اپنی تمام تر ذمہ داری سونپ دی ہے۔ رانا جبار اس سلسلے میں صرف ایک شخص میرے راستے کا پتھر بن سکتا ہے اور وہ ہے احمد یار خاں۔ خان صاحب کا نوجوان بیٹا جوان کے بعد ان کی جگہ لے سکتا ہے۔ میرا ایک منصوبہ ہے۔ شاید تمہیں اس بات کا علم ہو یا نہ ہو کہ احمد یار اس وقت جب الیکشن کی مہم چل رہی تھی راؤ افتخار کے ساتھ پہلی بار میرے پاس آیا تھا اور میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ میری جانب مائل ہے۔ اس وقت مجھے خود بھی علم نہیں تھا کہ خان صاحب خود مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ احمد یار خاں الیکشن کے بعد واپس چلا گیا اور اس نے اپنے باپ سے درخواست کی کہ وہ اس کی شادی مجھ سے کر دیں، لیکن خان صاحب نے اس سے کہہ دیا کہ میں ان کی ہو چکی ہوں تو بیچارہ خاموش ہو گیا، لیکن رانا جبار اتنا میں ضرور جانتی ہوں کہ میرے حسن کا جادو جس پر ایک بار چل جائے وہ مشکل سے مجھے بھول پاتا ہے۔ میری یہی تاریخ ہے، رانا جبار میں احمد یار خاں کو اپنا شکار بنانا چاہتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ اس کے کندھے پر رکھ کر بندوق چلاؤں۔ یہ موقع ایسا ہے کہ میں احمد یار خاں کی ہمدردیاں حاصل کر سکتی ہوں اور جب احمد یار خاں میرے ٹرانس میں آ کر اپنے باپ کا مخالف ہو جائے تو میرا بڑا کام بن سکتا ہے۔ ایک خواب ہے یہ میرا اور میں اس کی تعبیر حاصل کرنے کیلئے تمہاری مدد سے سارے انتظامات کرنا چاہتی ہوں، میں چاہتی ہوں کہ احمد یار خاں کھلم کھلا اپنے باپ کی موت کا باعث بنے اور جب احمد یار خاں اپنے باپ کو ہلاک کر دے تو شمشیر احمد خاں کے سیکورٹی گارڈ احمد یار خاں کو چھلنی کر دیں اور یہ سیکورٹی گارڈ وہ نہیں ہوں گے جو ہوا کرتے ہیں بلکہ یہ تمہارے اپنے آدمی ہوں گے، اور یہ سارے انتظامات تم کرو گے اور اگر اتفاق سے پوزیشن میں کوئی تبدیلی رونما ہوئی تو ہم موقع کی مناسبت سے اپنا کام کر لیں گے۔" رانا جبار دہشت زدہ نگاہوں سے اس خوبصورت ناگن کو دیکھ رہا تھا۔ کوئی زہریلی ترین ناگن وہ ہلاک کی جا سکتی ہے، لیکن عورت جب زہریلی ناگن بن جائے تو اس کی ہلاکت ناممکن ہوتی ہے، اس خوبصورت عورت کے دماغ میں کتنا خوفناک منصوبہ آیا تھا اس کا احساس رانا جبار کو ہو رہا تھا، رانا جبار نے لرزتی آواز میں کہا۔ "میں آپ کی ہر ہدایت پر عمل کرنے کیلئے تیار ہوں میڈم۔" "گڈ، اب تم مجھے احمد یار خاں کا ٹیلیفون نمبر اور اس کا ایڈریس بتاؤ۔" "ٹیلیفون نمبر چونکہ میں نے یاد نہیں رکھا ہے لیکن میرے پاس ہے وہ میں آپ کو فون پر بتا دوں گا، ایڈریس بھی پتہ چل جائے گا۔" "ایڈریس سے زیادہ مجھے ٹیلیفون نمبر کی ضرورت ہے اور اس کے ساتھ ہی اس منصوبے پر کام کرنے کیلئے تمہارے تعاون کی۔" "میڈم صرف ایک بات کہوں گا شمشیر احمد خاں کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ میں بے شک اس پارٹی میں شامل ہو چکا ہوں، لیکن بہرحال مجھے اپنی بقا بھی عزیز ہے، شمشیر احمد خاں کو اگر یہ بات معلوم ہے کہ ان پر قاتلانہ حملہ میں نے کرایا ہے تو پھر یوں سمجھئے کہ میری زندگی بھی ختم ہے، وہ اپنے آپ کو نقصان پہنچانے والوں کو کبھی زندہ نہیں چھوڑتے۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ انہوں نے کسی کارڈ کے طور پر زندہ رکھا ہوا ہے، کسی مناسب وقت استعمال کرنے کیلئے، میں اپنی جان بھی بچانا چاہتا ہوں چنانچہ آپ کیلئے ہر قدم مجھے منظور ہے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے مجھے احمد یار خاں کا ٹیلیفون نمبر فوراً بتاؤ۔" پاکیزہ نے کہا۔

☆.....☆.....☆

رانا جبار نے یہ کام فوراً ہی کر ڈالا۔ اب پاکیزہ کو اپنے تمام حربے استعمال کر کے احمد یار خاں کو اپنے جال میں پھانسنا تھا، چنانچہ تمام تر احتیاط کے ساتھ اس نے احمد یار خاں کو فون کیا۔ فون کیلئے ایسے وقت کا انتخاب کیا گیا تھا جب احمد یار خاں اپنی آرام گاہ میں ہو۔ پاکیزہ کا فون احمد یار خاں ہی نے وصول کیا تھا۔ "ہیلو کون؟" "احمد میں پاکیزہ بول رہی ہوں۔" "جی محترمہ، میں احمد یار بول رہا ہوں۔" احمد یار خاں کی الجھی ہوئی آواز سنائی دی۔ "وہ تو میں نے تمہاری آواز سے ہی پہچان لیا تھا۔ احمد یار خاں میرا خیال ہے میں تمہیں مبارکباد دوں کہ تمہارے والد نے ایک نئی شادی کر لی ہے۔ میں نہیں جانتی کہ تمہیں اس کا علم ہے یا نہیں۔" "مجھے علم ہے محترمہ۔" احمد یار خاں نے جواب دیا۔ "میں اپنی جنت سے نکال دی گئی ہوں، ماموں احتشام کے پاس میرا ٹھکانہ بن گیا ہے، بچھی ہوئی یادوں کے ساتھ جینے کیلئے انہیں یادوں میں ایک یاد تم ہو احمد یار خاں۔ ٹیلیفون پر اس سے زیادہ بات نہیں کر سکتی۔ کیا تم ایک ایسی محروم لڑکی کی کچھ دلداری کر سکتے ہو جو دنیا میں بہت سے رشتے ہونے کے باوجود تنہائی محسوس کر رہی ہے اور اس کی بھٹکتی ہوئی نگاہیں ہر طرف کا جائزہ لے رہی ہیں اور اس کا دل بے آواز چیخ رہا ہے کہ کوئی ہے جو اسے سن لے، احمد یار خاں تم مجھے سنو گے، مجھے سننا پسند کرو گے۔" پاکیزہ کی آواز سسکیوں میں ڈوب گئی۔ دوسری طرف خاموشی طاری ہو گئی تھی۔ پھر احمد یار خاں نے آہستہ سے کہا۔ "میں آپ سے کیا عرض کروں، بہت دور بیٹھا ہوا ہوں۔" "قریب ہی تو بلانا چاہتی ہوں تمہیں۔ تھوڑی دیر کیلئے ہی سہی آ جاؤ کم از کم یہ سمجھ لوں کہ جس کی ذات سے میں نے کچھ امیدیں وابستہ کیں اس نے مجھے سن کر ہی تھوڑا سا وقت دے دیا ہے۔ بولو احمد یار خاں آ سکتے ہو، میں ماموں احتشام الدین کے ہاں مقیم ہوں، وہیں رہنا میری تقدیر بنا دیا گیا ہے، آؤ گے احمد؟" "مجھے ایک لمحہ سوچنے کیلئے دیجئے۔" احمد یار خاں نے کہا۔ دیر تک خاموشی چھائی رہی پھر اس نے کہا۔ "یہاں سے واپسی کے انتظامات میں مجھے کم از کم ایک ہفتہ لگ جائے گا۔ اس کے بعد میں وطن پہنچ کر آپ سے رابطہ قائم کروں گا۔" "صرف مجھ سے احمد یار خاں، کسی اور سے نہیں، پہلے مجھے سن لینا اس کے بعد فیصلہ کر کے جہاں دل چاہے چلے جانا۔"

"میں آپ ہی کے پاس آؤں گا۔" دوران گفتگو پاکیزہ لرزتی اور سسکتی رہی تھی۔ بڑا تاثر تھا اس آواز میں۔ مگر دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کے بعد اس نے پیٹ پکڑ پکڑ کر قہقہے لگائے تھے۔ اتنے قہقہے کہ اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے تھے۔ بہت عرصے کے بعد کسی اور مرد کو بیوقوف بنانے کا موقع ملا تھا۔

☆.....☆.....☆

رانا جبار سے پاکیزہ کا مسلسل رابطہ تھا اور اس سلسلے میں نہ صرف پاکیزہ بلکہ رانا جبار بھی انتہائی احتیاط اور ہوشیاری سے کام کر رہا تھا، اس نے دو افراد متعین کئے تھے، جنہیں خود شمشیر احمد خاں بھی نہیں جانتے تھے، نہ ہی رانا جبار کے علاقے سے ان کا تعلق تھا۔ لیکن بہرحال وہ رانا کے وفادار تھے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس دور میں دولت ہر چیز مہیا کر دیتی ہے۔ کوئی چودہ دن گزر گئے تھے، چند ہی روز کے بعد احمد یار خاں نے ٹیلیفون کر کے کہا تھا۔ "کتنی عجیب بات ہے کہ آپ نے ساری گفتگو کی لیکن مجھے اپنے رابطے کا نمبر نہیں دیا، وہ تو اتفاق سے میرے سی ایل آئی پر آپ کا نمبر تھا، ورنہ ظاہر ہے بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ آپ سے رابطے کے لئے کیونکہ احتشام الدین صاحب کے سامنے تو آنا ہی نہیں تھا۔" "میں ذہنی طور پر ٹھیک ہوں ہی کہاں؟" "میں نے انتظامات کر لئے ہیں جیسے ہی وطن پہنچا آپ کو اطلاع دوں گا۔" اور بالآخر پاکیزہ کو اپنے موبائل پر ایک خفیہ فون موصول ہوا۔ "آپ کا طلب کردہ مہمان آپ کی خدمت میں پہنچ گیا ہے، رائل ہوٹل کے کمرہ نمبر ایک سو پانچ میں آپ کا مہمان مقیم ہے، جب بھی آپ پسند کریں۔" "میں آ رہی ہوں۔" پاکیزہ نے ایک ایسے لباس کا انتخاب کیا جس میں سادگی بھی تھی، پرکاری بھی۔ اس طرح وہ احمد یار خاں کے سامنے پہنچی۔ پہلی نگاہ میں اس نے احمد یار خاں کے تاثرات کو محسوس کر لیا۔ اسے اپنا مشن کامیاب لگا تھا۔ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ احمد یار خاں سے ملی۔ "میں فیصلہ نہیں کر پائی احمد یار خاں کہ میں تم سے کیسے ملوں، کبھی کبھی تقدیر کے کھیل اتنے ہی بھیانک ہوتے ہیں۔" "آئیے... بیٹھئے۔" "تمہارا شکریہ احمد یار خاں کہ تم نے مجھے کسی نام سے نہ پکارا، میری پچھلی ہوئی شخصیت کو اور نہ کچلا۔ اگر کوئی اتنا ہی خیال کر لے تو معمولی بات نہیں ہوتی، میرے اور تمہارے درمیان جو رشتہ بنا دیا گیا ہے وہ بڑا درد ناک ہے احمد یار خاں۔" "آپ کیسی ہیں؟" "احمد یار خاں کبھی کبھی انسان اپنے حالات سے مجبور ہو کر اس قدر پستیوں میں جھک جاتا ہے کہ اس کی اپنی کوئی شخصیت نہیں رہتی، ایک زمانہ تھا کالج کی زندگی تھی، لوگ مجھے ایک خاص اہمیت دیتے تھے، اس بات کے اعتراف میں کوئی عار نہیں محسوس کرتی کہ درمیانے درجے کے گھر سے تعلق رہا اور فراغتیں حاصل نہ رہیں جو مجھے ایک اونچا معیار بھی دے سکتیں۔ ماموں احتشام کے پاس آ گئی۔ وہاں خان صاحب تشریف لائے، کیا تم یقین کرو گے احمد یار خاں کہ میں نے انہیں بڑے احترام کی نگاہوں سے دیکھا۔ مجھے اجازت دو کہ اس وقت جو میرے دل میں ہے تمہارے سامنے کہہ دوں اور کچھ نہیں ہو گا تو کم از کم دل کا بوجھ ہی ہلکا ہو جائے گا۔ ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ شمشیر احمد خاں کو میں نے احترام کی نگاہوں سے دیکھا، ماموں احتشام الدین نے الیکشن کے دور میں کچھ ذمہ داریاں میرے سپرد کیں، میں نے انہیں سرانجام دیا اور اسی دوران مجھے تم نظر آ گئے، میں نے اپنی تقدیر کو کبھی اس قابل نہیں سمجھا کہ میں اتنی بلندیاں چھو لوں، لیکن احمد یار خاں تم میرے دل پر ایک نقش چھوڑ گئے اور وہ نقش آج بھی میرے سینے میں جل رہا ہے، احمد یار خاں مجھ سے پوچھا گیا کہ میں کسے پسند کرتی ہوں، احمد یار خاں یا شمشیر احمد خاں کو تو میں حیران رہ گئی۔ شمشیر احمد خاں کو میں ایک بزرگ کی حیثیت سے تو پسند کر سکتی تھی کسی اور حیثیت سے بھلا کہاں دلوں کے سودے عمر کے ساتھ ساتھ ہوتے ہیں، ماموں احتشام الدین میرے پیر پڑ گئے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے میری منزل کبھی نہیں مل سکے گی، وہ اپنے اہل خاندان کے ساتھ تباہ ہو جائیں گے۔ بھلا شمشیر احمد خاں انہیں کہاں چھوڑیں گے، اس نے نجانے کیا کیا جتن کر کے ماموں احتشام الدین نے میری گردن جھکا دی اور مجھے بے دست و پا کر کے شمشیر احمد خاں کی خلوت میں پہنچا دیا۔ احمد یار خاں کتنی سسکی، کتنی تڑپی تھی میں۔ لیکن بھلا تم سے رابطہ کرنے کی کیا گنجائش تھی، تقدیر کے فیصلے کو قبول کیا میں نے، بڑی خدمت کی میں نے ان کی، لیکن انہوں نے اس خدمت کا صلہ مجھے یہ دیا کہ مجھے اپنی دنیا سے نکال دیا، میں بہت خوش ہوں یہاں آ کر۔ کم از کم مجھے وہ اذیتیں تو نہیں برداشت کرنا پڑتیں، لیکن نہ جانے کیوں یہاں آنے کے بعد میرے دل میں تمہاری یاد طوفان کی طرح امڈ پڑی، میرے پاس کوئی ذریعہ نہیں تھا، نہ جانے کیسے کیسے جتن کر کے میں نے تمہارا پتہ حاصل کیا اور تم سے رابطہ کیا۔ بس شاید تم یقین نہ کرو کہ دل کے دروازے کھول کر مجھے کتنا سکون مل رہا ہے، کم از کم میں نے تم سے دل کی بات تو کہہ دی۔" پاکیزہ گردن جھکا کر سسکیاں لینے لگی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ ایک لمحے کیلئے احمد یار خاں کے چہرے پر کشمکش کے آثار پیدا ہوئے، لیکن پھر اس نے خود کو سنبھال لیا اور بولا۔ "تقدیر نے ہم دونوں سے مذاق کیا ہے پاکیزہ، میں اپنے باپ کے سامنے ہمیشہ بزدل رہا، کبھی ان سے وہ نہ مانگ سکا جو میں خود چاہتا تھا، جو انہوں نے دے دیا اسی پر صبر کر لیا، پاکیزہ، کاش تم یہ سب کچھ مجھ سے نہ کہتیں اب تو دل کی خلش اور بڑھ گئی ہے۔" "اپنے لئے تم نے کبھی احمد یار خاں، خان صاحب سے کچھ نہیں مانگا۔ لیکن ایک ایسی بدنصیب جسے زندگی نے کچھ نہیں دیا، اگر تم سے مدد کی درخواست کرے تو مجھے بتاؤ کیا یہ غلط ہے، کیا تم اس کی مدد نہیں کرو گے۔" "تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم چاہتی کیا ہو؟" "چھٹکارا، اس شخص سے چھٹکارا جس نے میری آرزوؤں کو پامال کر کے بھی مجھے کچھ نہیں دیا۔ کم از کم وہ مقام ہی میرے پاس رہنے دیتا، اب تو بس میں ایک تماشا ہوں جسے لوگ دیکھیں گے اور ہنسیں گے۔" احمد یار خاں سوچ میں ڈوب گیا، بہت دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔ "اب میں تمہیں بھی اپنے دل کی بات بتانا چاہتا ہوں، میری ماں کا انتقال ہو گیا، خان صاحب اگر چاہتے تو مجھے اپنی قربت میں جگہ دے سکتے تھے، لیکن انہوں نے اپنے شبستانوں میں میرا سایہ بھی پسند نہ کیا اور مجھے خود سے دور پھینک دیا۔ میں ایک لاوارث انسان کی طرح جیتا رہا مگر میں نے پھر بھی ایک باپ کی لاج رکھی۔ سر جھکائے خان صاحب کے ہر حکم کی تعمیل کرتا رہا۔ وہ مجھے اپنے آپ سے دور رکھنا چاہتے تھے میں نے ان کی یہ خواہش بھی پوری کی اور ان سے دور رہا۔ کچھ بھی نہیں ملا ہے مجھے...... البتہ خان صاحب مجھ سے بہت کچھ چھینتے رہے ہیں، یہاں تک کہ انہوں نے تمہیں بھی مجھ سے چھین لیا۔ خیر یہ ان کی مرضی تھی، مگر مجھے یہ بتاؤ کہ میں یہاں بے یار و مددگار ہوں۔ خان صاحب کے خلاف کچھ کرنا بھی چاہوں تو بالکل تنہا اور بے وسائل ہوں۔" "اور اگر میں تمہیں مددگار مہیا کر دوں تو......" احمد یار خاں نے چونک کر پاکیزہ کو دیکھا پھر بولا۔ "میں سمجھا نہیں۔" "میں بے وسائل نہیں ہوں، میں نے تنگ و دو کی ہے۔ کم از کم ذہنی حد تک، کیونکہ میں، میں بہت کچھ کھو چکی ہوں اور اب میں زیادہ کھونا نہیں چاہتی، جو کھو چکا ہے وہ بہت کچھ ہے، مجھے میری زندگی میں اب کوئی مقام درکار ہے۔ بولو اگر میں تمہیں کوئی مددگار مہیا کر دوں تو کیا تم میرا ساتھ دو گے؟" "کیا وہ مددگار قابل اعتبار ہو گا؟" "ہاں یقیناً قابل اعتبار ہو گا۔" "مجھے سوچنے کا موقع دو گی، حالانکہ میرے پاس بہت زیادہ وقت نہیں ہے۔" "نہیں احمد یار خاں اب تم میرا مستقبل بن جاؤ، سمجھے، ہمیں شمشیر احمد خاں کو راستے سے ہٹانا ہو گا، ایک پروگرام رکھیں گے ہم، میں اب تم سے یہ کہنے میں کوئی دقت نہیں محسوس کر رہی، ہم دونوں کو لوٹا گیا ہے، ہم لٹیرے کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔" "اس طرح جذباتی نہ ہو پاکیزہ، تھوڑا سا غور کر دو سوچو، پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ کیا کوئی ایسا قابل اعتماد شخص تمہاری نگاہوں میں ہے۔" "ہاں ہے، مجھے سیاست سکھائی جا رہی ہے اور سیاست میں یہ بات سب سے پہلی حیثیت رکھتی ہے کہ اپنے بارے میں سوچو، دوسروں سے مسکرا کر ملو ان سے بھی جن کی زندگی تم ایک لمحے کے لئے بھی پسند نہ کرتے ہو۔" "وہ مددگار کون ہو سکتا ہے ایسا؟" احمد یار خاں نے پرخیال انداز میں کہا۔ "رانا جبار۔" پاکیزہ آہستہ سے بولی۔ احمد یار خاں کے چہرے پر انتہائی حیرت کے آثار نمودار ہو گئے۔ بہت دیر تک وہ خاموش رہا پھر سرسراتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "کیا رانا جبار آپ کیلئے یہ کام کر سکتا ہے؟" "ہاں اس کی کچھ وجوہات ہیں، یہ بات طے ہے کہ رانا جبار ہمیشہ سے شمشیر احمد خاں کا مخالف رہا ہے، وہ تو راؤ افتخار بدنصیب تھا کہ اس نے بعض معاملات میں شمشیر احمد خاں سے انحراف کیا اور ان کی نگاہوں سے گر گیا، جس کے نتیجے میں اسے الیکشن ہارنا پڑا۔ بھلا کسی کی مجال تھی کہ شمشیر احمد خاں کے علاقے میں الیکشن جیت جاتا۔ پھر راؤ افتخار اپنی سرکشی کے ہاتھوں مارا گیا۔ شمشیر احمد خاں نے اسے قتل کرایا، رانا جبار کو انہوں نے مجبور کیا کہ وہ پارٹی تبدیل کرے اور ان کی پارٹی میں شامل ہو جائے، اسے انتہائی حقیر طریقے سے پارٹی میں شامل ہونا پڑا، کیونکہ شمشیر احمد خاں صاحب نے راؤ افتخار کا قاتل اسے قرار دیا تھا اور دھمکی دی تھی کہ وہ راؤ افتخار کے قاتل کی حیثیت سے گرفتار ہو کر اپنا سب کچھ کھو بیٹھے گا، یہ تمام باتیں ایسی نہیں تھیں جو وہ خان صاحب کا وفادار رہتا، مجبوری ایک الگ چیز ہوتی ہے۔" احمد یار خاں دیر تک سوچتا رہا تھا، پھر اس نے کہا۔ "کیا رانا جبار کا آپ سے رابطہ ہو چکا ہے؟" "ہاں...... ہو چکا ہے۔" "اسے طلب کیجئے مجھ سے ملایئے۔" "میں اسے بلاتی ہوں۔" پاکیزہ نے کہا۔

☆.....☆.....☆

رانا سخت خوفزدہ تھا، بڑی مشکل سے وہ احمد یار خاں سے ملنے کو تیار ہوا۔ احمد یار خاں اب بالکل پراعتماد نظر آ رہا تھا اس نے کہا۔ "ہاں رانا جبار زندگی اسی طرح رخ بدلتی ہے، کبھی کبھی ہم کسی بدلے ہوئے رخ سے اتنے حیران ہو جاتے ہیں کہ اپنی ذات تک سے ہمارا یقین اٹھ جاتا ہے، پاکیزہ مجھے پسند تھیں، میرے باپ نے انہیں اپنے لئے منتخب کر لیا، اس طرح کی زیادتیاں خان صاحب ہمیشہ کرتے رہے ہیں، میں اپنی خوشی سے ملک سے باہر نہیں رہا ہوں بلکہ یوں سمجھو کہ میں نے اسی میں عافیت سمجھی کہ میں ملک سے باہر چلا جاؤں، ورنہ خان صاحب کے مزاج کا کیا ٹھکانہ، زندگی اس طرح کھونے کی چیز تو نہیں ہوتی، انہوں نے عمر کا ایک طویل سفر طے کر لیا ہے، لیکن آج بھی وہ دوسروں کی حق تلفی ہر لحاظ سے جائز سمجھتے ہیں، کوئی چیز ان کیلئے ناجائز نہیں ہے۔ احتجاج تو ہر شخص کا حق ہوتا ہے، مجھ سے میری پسند بھی چھین لی انہوں نے، میں فرشتہ نہیں ہوں رانا۔ اپنے دل میں کوئی غلط خیال مت لانا، جس کام کیلئے یہاں آئے ہو اس کیلئے پورے اعتماد کے ساتھ بات کرو۔" رانا اچنبھے سے احمد یار خاں کو دیکھ رہا تھا۔ احمد یار خاں کے چہرے پر ایک سختی تھی جو رانا کو اس بات کا احساس دلاتی تھی کہ بیٹا باپ سے گریزاں ہے اور اپنی محبت کی موت پر برافروختہ بھی، اس نے کہا۔ "ٹھیک ہے، میں آپ کو اپنی وفاداری کا یقین دلاتا ہوں اور مستقبل میں آپ کے ہر اشارے پر سر جھکا کر کام کرنے کیلئے تیار ہوں۔" "ہم لوگ یہ طے کر چکے ہیں کہ خان صاحب کو راستے سے ہٹانا ہو گا، تم اس سلسلے میں میری کیا مدد کر سکتے ہو؟" "جو آپ کے تصور میں آئے۔" "ہوں...... تو پھر سنو، مستقبل کیلئے میں نے بھی منصوبہ بندی کی ہے۔ میں شمشیر احمد خاں صاحب کا سب سے بڑا بیٹا ہوں، ان کی اور بھی اولادیں ہیں، مگر نہ ہونے کے برابر۔ میرا مطلب ہے کہ خان صاحب کبھی انہیں منظر عام پر نہیں لائے وہ دور دراز علاقوں میں جی رہی ہیں اور مجھے ان سے کوئی پرخاش بھی نہیں ہے، آنے والے وقت میں اگر مجھے خان صاحب کی جائیداد اور دولت میں سے ان لوگوں کا حصہ بھی نکالنا پڑے تو مجھے اعتراض نہیں ہو گا۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو پاکیزہ نے مجھے بلایا ہے، مجھے خود بھی اپنی حق تلفی کا احساس تھا مگر خون کے گھونٹ پی کر خاموش ہو گیا تھا۔ میں خاموشی سے آیا ہوں اور خاموشی سے ہی واپس چلا جاؤں گا، تمہیں جو کام کرنا ہے رانا جبار وہ یہ ہے کہ خان صاحب کی موت کے بعد ان تمام علاقوں کی بھرپور طریقے سے نگرانی کرو اور مجھے اطلاع دو میں آؤں گا اور اس کے بعد تمہیں اپنی تمام جائیداد کا نگراں قانونی طور پر مقرر کر دوں گا اور اس کے بعد میں پاکیزہ کو لے کر امریکہ چلا جاؤں گا۔" "بالکل ٹھیک۔" "اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خان صاحب کو راستے سے کیسے ہٹایا جائے؟" "کیا اس سلسلے میں کوئی تدبیر آپ کے ذہن میں ہے؟" رانا جبار نے احمد یار خاں سے سوال کیا۔ احمد یار خاں نے پاکیزہ کو دیکھا پھر بولا۔ "کیوں پاکیزہ؟" "نہیں اب جبکہ تمام باگ ڈور میں نے تمہیں سونپ دی ہے احمد یار خاں تو نہ جانے کیوں میں مطمئن ہو گئی ہوں۔" "ٹھیک ہے، میرا منصوبہ یہ ہے کہ میں خفیہ طور پر خان صاحب سے ملتا ہوں۔ خان صاحب سے کہوں گا کہ ان کے خلاف کوئی سازش ہو رہی ہے۔ انہیں بہلا نا پھسلانا میری ذمہ داری ہے اور اس کیلئے میں نے ایک بہترین جگہ منتخب کی ہے جہاں میں خفیہ طور پر انہیں لے کر جاؤں گا اور ان سے کہوں گا کہ اس سازش کا انکشاف میں فلاں جگہ کروں گا اور یہ جگہ نگر والا ہاؤس ہو گی، نگر والا ہاؤس میں خان صاحب نے ایک خفیہ قتل گاہ بنا رکھی ہے، اپنے دشمنوں کو وہ وہیں لے جا کر ختم کرتے ہیں اور کسی کو اس کا پتہ نہیں چل پاتا۔" "آہ میں نے نگر والا ہاؤس کے بارے میں سنا تھا، بس کچھ اڑتی اڑتی خبریں مجھ تک پہنچی تھیں، مگر اس کی تصدیق آج ہو رہی ہے۔" "خان صاحب کو وہاں تک لے آنا میری ذمہ داری ہے، میں تنہا ہی انہیں لے کر آؤں گا، تم بتاؤ اس سے آگے کیا کرنا ہے۔" "میں اپنے اعتماد کے چار آدمی ساتھ لے آؤں گا جو خان صاحب کو گولیوں سے چھلنی کر دیں گے۔" "بالکل مناسب، وہاں میں اور پاکیزہ بھی موجود ہوں گے، لیکن تمہیں انتہائی رازداری برتنا ہو گی اور جو باتیں یہاں ہو رہی ہیں ان سے ایک لفظ بھی پیچھے نہیں ہٹنا ہو گا۔" "ایسا ہی ہو گا تم بے فکر رہو۔" پھر اس کے بعد رانا جبار اور احمد یار خاں پاکیزہ کی موجودگی میں باتیں کرتے رہے تھے، اس کے بعد رانا جبار خفیہ طریقے سے چلا گیا تو احمد یار خاں نے مسکرا کر پاکیزہ کو دیکھا اور بولا۔ "ویسے پاکیزہ آپ کا حسن بے مثال نجانے کتنے انسانوں کی موت کا باعث بنا ہو گا، آپ کو دیکھ کر لوگ اپنے رشتے بھول جاتے ہیں، خان صاحب سے مجھے پرخاش ضرور تھی لیکن ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ میں ان کی زندگی کا گاہک بن جاؤں گا، یہ میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔" پاکیزہ مسکرا دی اور بولی۔ "محبت اسی کو کہتے ہیں احمد یار خاں، میں تمہیں سچ بتا رہی ہوں، زندگی میں میرا تجربہ بہت زیادہ نہیں ہے، لیکن اتنا میں جانتی ہوں کہ یہ جذبہ ہر شخص کو بے اختیار کر دیتا ہے۔" "ہاں ایسی ہی بات ہے۔" احمد یار خاں ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ پاکیزہ نے کہا۔ "تو اب تم خان صاحب کے پاس جاؤ گے، اپنی آمد کے بارے میں کیا کہو گے؟" "وہی احمقانہ خیال میں ان سے ایک خواب کا تذکرہ کروں گا جو مجھے بے چین کر کے یہاں تک لے آیا اور اس کے بعد کوئی ایسی کہانی گھڑ کر انہیں سناؤں گا جو مجھے ان کے ساتھ نگر والا ہاؤس تک جانے پر مجبور کر دے۔" "اتفاق کی بات یہ ہے کہ میں نے یہ نگر والا ہاؤس کبھی نہیں دیکھا۔" "میں نے بھی نہیں دیکھا تھا، خان صاحب نے مجھے نہیں بتایا تھا، لیکن ایک بار بس ایک بار راؤ افتخار مرحوم نے مجھے اس کے بارے میں بتایا تھا کیونکہ خان صاحب نے ایک بار راؤ افتخار کو وہاں لے جا کر اپنے کچھ دشمنوں کا صفایا کیا تھا، نگر والا ہاؤس میں ایک اندھا کنواں ہے جو خاصا وسیع اور ناقابل یقین حد تک گہرا ہے۔ خان صاحب کے لاتعداد دشمنوں کے ڈھانچے اسی اندھے کنوئیں میں پڑے ہوئے ہیں، میں نہیں جانتا اس دوران انہوں نے مزید کتنے افراد کو اس کنوئیں کی نذر کیا ہے، لیکن بہرحال اب انہیں اسی کنوئیں میں جانا ہو گا۔" "واہ بڑے لوگوں کے کھیل بھی بڑے ہی ہوتے ہیں اور انہیں کبھی کبھی یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ ان کی بڑائی کس طرح انہی کے ہاتھوں دفن ہونے والی ہے۔" پاکیزہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تو پھر پاکیزہ میں آج ہی شمشیر احمد خاں کے پاس روانہ ہو رہا ہوں۔" "اور اس کے بعد؟" "ساری منصوبہ بندی تمہارے علم میں رہے گی، میں وقت مقررہ پر تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا اور پھر سارے کام مکمل ہو جائیں گے۔" "میں تمہاری کامیابی کا انتظار کروں گی۔" پاکیزہ نے جواب دیا۔

☆.....☆.....☆

درحقیقت بڑی ہولناک جگہ تھی، تاحد نگاہ ویرانی پھیلی ہوئی تھی، چھدرے چھدرے درخت بالکل یوں لگ رہے تھے جیسے کوئی پراسرار مخلوق ساکت و جامد کھڑی ماحول پر نگاہیں جمائے ہو، ایک بوسیدہ سی عمارت نظر آ رہی تھی، پاکیزہ نے سہمے ہوئے لہجے میں رانا جبار سے کہا۔ "خان صاحب کی شخصیت واقعی بڑی عجیب و غریب ہے، کوئی صحیح طور پر کہہ ہی نہیں سکتا کہ ان کا اصل روپ کیا ہے، ان کا فارم ہاؤس کس قدر خوبصورت ہے، میں نے وہ بھی دیکھا ہے اور یہ جگہ بھی دیکھ رہی ہوں۔" اور رانا جبار خود متاثر تھا، پاکیزہ کی بات کا اس نے کوئی جواب نہیں دیا، پھر انہیں دور سے کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس نظر آئیں اور پاکیزہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولی۔ "آ گئے۔" رانا جبار نے اب بھی کوئی جواب نہیں دیا تھا، اس کے پراعتماد ساتھی ایک مخصوص جگہ مستعد کھڑے ہوئے تھے، تھوڑی دیر کے بعد ایک بڑی لینڈ کروزر وہاں پہنچ گئی۔ شمشیر احمد خاں اور احمد یار خاں اس سے نیچے اترے اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے آگے آنے لگے۔ پتہ نہیں احمد یار خاں نے شمشیر احمد خاں کو کیا پٹی پڑھائی تھی کہ وہ بیٹے کے ساتھ اکیلے یہاں آ گئے تھے۔ بہرحال باپ بیٹے کا معاملہ تھا، باپ نے بیٹے پر اعتبار کیا ہو گا۔ کچھ لمحوں کے بعد احمد یار خاں کی آواز ابھری۔ "باہر آ جایئے آپ لوگ، میں نے تمام صورتحال اپنے قابو میں کر لی ہے۔ آیئے پاکیزہ، آؤ رانا جبار۔" احمد یار خاں کی آواز میں بڑی پختگی تھی۔ شمشیر احمد خاں شاید ہکا بکا رہ گیا ہو گا کیونکہ بہرحال تاریک ماحول میں اس کے چہرے کے تاثرات نہیں دیکھے جا سکے تھے، البتہ احمد یار خاں کو انہوں نے دیکھا جو پستول ہاتھ میں لئے ایک دم شمشیر احمد خاں کے پاس سے ہٹ گیا تھا۔ پاکیزہ اور رانا جبار مسکراتے ہوئے باہر آ گئے۔ شمشیر احمد خاں ساکت کھڑا ہوا تھا۔ احمد یار خاں نے کہا۔ "خان صاحب، ہم آپ کے دشمن ہیں، دیکھئے ان خاتون کو یہ پاکیزہ ہیں جنہوں نے آپ کیلئے سب کچھ قربان کر دیا، یہ رانا جبار ہے جو ہمیشہ آپ کی مخالفت کا شکار ہو کر ان علاقوں میں اپنا مقام حاصل نہ کر سکا اور ہمیشہ آپ کے ظلم و ستم کا شکار رہا۔ پاکیزہ نے اپنا سب کچھ آپ کو دے دیا اور آپ نے اسے معزول کر کے اس کے ماموں کے پاس بھجوا دیا اور دوسری شادی کر لی۔ یہ آپ کے جرائم ہیں اور ان جرائم کی سزا دینے کیلئے آپ کو یہاں لایا گیا ہے، رانا جبار اپنے آدمیوں کو بلاؤ تاکہ وہ خان صاحب کو ان کے آخری انجام تک پہنچا دیں۔" رانا جبار نے سیٹی بجائی اور اس کے چاروں آدمی سامنے آ گئے۔ وہ سب مسلح تھے۔ لیکن دوسرے لمحے جو کچھ ہوا وہ ناقابل یقین تھا، خان صاحب کی لینڈ کروزر سے گولیوں کی ایک بوچھاڑ نکلی اور وہ چاروں آدمی زمین پر گر کر تڑپنے لگے۔ گولیوں نے ان کے جسموں کو چھلنی کر دیا تھا، وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکے اور لمحوں کے اندر زمین بوس ہو گئے۔ رانا جبار اور پاکیزہ دنگ رہ گئے تھے، ایک بار پھر احمد یار خاں نے پینترا بدلا اور واپس شمشیر احمد خاں کے پاس آ کھڑا ہوا پھر اس نے کہا۔ "محترمہ پاکیزہ اور عزیز دوست رانا جبار، پاکیزہ تو خیر اپنی عمر کے لحاظ سے ایک ناتجربے کار خاتون تھیں، لیکن تمہیں کیا ہو گیا تھا۔ میں شمشیر احمد خاں کا جائز بیٹا ہوں اور مجھے اپنے باپ سے زیادہ کائنات میں اور کوئی چیز عزیز نہیں ہے۔ تم لوگوں نے مجھے ہی ان کے خلاف استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ کمال کی بات ہے لیکن بہرحال میں نے اپنا فرض پورا کیا۔ پاکیزہ! تم انتہائی مکروہ اور گھناؤنی عورت ہو، میری ماں کا درجہ حاصل کرنے کے باوجود تم نے مجھے اپنے حسن کا شکار بنانے کی انتہائی احمقانہ کوشش کی۔ بڑے افسوس کی بات ہے، بہرحال تم دونوں کا مقام وہ اندھا کنواں ہے جو خان صاحب کے دشمنوں کی آخری آرام گاہ بنتا رہا ہے اور وہ کنواں تمہارے پیچھے ہی ہے۔ کیا سمجھیں، میں خان صاحب کو تمام تفصیل بتا کر یہاں لایا ہوں۔ یہ میرا فرض تھا، ایک بیٹے کا فرض، میری ماں کی حیثیت اختیار کرنے کے باوجود تم نے یہ بات سوچی اس سے تمہارے کردار کا پتہ چلتا ہے۔ رانا جبار جاؤ اور اس کنوئیں میں چھلانگ لگا دو ورنہ ہمارا فائرنگ اسکواڈ تمہارا بدن چھلنی کر دے گا۔"

رانا جبار نے ایک لمبی چھلانگ لگائی تھی۔ لیکن اسے گولیوں نے آ لیا اور اس کے پورے بدن میں سوراخ ہی سوراخ ہو گئے۔ البتہ پاکیزہ کا قہقہہ فضا میں گونجا تھا۔ "یہ تو ہوتا ہے، کبھی ریل کبھی جیل، میں نے زندگی کے بہت سے عیش حاصل کئے ہیں، لیکن یہ جان کر کہ بہرحال زندگی کی انتہا موت ہے۔ او کے احمد یار خاں، شمشیر احمد خاں، خدا حافظ کہنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، میں جا رہی ہوں، بس اتنی ہی عمر ملی تھی۔" یہ کہہ کر وہ دوڑی۔ اور پیچھے نظر آنے والے گہرے کنوئیں کے اندر چھلانگ لگا دی۔

(ختم شد)